

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188643

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۵۱

Accession No. ۱۳۵۰۸

Author مصطفیٰ کاشانی

۱۳۵۰۸

Title

This book should be returned on or before the date
last marked below.

ہلالِ صلیب

ملک الناصر صلاح الدین ایوبیؒ کے مسطور سوانح حیات

مرتبہ ایم۔ اسلم صاحب

جسکے آغاز میں

دیباچے کے طور پر ابوالاثر حقیقہ کی ایک نظم بھی درج کی گئی ہے

بفرومائش

منیجر اردو اکیڈمی پنجاب لوہاری گیٹ لاہور

صلاح الدین ایوبیؒ

از ابوالاثر حفیظ جالندھری

مشرق

سنا تا ہوں تمہیں اک واقعہ اُس عہدِ زرین کا
 تسلط تھا زمیں پر جب مجبازی دین و آئین کا
 رواں تھے شمشِ جہت میں قافلے اُن ساربانوں کے
 کہ جنکے دل میں حق تھا لبِ پیغمبر تھے اذانوں کے

فلک پر ہوندر و زل جس طرح مٹھل ستاروں کی
 درخشاں تھیں زمیں پر بستیاں ایسا ناول کی
 مکاتب سے رواں تھے چشمہائے علم انسانی
 مساجد سے عیاں تھے جلوہ ہائے نورِ عسکری
 ازل سے جو شرف انسان کے حصے میں آئے تھے
 وہ اس اُمت نے لا کر ان زمینوں میں بسائے تھے
 یہاں سچے خدا کا آخری فرمان جاری ہوتا
 مسلمانوں کا شیوہ۔ شیوہ طاعت گزاری ہوتا
 دینے سے یہ پیغامِ الہی لے کے آئے تھے
 مروت۔ پاکبازی۔ خوش نگاہی لیکے آئے تھے
 زمین پر فرست نہ پھیلا نہیں تھا ان کے مقصد میں
 نظامِ امن اور پیغامِ دین تھا ان کے مقصد میں
 محافطہ تھے یہ میاؤں۔ ہستیموں اور ضعیفوں کے

یہ دشمن تھے شہریوں کے یہ محسن تھے شہر نفیوں کے
 مفاسد کو مٹا دیتا تھا دستِ حق پرست ان کا
 دُعا گو تھا جہاں میں ہر خلیف وزیرِ دستِ ان کا
 غلاموں کو یہ آزادی کی راہیں دینے والے تھے
 یہ مظلوموں کو دامن میں پناہیں دینے والے تھے
 بہت افتادہ قومیں دامنوں میں ان کے بستی تھیں!
 یہاں لطفِ کرم کی ہدایاں جن پر بستی تھیں
 گذرِ اوقات کرتے تھے بشرِ امن اور راحت سے
 تجارت سے صناعت سے زراعت سے فلاحیت
 یہاں شاکی تشدد کا نہ سرمایہ نہ مزدوری
 یہاں محنت بھی پُر احسان تھی اور مزد بھی پوری
 یہ سارا فیضِ بہتِ قرآنِ ناطق کی نبوت کا!
 کہ ہم سرِ سود و ر د و راہتِ مساواتِ اخوت کا

نگہ میں شرم، دل میں نورِ معنی جاری و ساری؛
 سکون و راحتِ امن و امان تھا ہر طرف طاری

مغرب

عنانِ ابلقِ ایام ہے اللہ کے بس میں
 اندھیرے اور اُجالے کی حدیں ملتی ہیں آپس میں
 بلا ہے جس طرح دن کی حدوں سے رات کا ڈانڈا
 ادھر روشن ممالک تھے۔ اُدھر ظلمات کا ڈانڈا
 ادھر یہ کارواں بھتا راہِ تہذیب و تمدن پر
 اُدھر تھا مدّتوں سے سازِ مہستی اور ہی دُھن پر
 وہاں تاریکیاں تھی جہل بھتا ظلمتِ کچے سماں تھے
 وہاں انسان بستے تھے جو ہر پہلو سے حیاں تھے!

وہاں ہنگامہائے قتل و غارت کا زمانہ تھا
 مسلسل فتنہ و شور و شرارت کا زمانہ تھا
 حکومتِ پوپ کی تھی اور یا نواب زادوں کی !
 جنہیں پرِ واحد کی تھی نہ اپنے باپ دادوں کی
 نہ تھا ان کے عقیدے میں گنہ اور کارِ بد کوئی
 سزا کوئی مستدران کے مذہب میں نہ حد کوئی
 مبدل تھی وہاں انجیل عیسٰی چند قصوں میں !
 خدا تقسیم ہو کر رہ گیا تھا تین حصوں میں !
 خدا پھر اُس کا بیٹا۔ اور وہ بیٹا بھی خدا اُن کا
 علاوہ ان کے رُوح القدس بھی معبود تھا ان کا
 زیادہ سب سے محبستی تھی مگر تصویرِ مریم کی
 خدا سے بڑھ کے ہوتی تھی یہاں تو قیصرِ مریم کی
 بہت سی اور رُوحوں کی بھی شرکت تھی خدائی میں

لگی رہتی تھیں جو اس قوم کی حاجت وائی میں
 غرض اللہ کی مخلوق تھی شیطان کے پھنڈوں میں
 کمر وڑوں تھے مگر کوئی نہیں تھا حق پسندوں میں
 وہاں ناموس انسانی کی قیمت ہی نہ تھی کوئی !
 حیا و شرم کی جانب عزیمت ہی نہ تھی کوئی
 نہ رتبہ علم میں اس کا نہ کچھ احسان میں پایہ
 یہی ظلمت کدہ تھا ارضِ اسلامی کا ہمسایہ

صلیبی حملے

ازل سے خیر و شر میں شکل ہے جنگ آزمائی کی
 عدو ہے ظلمتِ بوجہل نورِ مصطفائی کی
 ضیا دیکھی جو مشرق میں تو شیطان نے شرارت کی

رُخِ مغرب سے اک آندھی اٹھائی قتل و غارت کی
انوکھی طرز کی آندھی۔ نرالے طور کی آندھی!

ہوا و حرص کی آندھی۔ جفا و جور کی آندھی
یہ آندھی ایک ڈاکا ہتھیلی سی سوراؤں کا

یہ عفرتوں کی فوجیں تھیں یہ لشکر تھا بلاؤں کا
یہ سفاکی تھی المانی۔ یہ رومانی تھی ناپاک کی!

یہ بیباکی تھی انگلیسی۔ نرسا دی ہوسنا کی
اُد آئی یہ آندھی ناگہاں ارضِ فلسطین پر

تعصب کی ہوا سے آگ برسی گلشنِ دیں پر
کیا انسانیت پر مل کے دھاوا ان درندوں نے

لہو پی جانے والے قاتلوں ایذا دہندوں نے
نظر آئی جہاں پر امن باشندوں کی آبادی!

وہیں یورپ کے خوننی بھیڑیوں نے موت پھیلا دی

غضب تھے کارنامے یورپی تیغ آزماؤں کے
 کہ ان کے ہاتھ سے کاٹے گئے پستان ماؤں کے
 نزالا کھیل تھا مد نظر خنجر گزاریوں کو !
 کیا جاتا تھا چورنگ ہوائی شیرخواروں کو
 خدا ترسی کوئی احترام اُن کو شریفوں کا
 روا تھا قتل اُن کے ہاں نہتوں کا ضعیفوں کا
 بنی گنج شہیداں منزلیں بھی اور راہیں بھی
 نکاں بھی شہر بھی اور مسجدیں بھی خالفتا ہیں بھی
 رواں تھا قدس میں خون شہیداں ندیاں ہو کر
 مسلمانوں کی لاشیں تیرتی تھیں مچھلیاں ہو کر
 خطایہ تھی کہ اک واحد خدا کو مانتے تھے یہ
 زن و سرزند سے اس کو مبرہ جانتے تھے یہ
 خطایہ تھی یقین تھا ان کو قرآنی اصولوں پر

قیامت پر نشتر تھوڑے پر کتا بولوں پر رسولوں پر
 خطایہ تھی مسیحا کو یہ روح اللہ کہتے تھے !
 جو ابن اللہ سمجھتا تھا اُسے گمراہ کہتے تھے
 خطایہ تھی کہ یہ معصومی مریم کے قریب تھے
 خطایہ تھی کہ ان کے پاس کچھ روشن دلائل تھے
 خطایہ تھی کہ ہادی تھے محمد مصطفیٰ ان کے
 خطایہ تھی کہ ان کے نام پر دل تھے خدا ان کے
 خطایہ تھی سمجھتے تھے یہ خاتم المرسلین ان کو
 اب تک مانتے تھے رحمۃ للعالمین ان کو
 خطایہ تھی کہ بانی تھے عیسیٰ سلم و فن و حکمت کے
 خطایہ تھی کہ حامل تھے یہ تہ آنی شریعت کے
 خطایہ تھی : نہ تھی ان کو خوشامد اہل قوت کی !
 کہ یہ تبلیغ کرتے تھے مساوات و اخوت کی !

غرض کوئی خطا ان کی نہ تھی قابلِ معافی کے
 کہ یہ پُر لوز چہرے آئینے تھے قلبِ صافی کے
 چٹھی آندھی جو مغرب کے صلیبی تیرہ بختوں کی
 نہ پھولوں کی رہی زنگت نہ سرسبزی درختوں کی
 کیا باغات کو تاراج کھیتوں کو جلا ڈالا !
 زمین سے نقشِ تہذیب و ترقی کا مٹا ڈالا
 مساجد اور ساجد جھک گئے دونوں عبادت میں
 مکین بھی اور مکاں بھی ہمنوا تھے اس شہادت میں
 ہوا ان کے قدم سے یہ آں گلشنِ ہستی !
 کہیں سڑتی ہوئی لاشیں کہیں اجڑی ہوئی بستی
 جو بیتی ان کے ہاتھوں عسک و بیت المقدس میں
 بیاں اس کا نہیں ہے سرسری الفاظ کے بس میں
 ادھر فرشِ زمیں تھا اور لاشے بے گناہوں کے

اُدھر عرش بریں بھتا اور جھوٹے مرد آہوں کے

اسلام کے غیر متد فرزند

دُعاؤں کی قبولیت کا طائرِ زیرِ دام آیا !
 ستم کا بھر گیا پیمانہ وقتِ انتقام آیا
 خدا کا ہاتھ اُٹھا اور بڑی تعجیل سے اُٹھا
 اچانک ایک ابرِ سبز روِ نیل سے اُٹھا
 مسلمان کی اخوت آگئی تھی جوشِ غیرت میں
 تڑپتی تھیں غضب کی بجلیاں اس ابرِ رحمت میں
 وفا کا ایک بندہ - شمعِ دین کا ایک پروانہ
 صداقت کیشِ مسلم - بادۂ غیرت کا مستمانہ
 محمد مصطفیٰ کا اک غلام - اللہ کا عنازی

اُٹھانروں پر کھیلنے کو عشق کی بازی !
 مُصلّٰے تہ کیا تسبیح رکھ دی مرو زہد نے
 اُٹھایا پرچم اسلام اسلامی مجاہد نے
 مفسد کو مٹانے کے لئے با صد خوش اسلوبی
 اُٹھاتے بغیر لے کر صلاح الدین ایوبیؒ
 کیا اللہ اکبر کہہ کے اعلانِ جہاد اُس نے
 پڑھی مت دُعاں لے کر آیہ دفع فساد اُس نے
 مساجد سے نکل آئے نمازی لے کے شمشیریں
 زمیں سے آسمان تک گونج اٹھیں پرجوش تکبیریں
 ہلا دھرے آگے بڑھیں اسلام کی فوجیں
 دبی تلکیت کی آندھی چڑھیں توحید کی موجیں
 بہت کچھ شکرِ ظلمات نے کی روک تھام ان کی
 مگر روشن رہی فضلِ خدا سے صبح و شام ان کی

یہ مردانِ خدا تھے روکنا بیکار تھا ان کا
 صلاح الدین ایوبی سپہ سالار تھا ان کا!
 جو سیف اللہ کو دیکھ کر پیشروانِ شہسواروں کا
 ہوا یورپ کی جانب رخ صلیبی تاجداروں کا
 مفسرِ آئیہ کلامتفسدِ وافے الارض کا آیا
 تو خونِ آشامِ فتنہ پروروں کا قلب بھتا یا
 مقابل ہو کے ہر میدان میں ہر بار بھاگ اٹھے
 پڑی ہر بار جب ان پر خدا کی مار بھاگ اٹھے
 زن و سرزند کو چھوڑا صلیبی سورا بھاگے
 یہ اُس سے دس قدم آگے وہ اس سے دس قدم آگے
 خدا نے ظالموں کو غلام کی پاداش دی آخر
 صلاح الدین نے یورپ کو شکستِ فاش دی آخر
 ہلالی پہنچوں نے چھپا لیا ارضِ فلسطین کو

لباسِ سبز پھر پہنا دیا اس گلشنِ دیں کو
 فرازِ قُدس پر لہرا گیا اسلام کا جھنڈا
 فضا پر نور بن کر چھا گیا اسلام کا جھنڈا
 نجاستِ شرک کی اس ابرِ رحمت نے جو دھوالی
 زمیں پر جسمِ گیا سبزہ گلؤں پر آگئی لالی !
 نہوا ضو ریز پھر اس ملک پر توحید کا جلوہ
 صلاحِ الٰہی کا چہرہ تھا صبحِ عید کا جلوہ

(..... ان قسم کے حقوق بحق متعین محفوظ ہیں)

عہدِ فاطمی کا ایک نادر وزیر شاہکار



سلطان صلاح الدین ایوبی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْمَلِكُ النَّاصِرُ مُحَمَّدٌ اِسْلَامُ
 سُلْطَانُ صَلَاحُ الدِّیْنِ غَازِیْ یُوسُفُ الْوَلِیُّ
 طُفُولِیَّتِ اَوْرَابِندِ رَاقِیْ حَالَاتِ

تاریخ کے اوراق سے اس قسم کے متعور واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ
 بسا اوقات غیر معروف ہستیاں قسمت کا صرف ایک پانسہ پلٹ جائیے
 کج گمنامی سے اُنھیں اور آسمان سعادت پر جلوہ افروز ہو گئیں اور ان کی
 شہرت کا ڈنکا محض خدا داد لیاقت - ذہانت - ذکاوت اور بہادری کی
 بدولت چار دانگ عالم میں غلغلہ اندوز رہے۔

یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہمیشہ بادشاہوں ہی کی اولاد سر پر آئے
 سلطنت ہو کرے۔ بلکہ ایسی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں کہ وہ جو کبھی
 نانِ جویں کے لئے محتاج تھے اور دیوڑہ گری کرتے پھرتے تھے تخت و

تاج کے مالک بن گئے۔ حکومت اور سلطنت درگاہ ایزدی سے ان لوگوں کو عطا ہوا کرتی ہے جو اس کے اہل ہوں۔ اور ابتداءً آفرینش سے قسم ازل علیٰ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا“ کے اصول پر عمل پیرا ہے۔

آج جن مجاہد اعظم کے حالات سپردِ قلم ہیں۔ اس کے آبا و اجداد کسی اقلیم کے والی نہ تھے۔ کوئی سلطنت ان کے زیرِ نگیں نہ تھی۔ بلکہ یہ خاندان بھی بجائے خود کوئی نامی گرامی خاندان نہ تھا۔ نہ تو یہ وہ لوگ تھے جن کو عرب کے ان بادیہ نشینوں سے کچھ ربط و ضبط تھا جو کبھی باوجود سفاک ظالم اور جاہل ہونے کے خدا کی ایک بزرگترین ہستی کی پاک تعلیم سے شرافت، تہذیب اور نورِ ایمان کی برکات سے بہرہ اندوز ہو کر اعرابی و الاگوں کے لقب سے ممتاز نہ ہوئے۔ اور نہ ان کو جنگجو اور دلاوروں سے کچھ واسطہ تھا جو محض ایک تیغ و دو دم کے بل پر ایک عالم کو اپنی قوت کا لوہا منوا چکے۔ بلکہ یہ خانہ بدوش کردوں کا ایک گروہ تھا۔ جن کی قیمت میں روز ازل سے بادیہ پیمائی تھی۔ ”کردوں“ کے اس قبیلہ کے آبا و اجداد کسی زمانے میں وسط ایشیاء ہجرت کر کے آرمینیا میں آجسے تھے۔ اور ابھی تک اپنے آبائی پیشہ یعنی لوٹ مار اور جنگ و جدل کا بازار ایران اور ایشیائے کوچک کے درمیان کو ہستانی علاقوں میں گرم رکھتے تھے۔ یا اگر کبھی ہمسایہ قوم ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوتیں تو یہ ”کردو“ قابل بھی جد ہر سے فائدہ نظر آتا اُس کے ساتھ شامل ہو کر میدانِ کارزار میں خونِ آشامی کے لئے آکودتے۔ ان میں سے اکثر قبائل اسلام کے حلقہِ تجوش تھے۔ ان لوگوں کی همان نوازی۔ شاہ سواری اور پرے درے کی بہادری کوئی چھپی بات نہ تھی۔ یہ لوگ اسلام کی آن پر جان دینا

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت پر سر کھڑا باعِثِ فخر سمجھتے تھے۔
 انہی وحشی اور جنگجو کُردوں کے ایک قبیلہ کا جو رِوادیہ کے نام سے
 مشہور تھا، نجم الدین ایوب "سردار تھا۔ نجم الدین ایوب جو اس وقت بزم
 سیاست اور میدانِ قتال میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ آرمینیا کے ایک
 مشہور شہر دِوین میں جو آذربائیجان کے قرب و جوار میں ہے پیدا ہوا تھا۔
 ہمارا مجاہدِ عظیم صلاح الدین "اسی خوش بخت کا جگر گوشہ تھا۔

اس سے زیادہ سلطان صلاح الدین یوسف کے حالات بتلانے سے
 تاریخ قاصر ہے۔ لیکن اُس زمانہ کے مورخوں سے ہم کو اس قدر اور پتہ
 ملتا ہے کہ ان ایام میں قبیلہ رِوادیہ اور نجم الدین ایوب "کا خاندان
 دِوین کے قرب و جوار میں ایک با اثر اور ممتاز خاندان متصور ہوتا تھا۔
 دسویں صدی میں یہی دِوین شمالی آرمینیا "کا دارالسلطنت تھا اور
 خاصہ بارونق شہر تھا۔ اس وقت دِوین میں مسلمانوں کے علاوہ
 عیسائی بکثرت آباد تھے۔ لیکن یہودی اور چند دیگر اقوام کے لوگ بھی
 ادھر ادھر سے آئے تھے۔

یہ سب اقوام بلا امتیاز مذہب و ملت اپنے مُنصف مزاج مُسلمان
 حکمرانوں کے زیرِ نگیں امن و راحت سے آباد تھیں۔ عیسائی مورخ
 شاہد ہیں کہ خانہ خدا کے دیوار بہ دیوار جہاں پانچوں وقت نعرہ توحید
 بلند ہوتا تھا۔ ہیروان مسیح علیہ السلام کے لئے بھی ایک کلیسا موجود تھا
 اور یہ لوگ کھلے بندوں مریم اور روح القدس کو سجدے کرتے تھے۔
 اگر غور کیا جائے تو مساوات کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

مگردین کی عظمت اور شہرت کا آفتاب جو نصف النہار پر پہنچ چکا تھا اب ٹھٹھنا بٹھرنے ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں جب صلح الدین یوسف کا دادا شاذی بن مروان اپنے قبیلہ اور خاندان کے پسندیدہ سیاہ کا مالک بنا اس وقت دین کا نقشہ بدل چکا تھا۔ ادبار کی گھٹا تلی کھڑی تھی اور جبرخ کہن کسی اور ہی تدبیر میں تھا۔

شاذی بن مروان کثیر الاولاد تھا۔ جب اُسے اپنے آبائی ملک میں اولاد کی تنگ و دو حیات کے لئے میدان تنگ نظر کرنے لگا۔ تو وہ دربار بغداد میں جہاں اس کا دوست بہروز نام بہت با اثر تھا جو امرد اولاد کے لئے کوشش کرنے لگا۔

بہروز یونانی النسل تھا اور دین میں غلامی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اپنی خداداد لیاقت کی بدولت ترقی کرتے کرتے سلجوقی شہزادوں کا تالیق مقرر ہو گیا اور خلیفہ بغداد نے خوش ہو کر شہر بغداد کا نظم و نسق اس کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ جب ایوب بن شاذی بہروز کے پاس گیا تو اس شخص نے حق دوستی اس طرح ادا کیا کہ نجم الدین ایوب کو قلعہ "تکریت" کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ خاندان کے دیگر افراد بھی "تکریت" ہی میں آئے اور امن و آسائش سے ایام زندگی بسر کرتے گئے۔

اسی زمانے میں "موصل" میں "عماد الدین زنگی" جو ایک بہت مشہور سردار تھا حکمران تھا۔ بہروز یونانی اور عماد الدین زنگی کے تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ لیکن ایک کا دوسرے پر بس نہ چلتا تھا۔ اسی اثنا میں

عماد الدین زنگی کسی معرکہ میں قرا جانا میسر نہ ہوا۔ اس نے زک اٹھا کر موصل سے جان بچا کر بھاگا۔ وہ خستہ و خوار پریشان حال کشتی پر سوار تھا اور اس کے خون کے پیا سے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت زنگی کی نگاہ قلعہ ”تکریت“ پر چل پڑی اور یہ واقعہ تھا پڑی۔ زنگی نے قلعہ دار سے مدد چاہی۔ نجم الدین ایوب نے جسے زنگی اور بہروز کی کشیدگی کا کچھ علم نہ تھا۔ اس کی بے سرو سامانی اور مصیبت پر زرس کھا کر اسے قلعہ میں پناہ دی اور بڑی خاطر و مدارات سے پیش آیا۔

جب بہروزان واقعات سے آگاہ ہوا تو اس نے بہت ہی سچ و تاب کھیا لیکن شادی کے لحاظ سے ایوب کی نا عاقبت اندیشی پر چشم پوشی سے کام لیا۔ لیکن منظور سے ہی دنوں بعد نجم الدین ایوب قلعہ دار تکریت کے بھائی اسعد الدین شیر کوہ سے کوئی ایسی بات سرزد ہوئی کہ بہروز نے جو محض بہانے کا متلاشی تھا ناراض ہو کر ایوب اور اس کے ہمراہیوں کو برطرف کر دیا اور قلعہ خالی کرنے کا حکم دیا۔

خدا کی شان جس روز نجم الدین ایوب پھر ایک بار جلا وطنی کی کڑیاں جھیلنے کے لئے رختِ سفر باندھ رہا تھا۔ اسی شب خدا نے اسے ایک بیٹا عطا کیا۔ اس وقت بچہ کی پیدائش گھروالوں کے لئے ایک نئی مصیبت سے کم نہ تھی۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ نجم الدین ایوب نے بیٹے کا نام ”یوسف“ رکھا۔

یہ یوسف وہی تھا جو بعد ازاں چار دانگ عالم میں مجاہد اسلام سلطان صلاح الدین ایوب فاتح بیت المقدس کے نام سے مشہور ہوا۔ صلاح الدین کی پیدائش ۵۳۵ھ میں ہوئی یعنی سن عیسوی کے لحاظ

سے ۱۳۷ھ کے آخری ایام یا ۱۳۸ھ کی ابتدا میں مطلع اسلام کا یہ
درخشاں ستارہ نمودار ہوا۔

”تکریت“ سے نکل کر نجم الدین ایوب اور اس کے خاندان کے لوگ ایک
مدت تک بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ لیکن جب اُسے عماد الدین زنگی کے
پھر اقتدار پر ہونے کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ موصل
کی طرف چل نکلا۔ عماد الدین ان دنوں پھر موصل کا آباک یعنی گورنر تھا
اور باوجود اس قدر مرتبہ و اقتدار کے وہ نجم الدین ایوب کے احسان کو نہیں
بھولا تھا۔ چنانچہ جب وہ پریشان حال موصل میں آیا۔ تو عماد الدین نے بڑی
آؤ بھگت کی۔ اور حمان نوازی میں کوئی کسر کٹھانہ رکھی۔ نجم الدین ایوب اور
اس کا بھائی اسعد الدین شیر کوہ انہی دنوں میں زنگی کے لشکر کے ساتھ ہو کر
کئی ایک معرکوں میں شامل ہوئے اور تلوار کے ایسے جوہر دکھلائے کہ موصل
کا آباک بہت خوش ہوا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۳۹ھ میں جب زنگی نے ”بعلبک“
سہر کیا تو حُسن خدمات کے صلہ میں ایوب کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ ”بعلبک“
سطح سمندر سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر واقع تھا اور ملک شام میں سب سے
زیادہ سرد۔ بارونق اور زرخیز علاقہ تھا۔ اس جگہ پھل کثرت سے پیدا
ہوتے تھے۔ شہر کے باہر جہاں تک نظر کام کرتی سبزہ زار نظر آتی۔ مغرب
کی جانب بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام کے لئے ایک بہت مستحکم
قلعہ بھی تھا اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک بہت فصیل بھی تھی۔ اُس زمانے کا
مشہور مورخ ادریسی بیان کرتا ہے کہ شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں میٹھے
پانی کی ندیاں سانپ کی طرح لہراتی ہوئی ادھر سے ادھر گزرتی تھیں۔ جا بجا

بن چکیاں چلتی تھیں۔ بڑے بڑے مکانوں کے در و دیوار پر اور شہر کے باہر دُور تک انگوڑ کی بیلین نظر آتی تھیں۔ دمشق اس جگہ سے پینتیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ دُشمن کی روک تھام کے لئے ایک بہت بڑی چھاؤنی بھی تھی عماد الدین زنگی نے ”بعلبک“ ”ایوب“ کے حوالے کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ کہاں تک اس کا احسانی مند ہے اور ایک بہادر سپاہی کی کس قدر عزت کرتا ہے۔

تمام ملک شام میں صرف ”بعلبک“ ہی ایک ایسا شہر تھا جو مغلوں کے ٹڈی دل کی دستبرد سے محفوظ رہا تھا۔ آخر ایک خوفناک زلزلہ نے اسے بالکل برباد کر ڈالا۔ لیکن چشمِ بنیا کی عبرت کے لئے اس کے کھنڈرات داو گیتی نے آج تک محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

ایوب اور اس کے خاندان کے لوگ ۱۱۳۹ھ سے ۱۱۴۶ھ تک ”بعلبک“ میں مقیم رہے۔ اور اسی جگہ صلاح الدین یوسف نے ایام طفلی بسر کئے۔ ایک مسلمان بچہ کی تعلیم جس طور سے شروع ہونی چاہئے۔ یوسف کی تعلیم کیسے لئے بھی وہی طریق اختیار کیا گیا۔ ایوب کو خود مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ ”بعلبک“ میں اس نے ایک علمی درسگاہ بھی قائم کر دی تھی۔ صلاح الدین کو سب سے پہلے قرآن کریم پڑھوایا گیا۔ پھر فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی۔ نصابِ تعلیم عربی زبان میں تھا۔ عوام الناس کے بچے بھی اسی طرح تعلیم پاتے تھے۔

صلاح الدین نے اپنی کنمر کے بھی نو مر حلے بھی طے نہ کئے تھے کہ اس کے باپ کا محسن عماد الدین زنگی ساٹھ سال کی عمر میں اپنے غلاموں کے

ہاتھوں سے قتل ہو گیا۔
 زنگی کی موت خانہ جنگی کا پیش خیمہ تھی۔ اور فارشہ تھا کہ دمشق کے حکمران
 پھر ایک بار ملک پرورش نہ کر دیں۔

عماد الدین زنگی کی موت کے بعد اس کے دو بیٹے، بیبر، سنار، عہ
 شروع ہو گیا۔ اور ایک عظیم الشان سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔
 بھائی بھائی کے خون کا پیاسا بن گیا۔ ایوب جتنا بہادر تھا ویسے ہی
 دُور اندیش اور باتدبیر شخص بھی تھا۔

”بلبلک“ موصل سے بہت فاصلہ پر تھا۔ اس لئے اسے موصل کی
 طرف سے تو کچھ خوف نہ تھا لیکن دمشق بالکل قریب تھا اور دمشق افواج
 ”بلبلک“ کے تاخت و تاراج کی سرگرمی سے تیار رہیں کر رہی تھیں۔ آخر
 ایک روز دمشق افواج طبل جناب بجاتی وہیں بلبلک کے سامنے آ موجود
 ہوئیں۔ ایوب نے کشت و خون کئے بغیر دربار دمشق سے ایک عہد نامہ
 کر لیا۔ اس عہد نامہ کی رو سے اس نے بلبلک تو حکومت دمشق کے
 حوالے کر دیا۔ اور اس کے عوض اسے ایک بہت معقول رقم نقد اور دمشق کے
 قرب و جوار میں دس گاؤں بطور جائیداد مل گئے۔ اور خاص شہر دمشق میں
 رہائش کے لئے ایک شاندار حویلی عطا ہوئی۔

ایوب اب دمشق میں رہنے لگا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں تدبیر اور
 دانشمندی کی بدولت حاکم دمشق ”آبک“ کے دربار میں بہت ممتاز
 نظر آنے لگا۔ اور پھر چند سال بعد اپنی پامردی اور جوانمردی کی بدولت
 افواج دمشق کا سپہ سالار بن گیا۔

اس وقت ولایت حلب میں نور الدین محمود ابن زنگی حکمران تھا۔ تاریخ اسلام میں صلاح الدین ایوب کے بعد نور الدین محمود کا درجہ ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی خانہ جنگی دیکھ کر عیسائیوں نے پھر ایک بار بیت المقدس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ نور الدین محمود کو سریر آرائے سلطنت سے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ کہ عیسائیوں کی ایک کثیر فوج کونٹ ہوسون کی سرکردگی میں ادیسہ پر جسے آج کل "عرضہ" کہتے ہیں حملہ آور ہوئی۔

"نور الدین محمود" مقابلہ کو لکلا۔ اور دشمنان اسلام کو ایک خوفناک شکست دے کر دریائے فرات کے اس پار بھگا دیا۔

نجم الدین ایوب تو دمشق میں شامی افواج کا سالار اعظم تھا۔ اور ادھر اس کا چھوٹا بھائی سعد الدین شیرکوہ نور الدین محمود کی افواج کا افسر علی تھا۔ چنانچہ جب اپریل ۱۱۵۷ء میں حلبی افواج دمشق کی جانب بڑھیں۔ تو اس وقت شامی سلطنت کی باگ نجم الدین ایوب کے ہاتھ میں تھی۔

ایوب عماد الدین زنگی کا نمک خوار تھا۔ چنانچہ جب اس کا بیٹا دمشق پر حملہ آور ہوا۔ تو ایوب نے اس کا دمشق پر قبضہ کر دیا۔ اور اس حکمت عملی سے اپنے محسن کے بیٹے کو ملک شام کا فرمانروا بنا دیا۔

۱۱۵۷ء سے ۱۱۸۱ء تک صلاح الدین دمشق میں ملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگی کے دربار میں تعلیم پاتا رہا۔ نور الدین محمود بڑا پکا دیندار اور عادل بادشاہ اور ایک نہایت دلاور جریں تھا۔ صلاح الدین کو ہونہار پاکر اس کی تعلیم کا بہت خیال رکھتا۔ اور اکثر اپنی ہی صحبت میں اسے رکھتا۔

”صلاح الدین یوسف“ کے بچپن سے لے کر پچیس سال تک کی عمر کے واقعات اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں۔ کہ وہ ایک بڑا پکا مسلمان اور صالح نوجوان تھا۔ بڑی سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ نمود و نمائش سے بہت گریزاں رہتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ شہزادے اور امیر زادے شکار بہت شوق سے کھیلا کرتے تھے۔ لیکن اس نوجوان کے متعلق ایک بھی ایسی تواریخ شہادت موجود نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو سکے۔ کہ وہ بھی اس قسم کا لہو و لعب میں کبھی شامل ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس تواریخ میں جہاں کہیں اس کے عمر شہاب کا ذکر آیا۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا بہت سا وقت مطالعہ کتب میں بسر کرتا تھا۔ یوں کہ تمام خصائل اس میں موجود تھے۔ وہ بڑا دُور اندیش اور معاملہ فہم تھا۔ اپنے جنگجو حیا شیر کوہ کی طرح جلد باز نہ تھا۔ علم حدیث اور فقہ کی طرف اس کی طبیعت کا میلان زیادہ تھا۔

گاہے گاہے شعر بھی کہتا۔ علماء دین کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا اور ان لوگوں سے نکات قرآنی سمجھنے کی بڑی کوشش کیا کرتا۔ زمانہ سلف کے مسلمانوں کی داستانیں اور سرفروشان اسلام کے کارنامے بڑے شوق سے سُنا کرتا۔

ان دنوں دمشق میں ”قرطبہ“ اور ”سمرقند“ کی شہر آفاق مذہبی درسگاہوں کے علما بکثرت موجود تھے۔ یہ وہ بزرگ تھے۔ جنہوں نے تحصیل علم کی خاطر دُنیا کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ ”والی دمشق“ نے ان لوگوں کو تعلیمی کاموں پر مامور کر رکھا تھا۔ اور مغفول روزینے اور وظیفے مقرر تھے۔ درس دے چکنے کے بعد یہ لوگ عوام الناس کو اقوام غیر کی طرز معاشرت اور تہذیب تمدن پر بھی لکچر دیتے۔ صلاح الدین ربی کے ایک کونے میں خاموش بیٹھا نہایت توجہ سے یہ

مفید تقریریں سنتا۔ اور ہرول ان پر غور کیا کرتا۔

”صلاح الدین یوسف“ اس وقت نوجوان تھا۔ اور حاکم وقت کی اس پر خاص نظر عنایت تھی۔ اس کا باپ برسرِ اقتدار تھا۔ دولت مند تھا۔ لیکن یہ نوجوان دربار میں بھی کم ہی دیکھا جاتا۔ پچیس سال کی عمر تک اس کا مقصد حیات صرف ایک ہی نظر آتا تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ تنج گمنامی میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے میں عمر بسر کر دے۔ ممکن ہے کہ اس کا علم دوست باب ایوب بیٹے کی اس روش کو پسند کرتا ہو۔ لیکن اس کے چچا ”سعد الدین شیرکوہ“ کو اپنے بیٹے کی طرزِ زندگی سخت ناپسند تھی۔ ”شیرکوہ اور ایوب“ دونوں شجاعت اور بہادری کے تیلے تھے۔ لیکن نوجوان صلاح الدین بھی ان کے ساتھ کسی معرکہ میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ ۱۱۶۱ھ میں شیرکوہ بڑے تجمل اور شان سے ”دمشق“ کے حاجیوں کا میر قافلہ ہو کر چلا تو اس وقت بھی صلاح الدین گھر سے باہر نہیں نکلا۔ اور پھر ۱۱۶۲ھ میں جب عیسائیوں سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ اور بہادر شیرکوہ نے اپنے آقا نعمت ملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگی کی سلطنت دُور دُور تک پھیلا دی۔ تو ان معرکوں میں بھی صلاح الدین نے کبھی حصہ نہیں لیا۔ لیکن آخر جب اس بات کا فیصلہ کرنے کا وقت آیا کہ آیا وہ بھی اس گوشہ نشین ہو کر درس و تدریس میں زندگی بسر کرے۔ یا تلوار پکڑ کر دشمنانِ دینِ مبین سے سینہ سپر ہو۔ تو تلوار ہی کو پسند کیا۔ اس تعجب خیز فیصلہ کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس نوجوان کو خدمتِ اسلام کی دھن تھی اور وہ مدت سے برابر دیکھ رہا تھا۔ کہ بلادِ مشرق کے عیسائی مسلمانوں کو اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور آئے دن رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے

سیاسیات کی بجائے نصرانیوں کی چھڑ چھاڑ مذہبی رنگ میں رونا
ہونے لگی۔ آخر شیرازی اسلام نور الدین محمود زنگی کی جو اپنے عہد کا ایک
مشہور سرفروش مسلمان حکمران تھا تعلیم اور صحبت رنگ لائی۔ اور نوجوان
صلاح الدین اسلام کے نام پر شمشیر بجھ میدان میں نکلا۔ اور تھوڑے ہی
عرصہ میں یار و اغیار کو اپنی بہادری جفاکشی اور بہادری کا لولہ منوادیا۔
اور مشرق سے مغرب تک اس کے نام کی دھماک بیٹھ گئی۔

صلاح الدین ایوبی سے پیشتر کا زمانہ

پیشہ اس کے کہ ہم سلطان صلاح الدین یوسف کے ان کارناموں کو
جن کی بدولت اس کا نام عالم اسلام میں عزت اور حرمت سے لیا جاتا ہے
سپرد قلم کریں۔ اجمالی طور پر ان واقعات پر ایک نگاہ ڈالیں ضروری
معلوم ہوتی ہے جو اس مجاہد اعظم کے عہد طفلی کے وقت روپیہ
ہو رہے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خلافت کا شیرازہ پر آگندہ ہو رہا تھا۔ اور
کئی ایک خود سر ماتحتوں نے قبائلی خلافت چاک کر ڈالی تھی۔ اس میں
کچھ شک نہیں کہ خلافت کا غلغلہ چھ سو سال تک ایک عالم میں با
رہا تھا۔ لیکن حقیقت میں عظمت اور شان کا زمانہ دواڑھائی سو سال سے
زائد متصور نہیں ہوتا۔ ساتویں صدی میں ہمسفر و نشان اسلام نے مصر
شام اور ایران کے علاوہ جوں کے اس پاز تک کو حید کی عظمت کا ڈنکا
بجا دیا تھا۔ اور آٹھویں صدی کے شروع میں اندلس پر بھی پرچم ہلالی اُڑا

نظر آنے لگا۔ یہ سب مقبوضات صرف ایک حکمران کے زیرِ نگیں تھے۔ یہ حکمران مسلمانوں کا بادشاہ بھی تھا اور مار بھی پیشوا بھی۔ جو عام طور پر خلیفہ اسلام کے لقب سے بغداد یا دمشق میں بیٹھا ان ممالک کے نظم و نسق کا انتظام کرتا تھا۔ ایک مدت تک سطوت اور رعب خلافت کا یہ حال تھا۔ کہ سرکش سے سرکش جرنیل و درافتادہ مقامات پر بیٹھے بھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جب کئی ایک اندرونی اختلافات کے باعث خلافت کو ضعف پہنچتا نظر آنے لگا۔ تو ان دُور دراز ممالک کے والی یا گورنر بھی خود مختاری کے خواب دیکھنے لگے۔ اور جب حالات اور بھی ابتر ہوتے نظر آنے لگے۔ تو ان لوگوں نے اپنے اختیارات بہت وسیع کر لئے اور خلافت کا جوا گردن سے اتار پھینکنے کی تیگ و دو میں لگ گئے۔ نویں صدی ہی میں خلافت اس قدر کمزور ہو گئی۔ کہ کئی ایک گورنر خلیفہ کو محض ایک مار بھی پیشوا تصور کرنے لگے۔ مارون الرشید کے عہد میں مراکش اور اندلس کے گورنر خلافت عباسیہ کی ساک ملازمت سے خود بخود سبکدوش ہو کر مطلق العنان بن گئے۔ نوٹس میں فرمان خلافت کی عزت تو ضرور بچاتی لیکن احکام خلیفہ کی عزت ضروری نہ سمجھی جانے لگی۔

دسویں صدی میں مصر اور ایران کے شمال مغربی مقبوضات کے گورنروں نے بھی سرکشی اختیار کر لی۔ اور اب خلیفہ کا حکم بغداد اور اس کے قریب وجہا تک ہی چلتا تھا اور پھر اس کچی عظمیت کو مغلوں کے مٹی کی دل فی ۱۵۲۸ء میں بالکل خاک میں ملا دیا۔

ڈیڑھ سو سال کے عرصہ سے وادی نیل میں "خلافت فاطمی" قائم ہو چکی تھی۔ خلافت عباسیہ بغداد اور خلافت فاطمی مصر کے درمیان بہت مخالفت

اور چٹمک تھی۔ اور نصرانی اقوام اس کشیدگی سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کر رہی تھیں۔ "عراق عرب" اور "شام" میں صلیبی محاربات کا سلسلہ جاری تھا۔ "عراق اور شام" میں اکثر عربی قبائل آباد تھے۔ اور خلافت کو ضعیف دیکھ کر یہ قبائل بھی اپنے اپنے علاقوں میں حکومت خود مختاری قائم کر رہے تھے۔ اور دسویں اور گیارھویں صدی میں اس قسم کی متعدد سلطنتیں ان علاقوں میں نظر آنے لگیں۔ لیکن بارہویں صدی میں ان کی حقیقت حجاب برآب سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں صرف "دیار بکر" کی عربی حکومت اپنے پاؤں پر کھڑی تھی۔ باقی سب کا شیرازہ پرانہ ہو چکا تھا۔ زمانہ پھر ایک بار کروٹ بدل چکا تھا۔ اور آب عربوں کی بجائے ترک حکمران تھے۔ اور عرب پھر گلہ بانی کرتے پھرتے تھے۔

گیارھویں صدی میں "ایران" "عراق عرب" اور "مک شام" میں ترکوں کا دور دورہ ہو گیا۔ یہ لوگ ایک ترکمان سردار سلجوق کی نسل سے تھے۔ جو دریائے جیحون کے اس پار آباد تھا۔ لیکن جب حکمرانی کا شوق چرایا۔ اور سینہ سپر ہو کر میدان کارزار میں آئے۔ تو اپنی بہادری اور جفاکشی کی بدولت بہت تھوڑے عرصہ میں "ایران" ان کی کامرانی دیکھ کر اور بہت سے ترکی قبائل ادھر ادھر سے آکر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اب ان لوگوں نے مغربی ایشیائی مقبوضات کو تاخت و تالاج کرنا شروع کیا۔ اور افغانستان سے مصر تک جس قدر ریاستیں تھیں سب پر سلجوقی پرچم لہرانے لگا۔ اور "ایرانی" "عرب" اور کردی قبائل سب نے ان کی سطوت کا لوہا مان لیا۔ ان ریاستوں کی تسخیر کے بعد ان سلجوقی بہادروں نے ایک عظیم الشان

اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ایران۔ عراق۔ شام اور ایشیا کوچک میں لوگ نہایت کی طرح چھانٹے۔ مخالفت کا خنجر خاشاک جو آیا حرف غلط کی طرح صلیبیوں سے مٹ گیا۔ اور افغانستان سے لیکر بحر اوقیانوس تک ایک شاہراہ اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ اس طرح اسلامی حکومت کا رقبہ ہوا ایک مدت سے برصغیر اور پرآگندہ ہورہا تھا۔ اس کی پھر ایک بار زبردستی ہو گئی۔ اور اس سلطنت کے وارث مردانہ وار صلیبی ہاروں کے سینہ پر پھر ایک بار مونگ دلنے لگے۔

سلجوقی فرمانرواؤں میں سے ملک شاہ سلجوقی ایک نہایت دانشمند اور صاحب تدبیر حکمران گذرا ہے۔ ملک شاہ پر لے درجے کا رحم دل۔ فیاض اور منصف مزاج اور ایک نہایت شیردل سلطان تھا۔ اس کا دربار بڑے جمیل اور شان کا تھا۔ جہاں تک بن بڑتا۔ رعیت کے بہبود و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا۔ اس کے عہد میں تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ آمد و رفت کیلئے سلطان نے ملک میں تمام دریاؤں اور ندی نالوں پر پل تعمیر کروا دیئے۔ زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے ایک سہرے سے دوسرے سہرے تک نہروں کا جال پھیلا دیا۔ مسافروں کے آرام کی خاطر پختہ سڑکیں اور ہر منزل پر مسافر خانے اور سرائیں تعمیر کرا دیں۔ سطوت اور انتظام کا جلال تھا کہ اکیلا مسافر مروسے دمشق تک بلا خوف و خطر سفر کر سکتا تھا۔ اپنے ماتحت عمالوں کی بڑی سختی سے نگرانی کرتا تھا۔ اور امور مملکت کی جانب سے کبھی غافل نہ ہوتا۔

نظام الملک

سلطان ملک شاہ سلجوقی کا مشیر کار اور وزیر اعظم بھی اپنے زمانے میں فرو تھا۔ اس شخص کا نام ”نظام الملک“ تھا۔ نظام الملک بہت پانڈیر۔ بڑا معاملہ فہم۔ بڑا زاہد عابد اور علم دوست آدمی تھا۔ بارہ سال کی عمر میں نظام الملک نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کی لیاقت۔ قابلیت اور مدبری کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ان کارناموں سے ہو سکتا ہے۔ جو اس نے ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم بن کر سلطنت کے بہود کے لئے کئے۔ مشہور ہیئت داں اور ہندسہ ان ”عمر خیام“ جو ایک نازک خیال شاعر بھی تھا نظام الملک کا بڑا دوست اور ہم عصر تھا۔ ”عمر خیام“ جیسے یگانہ روزگار نے علم ہیئت کے متعلق جس قدر چھان بین کی ہے۔ اس کا اصلی محرک اس کا دوست نظام الملک تھا۔

بغداد کا ”نظامیہ کالج“ جو اس وقت دنیا کی سب سے مشہور علمی درس گاہ تھی اس کا بانی بھی ہی نظام الملک تھا۔ اسی نظام الملک نے آئین سلطنت مرتب کیا تھا۔ جس میں حکومت کے ہر شعبہ کے متعلق قواعد جاری کئے گئے تھے۔ سلطان ملک شاہ نے یہ آئین سلطنت جو شرع محمدی کے مطابق تھا تمام ملک میں جاری کر دیا تھا۔ یہ قانون سلطنت بہت مفصل اور جامع تھا۔ اور راغی اور رعایا دونوں کے لئے ضوابط موجود تھے۔ بادشاہ وقت کے لئے پابند صوم و صلوة ہونا ضروری تھا۔ دنیاوی جاہ و حشمت کی بھی ایک حد مقرر کر دی گئی تھی۔ بادشاہ کے لئے ضروری تھا۔ کہ ہفتہ میں دو بار دربار کرے۔ اور ہر شخص کو یہ حق تھا۔ کہ وہ دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ سے طالب انصاف ہو۔ اس قانون کی رُو سے بادشاہ داد طلبوں کی عرضیاں سنتا۔ ان سے بحث کرتا

اور پھر شرع کے مطابق حکم دیتا۔

اس وزیر باتا دبیر نے دُور دراز کے مقبوضات کے حالات معلوم کرنے کے لئے محکمہ جاسوسی بھی جاری کیا۔ ان لوگوں کو حکم تھا کہ تاجروں اور درویشوں کے بھیس میں شہر بہ شہر سفر کریں۔ اور بادشاہ وقت کے پاس روزانہ رپورٹ بھیجتے رہیں۔

محکوم شہزادوں اور ماتحت حکمرانوں کو حکم تھا کہ وہ دربار میں اپنے اپنے برغمال بھیجیں۔ یہ برغمال ہر سال تبدیل ہو جاتے آتے۔

اس عظیم آستان سلطنت کے نظم و نسق کے لئے ایک زبردست لشکر بھی ہر وقت تیل کھانٹے سے تیار موجود تھا۔ اس فوج میں اکثر لوگ غیر اقوام کے تھے۔ اور بادشاہ وقت کی خدمت کے معاوضہ میں ان کو باقاعدہ تنخواہ ملا کرتی تھی۔ لیکن اس لشکر کی افسری پر صرف شاہی غلام یا مور ہو کر کرتے تھے خصوصیت یہ کہ وہ تمام ممالک جو دارالسلطنت سے بہت فاصلہ پر تھے۔ ان کی حکومت شاہی محل کے پرورش اور تعلیم یافتہ غلاموں کو عطا ہوتی تھی۔ سبھو قی حکمرانوں کو اپنے خانہ زاد غلاموں پر بڑا اعتبار تھا۔ اور یہ نمک پروردہ بھی اپنے آقائے نعمت کے نام پر سرکٹوانا باعث فخر سمجھتے تھے۔ دربار میں غلام ”مملوک“ کے نام سے مشہور تھے۔ یہی مملوک سلطان کی زندگی کے محافظ تھے۔ اور انہی مملوکوں میں سے منتخب شدہ گورنر اور والی بنائے جاتے تھے۔ حکومت کی طرف سے ان لوگوں کو جاگیریں عطا ہوتی تھیں۔ اور اس کے عوض میں ان سے فوجی خدمات لی جاتی تھیں۔ صدیوں تک مملوک سلطان اسی اصول پر حکمران رہے۔ سلطان صلاح الدین نے مصر میں بھی یہی طرز حکومت جاری کیا تھا۔

ایران عراق - شام وغیرہ جیسے بڑے بڑے صوبوں پر یہی مملوک حکمرانی کرتے تھے۔ گلے گلے گورنروں کو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں تبدیل بھی کیا جاتا تھا۔ سب تبدیلیاں فرمان شاہی کی رو سے عمل میں آتی تھیں۔ یہ گورنر ملک کے نظم و نسق کے لئے اپنے ماتحت آئین ملک کے مطابق مقرر کرتے تھے۔ لیکن سلطان وقت کی آخری منظوری ضروری ہوتی تھی۔ جب فوجی خدمت کی ضرورت ہوتی۔ تو تمام نائب گورنر اپنا لاؤ لشکر لیکر گورنر کے پاس آ جاتے۔ ہم کے اختتام پر سپاہی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔ عام طور پر موسم سرما میں فوج کا بیشتر حصہ منتشر کر دیا جاتا۔ اور موسم بہار کے شروع ہوتے ہی سپاہی فوجی چھاؤنیوں میں آ جاتے۔ تمام سپاہیوں کو مہمات کے خاطر خواہ انجام پانے کے بعد ملک کی پیداوار میں سے دسواں حصہ ملتا تھا۔ حکومت بازار کا نرخ مقرر کرتی تھی کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ مقرر شدہ نرخ سے زیادہ دام پر مال فروخت کر سکے۔ خفیہ پولیس اور پرجہ نویس کا محکمہ اس قدر زبردست تھا۔ کہ گورنروں تک اپنی جگہ بڑے محتاط رہتے۔ بعض حالتوں میں ایک گورنر کے مرجانے کے بعد اس کی اولاد میں سے کسی کو گورنری عطا کر دی جاتی تھی بطریق یہ تھا کہ جب کسی صوبہ کا والی مرجاتا۔ تو اس کے غلام (مملوک) مجلس مشاورت منعقد کرتے۔ اور پھر خاندان میں سے ایک شخص کو منتخب کر کے دربار شاہی میں اس کی سفارش کرتے۔ اور فرمان شاہی آنے پر اس کے حلقہ بحوش ہو جاتے

سپاہیانہ زندگی بسر کرنے والے بہ لوگ اگر کسی امیر سے ناراض ہوتے تو خاموشی سے اس کے دربار سے علیحدگی اختیار کر کے کسی دوسرے کے پاس چلے جاتے۔ لیکن کیا مجال کہ کبھی خود سری یا بغاوت کر سکیں۔

تحصیل علم کا شوق تو قدرت نے مسلمان حکمرانوں کو وراثت میں عطا کر دیا تھا۔ لیکن سلجوقی سلطان "حد سے زیادہ اس کی طرف مائل تھے، ملک میں جا بجا کالج اور مدرسے جاری کر دیئے گئے تھے۔ سلجوقی حکومت میں اس شعبہ میں نظام الملک کا نام بہت نمایاں ہے۔ گیارہویں اور بارہویں صدی میں ملک میں جو تعلیم کا پیر چا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اسی لائق اور مشہور دارالمہام کی کوششوں کا مملون مزیں تھا۔ بغداد کی درسگاہ نظامیہ سے علم و ادب کی جوشعائیں نمودار ہوتی تھیں۔ وہ ایران، شام اور مصر تک اجالا کرتی تھیں۔ مساجد اور درسگاہوں کی تعمیر کا سلجوقی سلطانوں کو خصوصیت سے شوق رہا کرتا تھا۔

سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں دمشق، حلب، بعلبک، موصل، بغداد اور قاہرہ علم و ادب کی کان تھیں۔ اور دروازوں سے لوگ علمی جواہر پائے لینے کے لئے یہاں آتے تھے۔ اور حکومت کے خرچ سے زیور علم سے آراستہ ہو کر واپس لوٹتے تھے۔ علم کا یہ شوق بھی سلجوقی سلطانوں کی کرامت تھی۔ جو ہر زمانہ میں زندہ موجود تھی۔ ملک کا نظم و نسق اور سیاسیات وغیرہ سب علماء ہی کے ہاتھوں سرانجام ہوتے تھے۔

جمال الدین

موصل کے مشہور تاجک (گورنر) عماد الدین زنگی نے اپنے زمام حکومت میں جس قدر اصلاحات ملک میں جاری کیں۔ ان کا منہ چشمہ اس کا لیگانہ روزگار۔ وزیر جمال الدین تھا۔ عماد الدین زنگی ایک بہت جبری جرنیل اور حفاکش سپاہی تھا۔ لیکن ملک کا سبب انصرام جمال الدین کی زبردست شخصیت پر۔

موقوف تھا۔ اوراقِ تباخ میں جمال الدین کو ”فیاض“ لقب سے ممتاز کیا گیا ہے۔
 موصل کی کونسل آف سٹیٹ کا جمال الدین فیاض صدر تھا۔ بادشاہ کی
 طرف سے تمام ملک کی آمدنی میں سے دسواں حصہ اسے بطور حق خدمت ملتا
 تھا۔ لیکن یہ باخداویر اپنا تمام روپیہ خیرات میں خرچ کر ڈالتا تھا۔ خصوصاً
 غازیان بیت اللہ کی خاطر بڑی دریاوی سے روپیہ صرف کرتا تھا۔
 سینکڑوں مفاد کو کمال اور محتاجوں کے ماہواری و تظیف مقرر کر رکھے تھے
 اور ملک کا نظم و نسق اس قابلیت سے کرتا تھا کہ کسی کو سر اٹھانے کی
 جرات نہ ہو سکتی۔

دنیار اسلام میں جہاں کہیں کسی عالم کی اسے خبر ملتی، خاص آدمی
 بھیج کر بڑی عزت سے دربار میں بلواتا۔ اور بڑی قدر و منزلت سے
 پیش آتا۔ نیشاپور کے معلم ”مشق“ کی یونیورسٹیوں میں علم کے جواہرات
 کثرت لگاتے تھے۔ ایران کا مشہور صوفی سرور دوی اور نامور محقق
 ابن عساکر اسی مجلس کے رکن تھے۔ ابن عساکر ملک الہ میں فوت ہوا۔ سلطان
 صلاح الدین بھی اس کے جنازے میں شامل ہوا تھا۔ اسی سال یعنی ۱۱۷۱ھ
 میں اندلس سے ایک جید عالم دین، فرد ”ایم قاہرہ“ میں وارد ہوا۔ اس صاحب
 علم نے قرآن حکیم کی تعریف پر (۱۱۷۳ھ) اشعار کی ایک طرح لکھی۔ اس کے علم
 و ادب کے متعلق اس زمانے میں عام طور پر یہ روایت مشہور تھی۔ کہ جس قدر
 علوم سے بیاہر ہے اگر وہ کتابوں کی صورت میں کسی اونٹ پر لا دیا جائے۔ تو وہ
 اس بوجھ کا متحمل نہ ہو سکے گا۔

اس زمانے کے بڑے بڑے نامی گرامی جرنیل اور تجار بھی ان علماء کی
 صحبت سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ الغرض ہنسے دیکھو بقدر ہمت و فرصت

جو اپنے علم تھا۔ یہی حال سلطان صلاح الدین ایوبی کا تھا۔

سلجوقی اقتدار دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن افسوس کہ قدرت سے اسے قلیل فرصت عطا ہوئی تھی۔ سلجوقیوں کو ایران پر متصرف ہوئے ابھی نصف صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی۔ کہ حکومت پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ اور سب سے پہلے ایران کا صوبیدار مطلق العنان بن بیٹھا۔ ۹۲۰ء میں جب سلطان ملک شاہ عادل عازم عدم ہوا۔ تو اُس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ملک تخت و تاج کے وارثوں میں بٹ گیا۔ اور حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ گواہی تک نیشاپور۔ اصفہان۔ کرمان۔ دمشق۔ حلب اور اناطولیہ سلجوقیوں کے زیرِ نگیں تھے۔ لیکن ماتحت صوبے باغی اور سرکش ہو کر فرمانبرداری سے منحرف ہو گئے۔ اور وہی مملوک جن کی نمک حلائی اور وفا شعارِی پر کبھی سلجوق سلطانوں کو ناز تھا۔ اپنے آقاؤں کے خون کے پیاسے بن گئے۔

اس وقت جو کیفیت ملک یورپ کی باجگزار ریاستوں کی تھی وہی نقشہ یہاں موجود تھا۔ جب حکومت پر زوال آیا تو نمک پروردوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ اور جس جس ملک میں یہ نائب السلطنت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہیں انہوں نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا۔

یہ سب مُسلمان بادشاہوں کے غلام تھے۔ ان میں سے ایک دمشق کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اسی طرح زنگی جو موصل کا ایک خود مختار تائبک تھا "ملک شاہ" کے ایک غلام کا بیٹا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ بادشاہ کا غلام کھانا بہت باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ اور ایک مخصوص عزت تصور ہوتی

تھی۔ خصوصاً سلطان ملک شاہ کا غلام کہلاتا تو ایک طرہ امتیاز تھا۔ چنانچہ جب یہ مملوک برسرِ اقتدار ہوئے۔ تو ان لوگوں میں اپنے آقائے نعمت کے کم و بیش سب کے اوصاف موجود تھے۔ شام اور عراق کے گورنر نظام الملک کے آئین کے مطابق حکومت کرتے تھے۔ لیکن ان خانہ جنگیوں سے عیسائیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور بارہویں صدی میں صلیبی محاربات نے ملک میں ایک کھلی سی ڈال دی۔

پہلی صلیبی جنگ

سلطان ملک شاہ نے اٹھاسے دس داعی اجل کو مذبح کہا۔ اسکی وفات کے بعد دو سال تک اس کے بیٹوں میں ملک گیری کے لئے تلوار چلتی رہی۔ ملک شاہ کا بیگانہ روزگار وزیر نظام الملک اپنے آقائے پہلے ملک عدم کو سدھار چکا تھا۔ اور اس پر آشوب زمانہ میں بھی ایسا صاحبِ تدبیر آدمی موجود نہ تھا۔ جو بھائیوں کے معاملات کو سمجھا کر اور ایک عظیم الشان سلطنت کو پارہ پارہ ہونے سے بچانے کی تدبیر کر سکے۔ جب اشہر ادول میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ تو ماتحت صوبدار اپنے اپنے صوبوں میں بیٹھے خود مختاری کے شہلے خواب دیکھنے لگے۔ پہلے ہی سے ان گورنروں کے دل میں ایک دوسرے کی جانب سے کدورت بھری ہوئی تھی۔ لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی۔ کہ وہ آمادہ انتقام ہو سکے۔ کیونکہ سلجوقی حکومت کا اقتدار ابھی تک شمالی شام اور عراق عرب میں موجود تھا۔ لیکن دیکھنے والے خوب سمجھتے تھے۔ کہ ادبار کی گھٹا بڑھی چلی

آ رہی ہے۔ اور سلجوتی آفتاب زوال پذیر ہونے والا ہے۔

ہمیں پرستارین یورپ ایک مدت سے اس قسم کے موقع کی تلاش میں تھے اور دل سے یہ آرزو رکھتے تھے کہ بلاد مشرق کی مسیح اقوام کے ساتھ مل کر اسلامی ممالک کی تاخت و تاراج شروع کر دیں جب اسلامی فوجوں نے پہلی نمانہ جنگی شروع ہوئی۔ تو سرزمین یورپ میں پادری اور راہب ہر جگہ عیسائیوں کو صلیب کے نام کا واسطہ دلا دلا کر اکسٹے لگے۔

انہی آیام میں پیٹر نام ایک راہب جس کے سر میں مسلمانوں کو بیت المقدس سے نکلانے کا سودا لے خام سمایا ہوا تھا مشرق سے چل کر یورپ میں جا پہنچا اس وقت پوپ "اربان دوم" کے دربار میں جو عیسائیوں کا روحانی بادشاہ تھا پیٹر کی بہت آؤ بھگت ہوئی۔ چنانچہ پوپ "اربان دوم" نے یورپ کے تاجداروں کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ کہ وہ سب مل کر "بیت المقدس" کو آزاد کرائیں پیٹر پوپ کا فرمان لے کر یورپ میں دورہ کرنے لگا۔ اس کی کوششوں سے مشرق میں بہت سے لوگ مشرق کی طرف جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

تاجداران یورپ میں سے تو کوئی بھی بذات خود سفر کے لئے تیار نہ ہوا لیکن ان کے بڑے بڑے عہدہ دار اور باجگذار ریاستوں کے نواب جنگ کی تیاریاں سرگرمی سے کرنے لگے۔

آخر پیروان مسیح علیہ السلام کا ایک عظیم آئشان لشکر گاؤ فریڈی ہولن "رابرٹ ڈپوک آف نارمنڈی" "رابرٹ کونٹ آف فلیینڈرز" اور "کونٹ ریمانڈ" کی سرکردگی میں یورپ سے روانہ ہوا۔ اس زمانہ میں یورپ میں ان مسیحی

سرداروں کی بہادری زبان زد خلافت تھی۔ فاروق اعظم حضرت عمرو بن خطاب کے عہد سے بیت المقدس پر پرچم ہلال ہزار ہا تھا۔ گوبلا و مشرق کے عیسائیوں اور زائستروں کو مسلمان حکمرانوں کے ماتحت ہر قسم کا آرام اور اطمینان حاصل تھا لیکن پرستار ان تشریفات کے دل میں یہ خار ایک مدت سے کھٹکنا تھا کہ کسی طرح وہ اس مقام متبرک کو مسلمانوں سے چھین لیں۔ آج انہیں یہ دہرینہ آرزو اور تمنائوری ہوتی نظر آرہی تھی۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے دیکھ کر مشرق کے مسیحی حکمران جو اس وقت تک اپنی عافیت اور سلامتی اسی میں دیکھتے تھے کہ مومن کو ہی کی طرح بلوں میں ہر چھپائے خاموش بیٹھے رہیں۔ پھر سر نہکا لے لگے۔ ملک شاہ کی اولاد میں خونریزی ہونا ان کے لئے ایسا ہی تھا جیسے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔

موقع کو غنیمت سمجھ کر مشرق اور مغرب کے عیسائی ایک دریا کے ڈیوٹوں کی طرح پھر ایک دوسرے سے مل گئے۔ مسلمانوں میں اتنی سکت ہی نہ تھی کہ وہ اس سیلاب کو روکیں۔ چنانچہ ۹۷۹ء میں "اولیہ" اور انطاکیہ پر عیسائی قابض ہو گئے۔ اور ۱۰۹۹ء میں کیل کانٹے سے یس ہو کر یہ عیسائی لشکر بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔

اس وقت "افتخار الدولہ" نام ایک مسلم سردار بیت المقدس کا گورنر تھا۔ شہر کی حفاظت کے لئے چالیس ہزار ترک اور عرب موجود تھے لیکن عیسائی مؤرخوں کے قول کے مطابق مسیحی لشکر دن لاکھ کی جمعیت سے کم نہ تھا۔ یہ ٹڈی دل جدھر سے گذرتا جو سامنے آتا اسے تباہ اور برباد کر ڈالتا۔ بیت المقدس کے پاس آ کر عیسائیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور اوھر "افتخار الدولہ" فیصل شہر کے اندر سے مقابلہ کے کے ڈٹ گیا۔ چالیس روز تک

شہر کا محاصرہ رہا۔ اور اس عرصہ میں شہیدانِ اسلام نے متعدد بار شہر پناہ سے باہر نکل کر عیسائیوں پر حملہ کیا۔ اور ہر حملہ میں دشمنانِ اسلام کو سخت نقصان پہنچایا لیکن شہر میں سامانِ غور و دلوش کی قلت بہت تھی سے محسوس ہونے لگی۔ آخر یہ چالیس ہزار مجاہدین کی تعداد ہر روز کم ہو رہی تھی کب تک دہل لاکھ کا مقابلہ کرتے۔ جمعہ کے دن ۱۰۹۹ء میں دن کے تین بجے تک ایک ہنگامہ رستخیز برپا رہا۔ اور بہادرانِ اسلام نے ہر قدم پر نہایت ثابت قدمی سے مخالفین کو روکا۔

دن ڈھلے کے قریب ”کونٹ گاڈ فرے ڈی ہیولن“ بیت المقدس کی ایک دیوار پر قابض ہو گیا۔ اور اسی روز غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی حضرت فاروقِ اعظمؓ سے ۴۶۰ سال بعد پھر ایک بار بیت المقدس پر صلیب کا نشان بلند کر دیا گیا۔ پیر و ان حضرت مسیحؑ کے جوش و غضب کا اندازہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بڑا لحاظ عمر زن و مرد۔ جوان، بوڑھے اور بچے تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ مسیحی مؤرخوں کے بیان کے مطابق عیسائیوں نے تین دن تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے والوں کو پرلے درجہ کی سنگدلی اور سفاکی سے کھلے بازاروں میں۔ مسجدیں۔ گھروں میں اور گلی کو چوں میں قتل کیا تین دن میں تقریباً ایک لاکھ کلمہ گونے جامِ شہادت نوش کیا۔

(۳) آٹھ روز تک شہر میں پرستانِ انِ نوحیہ کے گلے کٹے رہے۔ اور گھر بار لٹے رہے۔ مسجد اقصیٰ میں جس قدر علماء دین پناہ گزین تھے ان کو پرلے درجہ کی بزدلی سے شہید کر ڈالا گیا۔

حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ پھاڑ کر بچے نکالے جاتے اور لگدوں کے کھانے کے لئے پتھروں پر پھینک دیئے جاتے۔ بیت المقدس کے در و دیوار

جو کبھی نور اسلام سے مزین تھے خونِ شہدائی لالی سے سُرخ ہو گئے۔
 محرابِ داؤد اور مسجدِ اقصیٰ میں کم و بیش سات ہزار مسلمان تھے۔ یہ
 سب آگ میں جلا کر شہید کئے گئے۔ ان کے پارچات پر تیل پھینک کر آگ
 لگا دی جاتی۔ اور عیسائی ہمارے دیوانہ وار قہقہہ لگا کر شہیدوں کی بے کسی اور
 مظلومیت کا نظارہ دیکھتے۔

(ایک مشہور عیسائی مؤرخ جس کا نام جی او پی لکھتا ہے کہ عیسائی مسلمان
 حکمرانوں کے حملوں سے اس قدر دق آئے ہوئے تھے کہ بیت المقدس پر
 قابض ہو کر اور اس قدر ظلم و تشدد کے بعد بھی ان کے قہر اور غضب کی آگ
 فرو نہ ہوئی تھی۔ یہ ظلم و ستم صرف اس لئے کئے جاتے تھے کہ آئندہ کبھی
 مسلمان تشلیث پرستوں کے مقابلہ اور مخالفت کا حوصلہ نہ کریں۔

بیت المقدس کے گلی کوچے اور کھنڈرات بیکسوں کے لاشوں سے
 اُٹے پڑے تھے۔ مسجد کے صحن میں سے خون کی ایک ندی جاری تھی مسلمان
 شہری ہر روز مسیحی کونسل۔ کہ سامنے پیش کئے جاتے اور گردن زدنی قرار دیکر
 جلاؤں کے سپرد کر دیے جاتے۔ جو عیسائی اس قسم کے کشت و خون سے
 اکتا گئے تو پھر مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ فصیل شہر پر اسے نیچے کو دیں۔ اس
 ترکیب سے بھی سینکڑوں کو ہلاک کیا گیا۔ جو مالی نقصان تھا اس کا اندازہ
 کرنا ناممکن ہے۔ مسیحی عمر کی ہر ایک چیز لوٹ لی گئی۔ یہ تمام چیزیں نہایت ناؤ
 اور بیش قیمت تھیں۔ ان میں چاندی کی چالیں بے عدل تبدیلیں بھی تھیں۔
 ان کے علاوہ سونے اور چاندی کی دوسو سے زائد سی قسم کی تبدیلیں اور
 مقامات سے لوٹ لی گئیں۔ صرف مسجدِ اقصیٰ سے جو سامان لوٹا گیا وہ کئی
 چھکڑوں پر لاداجا سکتا تھا۔

عام لوٹ مار کے وقت بے شمار یہودی شہر سے نکل کر قرب جوار کے کھنڈرات میں جا چھپے تھے۔ ان سب لوگوں کو جہاں جہاں ملے اس جگہ زندہ جلا دیا گیا۔ جب اس قسم کی سفاکی اور بُز دلی کی حد ہو چکی تو پھر بچے کھچے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ لاشوں کو شہر سے اٹھا اٹھا کر باہر لے جائیں اور جس طرح چاہیں دفن کر دیں۔

اس پُر آشوب زمانے میں خلافت بغداد پر ابو العباس احمد المستنصر باللہؒ جلوه افروز تھا۔ جب چند ایک مسلمان خاندان بیت المقدس سے تباہ و خستہ حال بغداد پہنچے۔ تو وہاں کے شعر نے ان کی بے کسی اور مظلومیوں کی داستانوں کو نظم کیا۔ لوگ رقت انگیز مرثیہ پڑھتے تھے اور پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

”قاضی ابوسعید ہروی“ جو بغداد کی جامعہ مسجد کا امام تھا۔ ان مَصِیبت کے ماروں کو ساتھ لے کر دربار میں گیا۔ جب ان لوگوں نے مسلمانوں کی مظلومیت کی داستان بیان کی تو سُسنے والے خوف سے سہم گئے۔ خلیفہ نے اسی وقت ایک لشکر ابو بکر شناسی۔ ”ابوالقاسم زنجانی“ اور ابوسعید حلوانی کی سرکردگی میں نصرانیوں کی گُو خمالی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن یہ لوگ راستہ ہی سے پریشان ہو کر پلٹ گئے۔

اسی طرح جب مصر میں ان ہولناک مظالم کی خبر یاد بلند ہوئی تو ”ہاشمی خلافت“ خواب گراں سے بیدار ہوئی۔ اور بے گناہوں کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر ”ابوالقاسم الملقب بہ الملک الافضل“ کی ماتحتی میں ”عسقلان“ کی جانب روانہ کیا۔ ساتھ ہی نصرانی ریاستوں کے نام تہدید کی فرمان جاری کئے اور سخت انتقام کی دھمکی دی۔

ایک جگہ ہاشمی لشکر اور نصرانی جمعیت کی ٹڈی بھڑ ہو گئی۔ لیکن نصرانی چال بازی سے بازی لے گئے۔ عیسائیوں نے بہت سے لشکریوں کو گرفتار کر کے زندہ جلا دیا۔ اور افضلؒ بارہ ہزار دینار تاوان لے کر جان بچا کر مصر واپس آ گیا۔

(اب نصرانیوں کے ظلم و ستم کا کچھ اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ اور ان لوگوں نے اسلامی سلطنت کو دھم بھم کرنے میں اپنی طوف سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ لیکن قدرت کو ابھی اس سے اور بھی کچھ کام لینا منظور تھا۔ اس لئے کچھ اسلامی ممالک ان غارتگریوں کی دستبرد سے محفوظ رہ گئے۔

۱۱۱۷ء میں فلسطین کے بہت سے حصے پر عیسائی قابض ہو گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد شام، عکہ، تونس اور ساعدہ وغیرہ اسلامی مقبوضات پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔

سلطان صلاح الدینؒ کی پیدائش سے سات سال پیشتر ۱۱۱۷ء میں ایجنوام ایک نوجوان شہزادہ جب یروشلم کا تاجدار بنا تو اس وقت یونانی حکومت بھی برسرِ اقتدار تھی۔ شام اور عراق پر نصرانیوں کا پورا پورا غلبہ تھا۔ ان صلیبیوں کے حوصلے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ آئے دن ”دیوار بکر“ تک آکر مسلمانوں کو لوٹ مار جاتے، اندرون ملک میں بھی کئی ایک قلعے اور استحکم فوجی مقامات ان کے قبضے میں تھے۔ لیکن حقیقت میں ان کی حکومت صرف ساحلی مقامات تک محدود تھی مستقل طور پر عیسائیوں کو اندرون ملک پر فوجبشی کرنے کی جرات ابھی تک نہ ہوئی تھی۔

(حلب) دمشق - حمصہ - حمصہ - ابھی تک مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھے۔ اندرون ملک میں "بیت المقدس" کے علاوہ "ولیسہ" ایک قابل ذکر مقام ان لوگوں کے تصرف میں تھا۔ بلادِ مشرق میں جب عیسائیوں کا طوطی بول رہا تھا اس وقت ان کی سلطنت شمالاً جنوباً پانسویں صدی میں پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن جب زمانے کی ہوا پھر مسلمانوں کے موافق ہوئی تو عیسائی سلطنت زیادہ سے زیادہ پچاس میل کے رقبہ کے اندر اندر محیط تھی۔ یہ سب ممالک چھوٹے چھوٹے عیسائی نوابوں کے ماتحت تھے اور بیت المقدس کے فرمانروا کو اپنا بادشاہ تصور کرتے تھے۔ جن دنوں عیسائیوں کا ستارہ افق پر تھا۔ اُن دنوں ایک طرف بیروت - صور - صاعدہ - عکہ اور یافہ - یروشلم کے عیسائی حکمران کے زیرِ نگیں تھے۔ اور دوسری جانب مصری سرحدِ عسقلان اور جنوب کی طرف "وادیِ یردون" اور بحیرہ مردار تک تاجِ فرمان تھے۔ یہ تمام مسیحی ریاستیں اسلامی ممالک سے ایک یا دو روز کی مسافت پر واقع تھیں۔ اور دونوں اقوام میں چپقلش جاری رہتی تھی۔

مشہور عربی مؤرخ "اسامہ" لکھتا ہے کہ باقاعدہ طور پر "گوریلا جنگ" کا سلسلہ جاری تھا۔ اور دونوں اقوام ایک دوسرے کا گلہ کاٹتے اور مال و اسباب لوٹنے کے دائرہِ بیچ میں لگی رہتیں۔

لیکن یورپ سے جو صلیبی محاربات میں شامل ہونے کے لئے لوگ آئے تھے۔ وہ اس بات کے آرزو مند تھے کہ یہاں کے مسلمانوں سے بل جمل کر رہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے یہاں ہی مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اور مسلمان کا شتکاروں کی طرح زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ چونکہ دونوں اقوام کے افراد کا اکثر آپس میں میل و ملاپ رہتا تھا۔

اس لئے مسلمان بھی ان کو چاہنے لگے تھے اور صرف تیس سال گزرنے کے بعد دونوں اقوام ایک دوسرے سے اس قدر شیر و شکر ہو گئی تھیں کہ آپس میں رشتے ناطے بھی کرنے لگی تھیں۔ لیکن اس قسم کی رشتہ داریاں یورپ کے نوآبادیوں تک ہی محدود تھیں۔ سرزمین مشرق کے عیسائی اپنی پُرانی روش پر ہی قائم تھے۔

بہر کیف اب کچھ عرصہ سے عیسائی اور مسلم امن و امان سے دوش بدوش رہنے لگے تھے۔

”اسامہ“ راوی ہے کہ وہ نصرانی جو پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر بلا و مشرق میں آکر مقیم ہو گئے تھے مسلمانوں سے مل جل گئے تھے۔ ان لوگوں کی بود و باش میں اسلامی جھلک نمودار ہونے لگی تھی لیکن اس کے بعد جو نصرانی یورپ سے نقل مکان کر کے مشرق میں آئے تھے اپنی حیثیت عام لمیٹروں سے زیادہ نہ تھی۔ یہ لوگ مذہبی تعصب سے مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور ذلیل سمجھتے تھے۔ اور اب ان لوگوں کی کوتاہ نظری کے طفیل دیا ر فلسطین کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں جو ایک عرصہ سے دوستانہ طور پر مل جل کر رہتے تھے پھر بے لطفی پیدا ہونے لگی تھی اور رشتہ اتحاد و مروت بغض و اوجس کی منقراض سے قطع ہونے لگا تھا۔

بقول ابن اثیر بارہویں صدی میں نفرت کی دبی ہوئی آگ نصرانیوں کے سینہ میں پھر شعلہ زن ہونے لگی۔ اور عیسائی تمام عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں پر کھلے بندوں حملے کرنے لگے۔ جہاں ان کا دایہ چلتا مسلمانوں کے جان و مال کو غارت اور برباد کرنے میں مطاق کوتاہی نہ کرتے۔ عیسائی دیا ر بحر تک آ کر مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے تھے جو چیز ہمتی ٹوٹ لیتے۔ او

امن پسند باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیتے۔ دمشق کی طرف جانے والے راستے ان لوگوں کے بے پناہ قتل و غارت کے باعث بند ہو گئے۔ صرف وہ راستہ جو صحرا کی جانب سے جاتا تھا محفوظ تھا۔ سوداگر اور قافلے سخت پریشان تھے۔ مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ان ٹیڑھوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ قرب و جوار کی اسلامی آبادیوں سے جبراً خراج وصول کر لیتے، ایک بار حلب پر بھی چڑھ دوڑے اور یہاں کے باشندوں سے نصف مال و اسباب لے لیا۔

سُلطان عماد الدین زنگی

مُلک میں جو مختلف اسلامی حکومتیں تھیں۔ ان سب میں عموماً اور ترکی اسلامی ریاستوں میں خصوصاً جنگجو مسلمانوں کے جتنے موجود تھے۔ اور یہ سلجوقوں کی بدولت تھا کہ گو اس وقت اسلامی حکومتوں کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی۔ لیکن ہر ایک ریاست میں ایسے جانفروشان اسلام کافی موجود تھے جو اسلام کے نام پر گردن کٹوانا اپنا پیدائشی فرض سمجھتے تھے۔ لیکن افسوس کہ یہ لوگ گھروں میں خاموش بیٹھے نصرانیوں کی شرارتوں کو دیکھتے تھے۔ دشمنان اسلام کی چیرہ دستیوں کو دیکھ کر بیچ و تاب کھاتے۔ لیکن کروٹ نہ بدلتے۔ کیوں؟

ان لوگوں کو صرف ایک ایسے منحلے راہنما کی ضرورت تھی جو سب سے پہلے میدان کارزار میں نکلے اور باقیوں کو لالکار کر ”جہاد“ کی دعوت دے اور ان کو بتلا دے کہ آئے دن کی خانہ جنگیوں کی بدولت اسلام کو جو بُرا دن دیکھنا نصیب ہوا ہے اس کا کفارہ صرف ایک ہی صورت میں ادا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول مقبول کی عزت و حرمت

اور ان پر میدان جنگ میں آکر گردنیں کٹوائیں اور اپنے خون سے اپنے گناہوں کو
کفارہ ادا کریں ورنہ یہ دُھندلے سے نشان بھی کسی دین مٹ جائیں گے۔
آخر کلمہ گوؤں کی بے کسی پر قدرت نے پھر ایک بار رحم کھایا۔ اور
”عماد الدین زنگی“ جیسا بہادر اور باتدبیر شیر اسلام پرستار ان تشلیث سے
توحید کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لئے شمشیر بکف میدان میں نکلا اور
مسلمانوں کو لٹکارا کہ اؤ نکلو، اور اسلامی حمیت اور غیرت کا ثبوت دو۔

”عماد الدین زنگی“ کا باپ ان سلجوقی سرداروں میں سے تھا جو سلطان
ملک شاہ کے عہد میں مختلف ممالک کے اتابک یعنی گورنر تھے۔ باپ کی
وفات کے بعد اس نے اپنے آقائے نعمت کے زیر سایہ پرورش اور تعلیم پائی۔
جب بن بلوغت کو پہنچا تو اس کے باپ کے دوستوں اور ملک خواروں نے
اسے اپنا سردار منتخب کر لیا۔ کچھ عرصہ تک وہ سلطان کے دونوں
شہزادوں کا اتالیق مقرر رہا اور پھر ترقی کرتے کرتے ولایت موصل کا
گورنر بن گیا۔ اس عہد پر فائز ہوتے ہی اس نے اپنی توجہ اور آمدنی کے
سب وسائل دشمنان اسلام کی بیخ کنی کے لئے وقف کر دیئے۔
موصل دار الخلافہ سے دو سو میل کی مسافت پر تھا۔ زنگی نام کو گورنر تھا۔
لیکن حقیقت میں وہ ایک خود مختار والی ملک تھا۔ وہ شب و روز اپنی
فوجی طاقت اور نظام ملک کی جانب متوجہ رہتا۔ اس نے ملک کو وہی
آئین عطا کیا تھا جو سلطان ملک شاہ نے جاری کیا ہوا تھا۔ عماد الدین زنگی
رات کے وقت بھیس بدل کر شہ میں گشت کیا کرتا۔ اور لوگوں کے حالات
اور رائے کا پتہ لگاتا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ دار الخلافہ سے

کوئی شخص اس کی خاص اجازت کے بغیر کسی دوسرے شہر میں نہ جائے۔
 زنگی ایک زبردست حاکم تھا اور اپنے ماتحتوں کی نہایت سختی سے نگرانی
 کرتا تھا۔

”ابن اثیر“ لکھتا ہے کہ جب ”زنگی“ کو ولایت موصل کی عثمان حکومت
 عطا ہوئی تو شہر کی حالت بہت خراب تھی۔ بازار بے رونق اور رعیت
 مفلوک الحال تھی۔ لیکن عماد الدین نے حسن تدبیر سے شہر کی کایا پلٹ دی۔
 اور موصل ایک خوبصورت شہر نظر آنے لگا۔ عالیشان عمارتیں۔ اور شہر کے
 اندر باہر باغات بہت قلیل فرصت میں تیار کروادئے گئے۔ رعیت
 خوشحال ہو گئی۔ اور تجارت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ دوسری جانب اس نے
 ہر ممکن طریق سے اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ اپنے سپاہیوں کے اہل و عیال کی
 خبر گیری نہایت احسن طریق پر کرتا۔ اور سال میں ایک بار لوگوں سے جہاد کے
 اخراجات کے لئے روپیہ وصول کرتا۔

شہر میں آہستہ آہستہ مسلمانوں کی آمد ہو رہی تھی۔

زنگی سے پیشتر سکمان اور الغازی جو دو چھوٹی سی اسلامی ریاستوں کے
 حکمران تھے بسا اوقات عیسائیوں کے حملوں کا جواب دیتے رہتے تھے۔
 اس کے گزرنے وقت میں بھی ”الغازی“ کے نام کی وہ دھاک بیٹھی ہوئی تھی
 کہ نصرانی گھروں میں بیٹھے بھی کانپنے لگتے تھے۔ یہ تو ان تاجدار اپنے کوستانی
 علاقوں سے عقیاب کی طرح سرزمین شام پر آجھپٹتا۔ اور صلیبی مقبوضات کو
 ۱۲۱۱ء میں نصرانی جب حلب کے مسلمانوں کو زیادہ پریشان کرنے لگے۔ تو
 ان لوگوں کی پیکار پر الغازی تین ہزار سوار اور نو ہزار پیادہ مجاہدوں کی
 جمیعت کے ساتھ میدان میں نمودار ہوا۔ اور ایک نہایت خونریز جنگ لڑی۔

عیسائیوں کو مار بھگا دیا۔

اس جنگ میں وہ عیسائی تاجدار جو سر عسکر تھا لڑتا ہوا مارا گیا۔ اسی سال "عماد الدین زنگی" کو بصرے کی ولایت عطا ہوئی تھی۔

آٹے دن کی زلتوں اور رسوائیوں کے باوجود مسلمان حکمرانوں کو جو ایک دوسرے سے کاوش تھی اس میں فرق نہیں آیا تھا۔ جب زنگی نے اسلامی حکمرانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ تو یہ لوگ بغلیں جھانکنے لگے۔ اور اس خیال سے کہ زنگی کی اطاعت کرنی پڑے گی پس ویش کرنے لگے۔

دریائے فرات کے کناروں پر جو عیسائی حکمران تھے وہ اب اس فکر میں تھے کہ کسی طرح مسلمانوں سے سمجھوتا کر کے "زنگی" کے اقتدار کو نقصان پہنچائیں۔ یہ سب ریاستیں "زنگی" کے عقب پر واقع تھیں۔ لیکن "زنگی" نے دورانہی سے "کونٹ جوسولن" سے جو ایک مشہور عیسائی حکمران تھا ایک معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ سے یہ قرار پایا کہ عیسائی "زنگی" کے معاملات میں دخل نہ دیں گے اور نہ ہی اس کے خلاف کسی سے معاہدہ کرینگے۔ اس طرح عقب کی جانب سے مطمئن ہو کر عماد الدین شام کی خود مختار اسلامی ریاستوں کو حلقہ بگوش کرنے کی فکر کرنے لگا۔

انہی آیات میں باشندگان "حلب" نے اُس سے مدد مانگی۔ اس جانب سے نصرانی "حلب" کے مسلمانوں کو آرام کا سانس نہیں لینے دیتے تھے۔ زنگی فوراً کمر بستہ ہو کر فرات سے اُترا۔ اور یلغار کرتا ہوا حلب کی طرف بڑھا۔ ہر مقام پر عیسائیوں کو خنکست دیکر ملک کو ان کی دستبرد سے پاک کر دیا۔ اور پھر پورے ایک سال شام میں بیٹھ کر عیسائیوں کو پریشان کرتا رہا۔ لیکن یہ ہٹسکے پکے بھی کبھی مسلمانوں کو تنگ کرنے کے خیال سے باز نہ آئے۔

۳۰۔ اللہ میں زندگی ایک فاتح کی حیثیت سے ”موصل“ واپس آیا۔ اور
 ٹمک کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔ ۳۱۔ اللہ میں سلطان کے انتقال پر
 تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے سلجوقی شہزادے ایک دوسرے سے
 دست و گریباں ہونے لگے اور زندگی کو بھی مجبوراً ان جھگڑوں میں شامل
 ہونا پڑا۔

چنانچہ انہی آیام میں عماد الدین زنگی ”قراجا“ سے شکست کھا کر بھاگا۔
 اور نجم الدین ایوب کے پاس جو ان دنوں ”تکریت“ کا قلعہ دار تھا پناہ لی۔ اور پھر
 ایک بار ۳۳۔ اللہ میں ان الجھنوں سے نکل کر شام کی طرف متوجہ ہوا۔ اور
 ”جہاد فی سبیل اللہ“ کی تیاریاں کرنے لگا۔

کئی ایک سیاسی وجوہات سے ”دمشق“ پر قابض ہونا اس کے لئے ضروری تھا۔
 ۳۴۔ اللہ میں اس نے ”دمشق“ کی طرف پیش قدمی کی۔ ان آیام میں ”عنبر“ دمشق کا
 حاکم تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ زندگی سے عہدہ برآ نہ ہو سکے گا تو اس نے
 عیسائیوں سے معاہدہ کر لیا۔ عیسائی جو پہلے ہی زنگی کے نام سے لرزتے تھے
 انہوں نے بھی اپنی اور اپنی ریاستوں کی سلامتی اسی میں دیکھی کہ مسلمانوں
 کے ساتھ مل کر ”زندگی“ کے سیلاب کو روکیں۔ جب عماد الدین سرزمین
 شام میں داخل ہوا۔ تو عیسائیوں کو مقابلہ کے لئے تیار پایا۔ یروشلم کا
 عیسائی فرمانروا مسیحی لشکر کا سردار عظم تھا۔ زنگی نے ان لوگوں ایک ہی
 معرکہ میں مار بھگا دیا۔ اور یہ سب بآئین کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے۔
 بآئین کو قورقی استحکامات بہت حاصل تھے۔ عیسائی اس جگہ سے مسلمانوں کا
 خوب مقابلہ کرتے رہے۔ اور چند نصرانی سرداروں نے شجاعت کے
 خوب ہی جوہر دکھلائے۔ اور جب پرچم ہلالی بآئین پیراڑنے لگا تو زنگی نے

خاص خاص نصرانی سرداروں کو ان کی شجاعت اور ہمت کے عوض خلعت عطا کئے۔ اور بادشاہ کو بھی جس نے خوب داد شجاعت دی تھی آزاد کر دیا۔ اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وطن جانے کی اجازت دیدی۔

اسی زمانے میں یورپ سے بکثرت لوگ صلیبی لڑائیوں میں شامل ہونے کی غرض سے مشرق کی طرف آنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور جوق در جوق آ رہے تھے۔

اسی سال کے اخیر میں عماد الدین زنگی اور والی دمشق کی صلح ہو گئی اور وہ اپنا لشکر لے کر موصل کی طرف لوٹ آیا۔

تمام عیسائی ریاستیں بڑے جوش سے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ اور ادھر دمشق کا تاجدار اور چھوٹے چھوٹے والیان ریاست بھی اپنی کوتاہ بینی کے باعث ان کے ساتھ مل کر عماد الدین زنگی کا مقابلہ کرنے کی فکر میں تھے۔ عماد الدین نے ہر ممکن طریق سے یہ چاہا کہ کسی طرح مسلمان والیان ریاست اس کے ساتھ مل کر دشمنان اسلام کا سر کچلیں۔ لیکن اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس تاجدار دمشق نے کھلے طور پر تاجدار "یروشلم" سے ایک عہد نامہ کر لیا۔

آخر زنگی ان لوگوں کی متفقہ جماعت پر حملہ آور ہوا۔ اور ہر سر کر میں مخالفین کو شکست دی۔ لیکن اس سال بھی وہ دمشق پر قابض ہونے میں کامیاب نہ ہوا۔ اور نجم الدین ایوب "کو بعلبک" کا گورنر مقرر کر کے موصل کی طرف چلا گیا۔ جب جنوب کی جانب سے وہ شام سر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو آب اس نے شمال کی جانب سے عیسائیوں پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔

چنانچہ اس غرض سے اس نے خانہ بدوش کرد قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ایک جہاز لشکر کے ساتھ عیسائیوں پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ”دیاربکر“ کے اکثر مشہور شہر اس نے تسخیر کر لئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ مجاہدین اسلام ”اویسہ“ کے سلمے آنمو دار ہوئے۔ ان دنوں یر و شلم کے بعد ”اویسہ“ دوسرے درجہ پر تھا۔ یہاں بڑے بڑے مشہور صلیبی سردار اپنے جتھوں کے ساتھ میقم تھے۔ عماد الدین زنگی کا لشکر دیکھ کر ان لوگوں نے چال بازی سے کام لینا چاہا۔ لیکن اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔ کوئی مہینہ بھر دونوں طرف کے بہادر واد شجاعت دیتے رہے۔ آخر ۲۲ دسمبر ۱۲۴۱ء میں علم بردار ان توجید فتح یا ب ہو کر ”اویسہ“ پر قابض ہو گئے مسلمانوں نے یہاں کے صلیبی بہادروں سے جن کو ان کی اصطلاح میں ”ناٹھ“ کہا جاتا تھا اور جو بلا تیز عمر ان تمام مسلمانوں کو جو ان کے قبضہ میں آئے قتل کر لیتے تھے۔ مظلوموں کے خوں کا انتقام لیا۔

عماد الدین نے مستورات پنجوں۔ بوڑھوں اور بچوں کو امان دیدی۔ اور پھر تمام سرکشوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ صرف وہ لوگ زندہ بچے جنہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ جب یہ شیر اسلام شہر میں داخل ہوا تو اہل شہر کو امان دی گئی اور مجاہدین کو شہر کی ٹوٹ مار سے روک دیا گیا۔ اور حکم دیدیا کہ اگر کوئی مسلمان کسی بے گناہ نصرانی کو قتل کرے گا تو وہ قصاص میں قتل کر دیا جائیگا۔

صرف ”اویسہ“ کے سر ہو جانے سے ہی تمام ”وادی فرات“ کے مسلمانوں کو امن نصیب ہو گیا۔ نصرانی خود بخود اپنے بڑے بڑے سرکردوں کی جانب بھاگ گئے اور تمام ملک پھر ایک لعہ توحید سے گونجنے لگا۔

فتح اویسہ“ سے دو سال بعد ۱۴۴۱ ستمبر ۱۴۶۱ء میں ”عماد الدین زنگی“ جب ”جعبہ“ کا محاصرہ کئے پڑا تھا رات کے وقت سینے میں سوتا ہوا اپنے غلاموں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

زنگی کے مرنے کی خبر سن کر صلیبی بہادر پھر کروٹ بدلنے لگے۔ اسلامی مقبوضات کی تاخت و تاراج کی فکریں ہو گئیں۔ لیکن اب جس اسلامی حکومت کی زنگی جیسا مرد میدان داغ بیل ڈال گیا تھا یوں آسانی سے سر کر لینا ناممکن تھا۔ ”گو زنگی“ جیسے جی تو ایک مستحکم اسلامی سلطنت نہ دیکھ سکا۔ لیکن اس کے بہادر جانشین ”نور الدین زنگی“ اور اجماد اسلام صلاح الدین یوسف نے اسے پورا کر دکھایا۔ صلاح الدین نے عماد الدین زنگی کی وفات کے چالیس برس بعد تثلیث پرستوں کے وجود سے ملک کو پاک کر کے پھر ایک بار ”بیت المقدس“ پر پرچم ہلالی بلند کیا۔ اور فاتح بیت المقدس کا لقب پایا۔

دوسری صلیبی جنگ

”عماد الدین زنگی“ کے مرتے ہی ملک اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو گیا۔ بڑا بیٹا ”سیف الدین غازی“ باپ کی جگہ ”موصل“ کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اور شامی مقبوضات پر چھوٹے بیٹے ”نور الدین“ نے قابض ہو کر حلب کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔

تاریخ اسلام میں سلطان صلاح الدین یوسف کے بعد نور الدین زنگی کا نام ہے کیونکہ اس فرزند اسلام نے تمام عمر توحید کی عظمت اور عزت برقرار رکھنے میں صرف کر ڈالی اور اسلام کی حمایت میں دشمنوں سے ہمیشہ

سینہ سپر ہا۔

”سلطان نور الدین زنگی“ بھی اپنے نئے مقبوضات کا نظم و نسق بھی اچھی طرح سمجھا نہیں سکا تھا کہ اسے پھر ایک بار ”اولیہ“ کو جسے اس کے بہادر باپ عماد الدین زنگی نے سخت خونریز لڑائیوں کے بعد عیسائیوں سے چھینا تھا و تمناؤں سے بچانے کے لئے تیار ہونا پڑا۔

عماد الدین کے مرنے کے ساتھ ہی صلیبی بہادر یورپ کبل بوتے پر ”اولیہ“ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مشرق اور مغرب کے نصرائیوں کو ”اولیہ“ کے ہاتھ سے نکل جانے کا سخت افسوس تھا۔ یورپ میں پوپ نے عیسائی حکمرانوں کو فرمان لکھ کر مشرق کے عیسائیوں کی حمایت اور مدد پر اکسایا۔ ان آیام میں فرانس پر لوئس ہفتم حکمران تھا اور شاہان یورپ میں سے بھی سب سے پہلا اتحاد رہا ہے جس نے صلیبی محاربات میں بذاتِ خاص شامل ہونے کا سب سے پہلا اعلان کیا اور اس خدمت کے عوض ”پوپ“ نے اسے جنابِ سچ علیہ السلام کی زیارت کا یقین دلایا۔

پہلی صلیبی جنگ میں اہل جرمن نے کچھ حصہ نہیں لیا تھا۔ اس وقت بادشاہ لوئس کی خاص درخواست پر پوپ نے جرمنی کے شہنشاہ کو نارڈ سوئم کو بھی اس جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ پہلی لڑائی میں یورپ سے ”لورین“، ”فلینڈرز“، ”فرانس“ اور اٹلی کے باشندے شامل ہوئے تھے۔ اور انہی ممالک کے حکمرانوں نے مال و زر سے مدد کی تھی۔ لیکن اس دوسری لڑائی کے لئے تاجدار جرمنی بھی شامل ہو گیا۔ اور صلیبی سوار بڑے گھمنڈ سے پکار پکار کر کہنے لگے کہ اب وہ اپنے وطن میں اُس وقت ہی قدم رکھیں گے

جب ایشیا میں صرف تثلیث کا پھر پرا لہر آتا نظر آئیں گا۔
چنانچہ سب سے پہلے ”کونارڈ سوم“ تاجدار جرمنی ایک جم غفیر کو ساتھ
لے کر سلجوقی ترکوں کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ سلطان مجاہدین کا لشکر لئے
ایک پہاڑ کی طرح راستہ روکے پڑا تھا۔ کونارڈ اور اس کے سیرن (نواب)
بڑے جوش سے لشکر سے نکل نکل کر مسلمانوں پر حملے کرتے تھے۔ لیکن سمندر کی
طوفان خیز موجوں کی طرح پہاڑ سے سہ ٹکرا کر واپس لوٹ جاتے تھے۔

آخر سلطان نے نعرہ توحید بلند کیا۔ اور مجاہدین اسلام نے اس خسارت سے
دشمنوں پر حملہ کیا کہ وہ صلیبی سوار ماجور بڑے طمطراق سے دریائے ڈینوب
اور راہین عبور کر کے مسلمانوں سے ”اویسہ“ چھیننے آئے تھے۔ جو اس باختہ
ہو کر میدان سے بھاگ نکلے۔ مسلمان تیر اندازوں نے تمام فوج کا ستھر او
کر ڈالا۔ اور مشکل سے اس نصرانی لشکر کا دسواں حصہ اپنے تاجدار کے ساتھ
جان بچا کر بھاگا۔ اور سرزمین فلسطین میں جہاں تاجدار فرانس لوئس ہفتم پڑا
ڈلے تھا جا ملا۔

”سلطان نورالدین زنگی“ نے شہنشاہ جرمنی اور اس کے امرا کو ایسی سخت
شکست دی تھی کہ یہ لوگ اپنا تمام سامان حرب بھی سلجوقی ترکوں کے حوالے
کر گئے۔ لیکن فلسطین پہنچ کر بھی ان کو گلوں کے قدم نہ ٹھہرے۔ اور پیشتر اس کے
کہ نصرانی بادشاہ آپس میں کچھ سمجھوتہ کر سکیں۔ ”کونارڈ سوم“ تو اپنے ہمل میوں
سمیت ”بیت المقدس“ کی طرف چلا گیا۔ اور باقی ماندہ عیسائی جو اس کے
ساتھ دیگر ممالک سے آئے تھے مسلمانوں کے خوف سے وطن کو لوٹ گئے۔

”شہنشاہ جرمنی کونارڈ سوم“ کی شکست کے بن شہنشاہ فرانس ”لوئس ہفتم“

ہیچ و تاب کھا کر اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے مشرق کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔ یہاں بھی ترک راستہ روکے کھڑے تھے، لیکن ایک خوفناک جنگ کے بعد مسلمان پس پا ہو گئے۔ فتح مندوں نے نہایت ظالمانہ طریق سے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ زن و مرد بے پورے بچے سب قتل کئے گئے۔

”ہسٹورینز ہسٹری آف ورلڈ“ کے عیسائی مؤرخین کے بیان کے مطابق صلیبی حملہ آوروں نے اس کثرت سے مسلمان قتل کئے کہ مذتوں تک اس میدان میں ان کی ہڈیاں مسافروں کو پلا کرتی تھیں۔ فرانسیسی فوج کا مہراول اس شاندار فتح کے باعث جوش سے یلغار کرتا ہوا لشکر سے کچھ آگے نکل گیا۔ اس کے عقب میں شہنشاہ فرانس اور اس کے اُمراہ باقی لشکر لئے آتے تھے۔ ترک میدان سے بھاگ کر کوہستانی علاقوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ جب یہ لشکر زدیں آیا۔ تو ترکوں نے چاروں طرف سے کھیر لیا۔ مسلمانوں کے جوش غضب کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ تیر اور نیزے چھوڑ کر تلوار پکڑے عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور جی بھر کر منطوہوں کے غون کا انتقام لیا۔ اور عیسائی فوج کو کاٹ کاٹ کر کشتوں کے نشیے لگا دیئے۔

”ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ“ میں مذکور ہے کہ ”لوئس ہفتم“ قیمت کی یاوری سے قتل ہونے سے بچ گیا۔ رات کی تاریکی میں وہ چند اُمراہ کے ساتھ ایک طرف نکل گیا۔ عیسائی راستہ سے بے خبر تھے جدہریسی کے سینگ سمائے ادھر ہی بھاگ نکلے۔ فوج میں ابتری اور خوف پھیلا ہوا تھا۔ ترک سوار بلائے بے درماں کی طرح تعاقب کرتے تھے۔ دشمنان اسلام کو

ڈھونڈ کر مارتے تھے۔ اور یہ سب کچھ عیسائیوں کے اپنے ظلم کا نتیجہ تھا۔ آخر لشکر نے جہازوں پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کی۔ اور شہنشاہ ٹولس اپنے لشکر کے ساتھ ایک کٹے بجا رہے کی طرح ”یروشلم“ میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ یہاں ”کونارڈ سوٹم“ اور ”سکسنی“ اور ”ہیوپریا“ کے ڈیوک پہلے ہی بھاگ کر پہنچ چکے تھے۔

جب دم میں دم آیا اور مسلمانوں کی بے پناہ تلوار سے امان ملی۔ تو ایک فوجی مجلس مشاورت قائم کی گئی۔ اور صلاح یہ ٹھہری کہ ”دمشق“ کی طرف متحد ہو کر پیش قدمی کی جائے۔ یورپ اور ایشیا کے نصرانی تاجداروں نے از سر نو لشکر درست کیا۔ مشہور نصرانی بہاء ”جوناٹ آف مپل اور سینٹ جان“ کے لقب سے مشہور تھے۔ اور بادشاہوں سے من مانی باتیں منواتے تھے۔ اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

پانچ صدیوں سے ”دمشق“ امانتداران توحید کے قبضہ میں تھا۔ اور عیسائی بھی ایک طویل زمانہ سے اسے فتح کرنے کی تدبیر میں تھے۔ یروشلم سے جب نصرانی لشکر نکلا۔ تو سب سے آگے یروشلم کا تاجدار اپنے لشکر کے ساتھ تھا اس کے بعد تاجدار فرانس اپنے لشکر کے ساتھ تھا۔ اور اس کے پیچھے شہنشاہ جرمنی کو نارڈ سوٹم اور دیگر اُھرائے یورپ تھے۔ اس وقت ولایت ”دمشق“ پر ”عمر حکمران تھا۔

آب عمر کو زندگی کا خوف نہ تھا۔ کیونکہ وہ گوشہ لحد میں سوتا تھا۔ ادھر نصرانیوں سے جو اس کا قول و اقرار ہوا تھا اُس کی میعاد بھی گزر چکی تھی۔ اور آب ”عمر“ جیسے بہادر سپاہی کی مدد پر نجم الدین ایوب جیسا ہا تدبیر اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اور دمشق اور اس کے قرب و جوار کے

مسلمان صلیب پرستوں سے دست و گریباں ہونے کے لئے تڑپ رہے تھے۔
 (”دمشق“ اس وقت عروس البلاد تھا۔ شہر کے باہر انگور کے باغات بکثرت
 تھے۔ اور ان باغات کی حفاظت کے لئے مٹی کی ایک اونچی دیوار بنی ہوئی تھی۔
 انہی انگور کی بیلوں کے پیچھے مجاہدین اسلام دشمن کی تاک میں بیٹھے تھے چنانچہ
 جب اللہ میں یورپ اور ایشیا کے عیسائی مل کر حملہ آور ہوئے تو اس جگہ سے
 ان پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اور اس کے علاوہ ہر اونچی جگہ سے تیر برسنے
 لگے۔ کئی روز تک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر شیران سلام
 شہر سے نکلے اور ایک خوفناک حملے سے لشکرِ کفار کو دریایا کی جانب پسپا ہونے پر
 مجبور کر دیا۔ دریایا کی دوسری جانب ایک اور اسلامی لشکروں کا منتظر موجود تھا۔
 اس موقع پر دونوں طرف کے بہادروں نے تلوار کے خوب جوہر دکھائے اس
 اثنا میں عیسائی لشکر کا وہ حصہ جو ابھی منزل سے کچھ دور تھا آگیا۔ اور مسلمان
 اپنی جمعیت کی قلت کے باعث شہر میں لوٹ آئے عیسائیوں نے شہر کا
 محاصرہ اب بہت شدت سے شروع کیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں نے
 ان کا وہ قافیہ تنگ کیا کہ یورپ کے صلیبی بہادروں اور ایشیا کے عیسائی
 سپاہیوں میں بے لطفی پیدا ہو گئی۔ مجاہدین نے ہر روز کے حملوں سے تنگ
 آکر ان کو اس قدر پریشان کیا کہ بڑے بڑے نصرانی سردار بھی لگے اونچی بولنے پر
 آخر اللہ میں یہ حملہ آور محاصرہ اٹھا کر دمشق سے بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

ان واقعات سے پانچ سال بعد نجم الدین ایوب افواجِ دمشق کا سپہ سالار
 بنا دیا گیا۔ اور ادھر سلطان نور الدین نے اکی کماندار می نجم الدین کے چھوٹے بھائی
 ”اسعد الدین شیرکوه“ کو ملی۔

عیسائی تاجداروں نے اب اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ وہ چپکے سے گھروں میں بیٹھے رہیں۔ ان کا جھٹھا ٹوٹ چکا تھا۔ اور اکثر معاونین یورپ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔ ولایت موصل پر سیف الدین غازی ابن زنجیؒ بڑے تجمل و شان سے حکمران تھا۔ اور ہمارے عنبرؒ تاجدار دمشق گوشہ لحد میں آرام کرتا تھا۔ اور اب ”دمشق“ کا نظم و نسق ایوب کے ہاتھوں میں تھا۔ عنبر کا جانشین ایک کمزور طبیعت شہزادہ تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب کہ ہمارے زنجیؒ کی دیرینہ آرزو کہ ملک شام اس کے وارثوں کے زیر نگیں ہو پوری ہو سکتی تھی۔ نجم الدین ایوب جو اس سما اور اس کے خاندان کا نمک پروردہ تھا اسی جوڑ توڑ میں تھا کہ کسی طرح آٹھائے خمت کی اولاد سے حق خدمت ادا کرے۔ اور کسی طرح ولایت ”دمشق“ نورالدین زنجیؒ کو دلوادے۔

اپریل ۱۱۷۳ء میں ایک روز سلطان نورالدین زنجیؒ کی افواج قاہرہ اچانک اسعد الدین شیرکوہ کی سرکردگی میں دمشق کے سامنے آنی لگی۔ اسے ہمارے عنبرؒ کی موت کے بعد ایوب کے تابع فرمان تھے چھ روز تک ایوب اور شیرکوہ کے درمیان گفت و شنید ہوتی رہی۔ اور پھر ایک متنفس کا خون بہائے بغیر دمشق پر سلطان نورالدین زنجیؒ کا قبضہ ہو گیا۔

ابن اثیر لکھتا ہے کہ نجم الدین ایوب کی اس بے لوث خدمت سے سلطان نورالدین اس قدر خوش ہوا کہ اسے دربار میں بیٹھنے کی اجازت عطا کی گئی۔ سلطان کے علاوہ صرف ایوب ہی ایک ایسا شخص تھا جس کو یہ عزت حاصل ہوئی اور ساتھ ہی دمشق کی گورنری بھی عطا کر دی۔ اور اسعد الدین شیرکوہ کو تمام ولایت دمشق کا گورنر جنرل مقرر کر کے تمام خاندان کو شاہی نوازشوں سے مالا مال کر دیا۔

نور الدین زنگی کا دمشق پر قبضہ ہو جانے سے نصرانیوں اور مسلمانوں کے تعلقات اور بھی کشیدہ ہو گئے۔ یروشلم کا عیسائی تاجدار اور شام کا مسلمان فرمانروا ایک دوسرے کے زبردست حلیف بن گئے۔ ایک مدت سے ان دونوں فرمانرواؤں کا مصر پر دانت تھا اور دونوں خفیہ خفیہ ولایت مصر پر قبضہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

گذشتہ دو صدیوں سے مصر فاطمی خلافت کے زیر نگین تھا۔ اور فاطمی خلفاء کے عروج کے زمانے میں مصری افواج ”سلسلی“ ”سارڈینیا“ اور ”کارسیکا“ تک اپنی عظمت کا ڈنکا بجا چکی تھیں۔ اور مصری بحری بیڑہ بحیرہ روم کی حکمرانی کے لئے شام، اندلس کا مقابل تھا۔ مصری جنگی جہازات بحیرہ قسطنطنیہ اور بحر ہند پر ہلالی پرچم اڑاتے پھرتے تھے۔

مغربی افریقہ پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ حکومت کے رعب کا یہ حال تھا کہ مصری سوداگر، یورپ اور ایشیا میں جا کر تجارت کرتے تھے۔ مصر کے علاوہ شام اور عرب ان کے زیر اثر تھے۔ اور بغداد کی خلافت عباسیہ ”خم کھاتی تھی۔ آج تک قاہرہ کی مساجد کے در و دیوار اپنے حکمرانوں کی عظمت اور شان و شوکت کا پتہ دیتے ہیں۔

لیکن جب فاطمی حکومت پر زوال آیا۔ تو تمام ماتحت گورنر اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار بن بیٹھے۔ حکومت وزیروں اور مشیروں کے قبضہ میں تھی اور خلیفہ وقت ایک مذہبی پیشوا ہی تسلیم ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی اغیار کو سزا اٹھانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ سبکوئی ترکوں نے اگرچہ شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن خود سبکوئی حکومت میں خانہ جنگی ہونے کے باعث اتنی طاقت نہ تھی کہ ”وادی نیل“ پر حملہ آور ہو سکے۔

بارہویں صدی میں خلافت ہاشمی کو صرف "یروشلم" کے نصرانی تاجدار کا خوف تھا۔ اس وقت عیسائی نہ صرف شام کے ساحلی علاقوں پر قابض تھے۔ بلکہ اندرون ملک میں اور مقامات پر بھی بہت سے مستحکم قلعے ان کے قبضے میں تھے۔ سلطان نورالدین زنگی کے دمشق پر قابض ہو جانے سے خلافت مصر کو نصرانی لیٹیروں کا اتنا خوف نہ رہا جتنا ان کو اس مسلمان تاجدار کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو گیا۔ مصری وزیر بھی چالوں سے کام لیتے تھے۔ اور دونوں حلیف سلطنتوں کو گناہ گار کی کوشش میں مصروف تھے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُکساتے بھی رہتے تھے۔ آخر یہ خود غرض اور کورنمک مشیر اور مصری عہدہ دار خطرناک طور پر چوکڑی بھولے۔

مصر پر سلطان نورالدین زنگی کا حملہ

قدرت نے خود ہی ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ سلطان نورالدین زنگی کو مصر کی جانب توجہ مبذول کرنی پڑی۔

"ابوشجاع شاو" جس کا سلسلہ نسب آقائے دو جہان حضور رسالت مآب صلعم سے ملتا تھا۔ مصر کے ایک صوبہ کا گورنر تھا۔ یہ شخص بہت زیرک اور مستعد آدمی تھا۔ جب اس نے دربار خلافت میں باطنی دیکھی تو ۶۳۱ھ میں بزنور شمشیر مصر کا وزیر اعظم بن گیا۔ لیکن سات ماہ بعد ایک مصری سردار فرغام نامی نے جو ہنئے خلیفہ کے محلات کے دربانوں کا داروغہ تھا۔ اور پھر ترقی کرتے کرتے خلیفہ کے ہاڈی گارڈ کا اعلیٰ افسر ہو گیا تھا۔ شاو کو ایک دست بدست لڑائی کے بعد ملک سے بھگا دیا۔ یہ خلیفہ "عاضد الدین ابوالعلائی" کا زمانہ تھا۔ جو برائے نام خلیفہ متصور ہوتا تھا۔ شاو دمشق پہنچ کر الملک لعال

سلطان نور الدین زنگی کے حضور میں حاضر ہو کر طالب امداد ہوا۔ اور تمام اخراجات جنگ اپنی گزشتہ ادائیگیوں کا وعدہ کیا۔ اور ساتھ ہی کامیابی کی صورت میں مملکت مصر کی کل آمدنی کا $\frac{1}{4}$ حصہ بطور خراج ادا کرنے کا اقرار کیا۔

ادھر اسی اثناء میں فرغام اور ایملرک تاجدار بیت المقدس میں کسی معاملہ پر آن بن ہو گئی اور معاملہ نے اس قدر طویل کھینچا کہ ایملرک مصر کی تاخت و تاراج کے ارادے سے اپنے لشکر کے ساتھ فلسطین سے نکلا۔ لیکن اس موقع پر فرغام ایسی چال چلا کہ ایملرک اپنے ارادے سے باز آ کر فلسطین کی جانب لوٹ گیا۔ لیکن جب فرغام کو شاور کے دربار دمشق میں حاضر ہو کر طالب امداد ہونے کا پتہ لگا۔ تو وہ پھر بیت المقدس کے نصرانی تاجدار کو گائے بھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ایملرک فرغام کی مدد پر تیار ہو سکے۔ سلطان نور الدین نے ایک لشکر جہاز شیرکوہ کی زیر کمان شاور کی مدد کے لئے مصر روانہ کر دیا۔

اسعد الدین شیرکوہ نے اس ہم میں نوجوان صلاح الدین کو بھی ساتھ لے لیا اور اسے اپنا نائب سپہ سالار مقرر کر دیا۔ شہر بلبعین کے قرب وجوار میں دمشق لشکر اور مصریوں کی مدد بھیڑ ہو گئی۔ لیکن مصری و دمشق والوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر یہاں سے پسپا ہو کر قاہرہ کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ لیکن اس جگہ بھی ان کے پاؤں نہ جمے اور فرغام کا لشکر ادھر ادھر منتشر ہو گیا۔ فرغام شکست کھا کر قاہرہ میں داخل ہوا اور لوگوں کو طرح طرح کے لالچ و لاد لاکر مدد پر ابھارنے لگا۔ لیکن اب نہ میر پر تقدیر خندہ زن تھی۔ وہ اسی حالت میں شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ مشہد سیدہ نفیسہ

بنت ابو محمد حسن را آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔
 آپ اسحاق بن جعفر صادق کے ہمراہ مصر میں تشریف لائیں۔ بڑی نیک
 عابد اور برگزیدہ خاتون تھیں) کے قریب اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔
 رہو اور سوار دونوں گرے اور لوگوں نے فرغام کو اسی جگہ قتل کر دیا۔

صلاح الدین کا آغاز

ابن اثیر لکھتا ہے کہ جب مئی ۶۲۱ھ میں شادرو بارہ خلعت وزارت سے
 سرفراز ہوا تو اس نے برسرِ اقتدار ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کسی
 ترکیب سے اسعد الدین شیرکوہ اور صلاح الدین کو قاہرہ میں داخل نہ ہونے
 دیا۔ اور سب قول و اقرار بالائے طاق رکھ دیئے۔ شیرکوہ کو جب شاؤر کی
 دغا بازی کا علم ہوا تو اُس نے صلاح الدین کو ایک زبردست فوج کے ساتھ
 قاہرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ صلاح الدین نے مصریوں کو شکست دے کر
 شہر بمبیس پر قبضہ کر لیا۔

شاؤر نے بیت المقدس کے عیسائیوں کو مدد کے لئے بلایا۔ چنانچہ
 ایملرک نے وہ لشکر جو فرغام کی گوشمالی کے لئے تیار کیا تھا۔ شاؤر کی مدد
 کے لئے مصر روانہ کر دیا۔ ایملرک کی باقاعدہ فوج کے ساتھ ایک جم غفیر
 اُن صلیبی شمشیر زبوں کا بھی تھا جو مسلمانوں سے جنگ کرنا ثواب سمجھتے تھے۔
 اس وقت سلطان نور الدین زنگی فلسطین کی عیسائی سلطنتوں سے
 برسرِ پیکار تھا۔ ہر روز نصرانی سردار یا بچوالاں اس کے حضور میں حاضر ہوتے
 اور امان طلب کرتے۔ ان لوگوں سے زرقہ یہ لے کر آنا کر دیا جاتا۔ ادھر
 بیت المقدس کی عیسائی فوج اور صلاح الدین چند دنوں کے تفاوت سے

سہرزین مصر میں داخل ہوئے۔ مصری فوج اور عیسائی لشکر مجاہدین اسلام سے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ لیکن صلاح الدین کی بے پناہ تلوار نے ان کے پاؤں کسی جگہ بھی جمنے نہ دیئے اور آخر ایک خوفناک جنگ کے بعد لوہان کے مقام پر متحہ افواج کو صلاح الدین یوسف نے سخت شکست دی۔ اس شکست کے بعد طرفین میں صلح ہو گئی۔ اور دونوں لشکر اپنے اپنے ملکوں کی طرف واپس چلے گئے۔

گو فوجی نقطہ نگاہ سے سلطان نور الدین زنگی کو مصر کی حکومت نہ ملی۔ لیکن سیاسی پہلو سے بہت فائدہ ہوا۔ اسعد الدین شیرکوہ نے ہم سے واپس آکر سلطان سے عرض کیا کہ مصر بھیڑوں کے ایک گھ کے کی طرح ہے۔ اسے صرف ایک رکھوالے کی ضرورت ہے۔ مسیح بھیڑیے دندان آرتیزر کئے بیٹھے ہیں۔ اگر اس وقت مصر پر فوج کشی کی جائے تو کامیابی یقینی ہے۔ لیکن اس وقت سلطان کسی مصیبت سے خاموش ہو رہا۔ لیکن کچھ مدت بعد یہ دیکھ کر کہ عیسائی مصری امورات میں زیادہ دخل ہو رہے ہیں اور دربار خلافت سے من مانی ہائیں منواتے ہیں۔ تو سلطان بھی لشکر کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ساتھ ہی خلیفہ بغداد نے بھی سلطان نور الدین کا جوش اسلام دیکھ کر اسے بہت سے محائف بھیجے اور مصر پر فوج کشی کرنے کی ترغیب دلائی۔ سلطان نے ایک زیر دست لشکر اسعد الدین شیرکوہ اور صلاح الدین کی سرکردگی میں تسخیر مصر کے لئے روانہ کر دیا۔ ادھر شاہ نے ایتلرک سے مدد مانگی۔ اس موقع پر ایتلرک بذات خود ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ عازم مصر ہوا۔ ۶۶۱ھ میں شیرکوہ اور صلاح الدین دوسری بار وادی غزالان کے راستہ سے مصر کی طرف بڑھے۔ اور

یلغار کرتے ہوئے قاہرہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر دریائے نیل کے کنارے شہر عطفج پر جا ڈیرے ڈالے۔
اسلامی لشکر اس جگہ قیام کئے تھوڑے ہی روز ہوئے تھے کہ ایملرک عیسائیوں کے ایک بہت بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ دریائے نیل کے مشرقی کے کنارے پر نمودار ہوا۔ اور اب دونوں لشکر قاہرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

(مشہور عیسائی مؤرخ "ولیم آف ٹائر" لکھتا ہے کہ شاہ خلیفہ سے کہہ سکر اس کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ایملرک کے سفیروں کو باریابی عطا کرے۔ چنانچہ دو سفیر خلیفہ کے حضور میں باریاب ہونے کے لئے منتخب کئے گئے۔ ان میں سے ایک مشہور معروف فرقہ ٹمپلر عیسائی سرداروں کا ایک گروہ جس کو سلاطین یورپ نے فوجی خدمات کے لئے بہت جاگیریں عطا کی ہوئی تھیں) کا سردار "جیفری فلچر" تھا اور دوسرا ایک صوبہ کا گورنر ہتھ نامی ایک عیسائی بہادر تھا۔

(ان ہر دو سفیروں کی دربار خلافت میں جواؤ بھگت ہوئی اس کی "ولیم آف ٹائر" نے خوب کیفیت لکھی ہے۔ لیکن ابن اثیر اور علامہ ہبائ الدین نے سفیروں کی باریابی کا کہیں اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا)
عیسائی مؤرخ کے قول کے مطابق ان سفیروں کی وساطت سے خلیفہ اور ایملرک میں ایک سیاسی عہد نامہ ہو گیا۔

۱۸ اپریل ۱۲۱۷ء میں مسلمان اور عیسائی مصر پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے "ایوان" کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اس لڑائی میں شیرکوہ نے سب سے زیادہ دلاوری اور ذمہ داری کا کام

صلاح الدین کے سپرد کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ عین لڑائی کے وقت صلاح الدین عیسائیوں کے سامنے سے ایک ہنادی زک اٹھا کر میدان سے نکلے اور اس ترکیب سے دشمن کو تعاقب کی دعوت دے۔ اور جب عیسائی اپنی مرکزی جمعیت سے دور نکل آئیں تو پلٹ کر ان پر حملہ آور ہو۔ چنانچہ صلاح الدین ٹھیک اُس وقت جب کہ دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو رہے تھے۔ اپنی کمان کی فوج کو عیسائیوں کے سامنے سے ہٹا کر ایک ہزیمت یافتہ کی حیثیت سے میدان سے نکلا۔ صلیبی بہادر مسلمانوں کو پسپا ہوتا ہوا دیکھ کر اور بھی جوش سے دباتے ہوئے میدان سے کچھ دور نکل آئے۔ لیکن صلاح الدین نے اچانک پلٹ کر ایک ایسا سخت حملہ کیا کہ عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دوسری جانب سے اسعد الدین شیرکوہ نے متواتر حملوں سے ان کا بھرس نکال دیا۔ اور اب تمام عیسائی لشکر دونوں جانب سے مسلمانوں کے رخ میں پھنس گیا۔ اور پریشان ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ بشمار عیسائی اسیر ہوئے۔ اسیروں میں علاوہ نامی گرامی صلیبی بہادروں کے ”ہف“ بھی تھا۔ اس جنگ میں بے شمار سامان حرب فتح مندوں کے ہاتھ لگا۔

شیرکوہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر طوفانِ برق و باد کی طرح گرجتا ہوا سکندریہ کی طرف بڑھا اور بلا مزاحمت شہر پر قابض ہو گیا اور صلاح الدین کو سکندریہ کے نظم و نسق پر مقرر کر کے خود لشکر لے کر عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

(مصری اور عیسائی افواج جن کا اصلی مرکز قاہرہ تھا سکندریہ کو چھڑانے کے لئے ایک دوسرے کے دوش بدوش سکندریہ پر حملہ آور

ہوئیں اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دو ماہ تک اتحادی سکندریہ کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن صلاح الدین جیسے صاحب تدبیر اور بہادر سپاہی کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اسعد الدین شیرکوہ کو جب سکندریہ کے محاصرہ کا علم ہوا تو وہ لشکر کے ساتھ دہر لوٹا۔ لیکن شیرکوہ کا نام سننے ہی صلیبی بہادر موش کو ہی کی طرح بلوں میں جا گھسے۔ آخر ایملرک نے صلح کا پیغام بھیجا اور کچھ گفت و شنید کے بعد ان شرائط پر صلح ہو گئی:-

اول۔ مصری سچاس ہزار دینار سالانہ سکندریہ کے عوض سلطان نور الدین زنگی کو ادا کیا کریں گے۔ ایملرک اس کی ادائیگی کا ذمہ ا رہوگا۔ دوم۔ جس قدر مال غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں ہے وہ واپس نہ کیا جائے گا۔

سوم۔ شیرکوہ اسکندریہ خالی کر کے مصریوں کے حوالے کر دیگا۔ عیسائیوں اور مصریوں کے درمیان جو عہد نامہ ہوا اُس کی رُو سے یہ قرار پایا کہ شہر کی حفاظت کے لئے عیسائی فوج شہر بیاہ پر تعینات رہا کرے اور شہر میں جو عیسائی آباد ہیں اُن کے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک عیسائی مجسٹریٹ مقرر کیا جائے۔ ان شرائط کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے مقبوضات کو لوٹ گئے۔

شاہ اور کی ناعاقبت اندیشی سے جو عیسائی سردار مصر میں رہ گئے تھے۔ وہ اپنی جبلت شرارتوں پر پھرا تر آئے۔ اور بیت المقدس میں شاہ ایملرک کے پاس اس غرض سے قاصد بھیجنے لگے کہ وہ مصر پر حملہ آور ہو۔ ایک

عدت تک ایمل کہ ان لوگوں کو یہ لکھ ڈالتا رہا کہ مسلمانوں سے باغی
 کرنا اچھا نہیں۔ لیکن آخر وہ ان کے فریب میں آ ہی گیا اور ایک بڑا زبردست
 لشکر تیار کر کے مصر کی جانب روانہ ہوا۔ چنانچہ ۳ نومبر ۱۹۴۸ء میں
 بلبیس پر عیسائی قابض ہو گئے۔ اور مسلمان آبادی کو بے دریغ قتل کر ڈالا۔
 آپ قاہرہ کے مسلمان گھبراتے۔ اور بڑی مستعدی سے حفاظت کی تیاریاں
 کرنے لگے۔

اس کے علاوہ خلیفہ مصر عاصد الدین اللہؒ نے اپنا دستخطی خط دمشق میں
 سلطان نور الدین زنگی کے پاس بھیجا۔ اور لکھا کہ نصرانی روز بروز
 ملک مصر پر دندان حرص و آرتیز کر رہے ہیں اور کلمہ طیبہ پیٹھنے والوں کو
 جہاں موقع پاتے ہیں بے دریغ قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے
 مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور اگر آپ نے مصر کو
 ان لوگوں کی دستبرد سے بچالیا تو آپ کو مملکت مصر کی کل آمدنی کا ایک
 ثلث بطور عوض خدمت سالانہ دیا جائیگا۔ اور آپ کا مشیر خاص
 ”اسعد الدین شیر کوہ“ مصری افواج کا اعلیٰ کمانڈر مقرر کر دیا جائیگا۔
 شاور نے اس خوف سے کہ کہیں نصرانی لشکر قاہرہ کی طرف کوچ
 نہ کر دے مصر کا ایک مشہور شہر فسطاطہ جو قاہرہ کے قرب جوا میں تھا
 جلا دیا۔ فسطاطہ کے جلنے سے پیشتر ہی شاور نے اشارے سے یہاں کے
 تجارت پیشہ لوگ اور شاہرہ آبادی کا اکثر حصہ قاہرہ آ گیا تھا۔
 فسطاطہ جو تین صدیوں تک مصر کا دار الحکومت رہ چکا تھا۔ اور بڑا
 بارونق شہر تھا برابر نپتالیس روز تک جلتا رہا۔ آج تک اس عظیم آتش
 شہر کے کھنڈرات قاہرہ کے مشرق میں ریت میں دبے ہوئے ملتے ہیں۔

ایملرک بادشاہ یروشلم بلبیس سے قاہرہ کے محاصرہ کے لئے نکلا۔ لیکن جلتے ہوئے فسطاط کے شعلوں اور دھوئیں کے سامنے اس کے لشکر کی زیادہ عرصہ تک نہ ٹھہر سکے۔ ادھر شاہ نے نصرانیوں سے پھر نامہ و پیام کا سلسلہ جاری کر دیا۔

ادھر سلطان نورالدین زنگی "دربار خلافت کے ایما کیے مطابق ایک زبردست لشکر تیار کرنے لگا۔ سلطان کا ارادہ تھا کہ بہ نفس نفیس اس لشکر کی کمان کرے۔ لیکن اپنے ملک میں بد امنی کے خوف سے وہ خود تو شریک نہ ہو سکا۔ لیکن اپنی خاص فوج میں سے دو ہزار جہاز سوار اور ساٹھ ہزار سوار ماتر کمان اپنی باقاعدہ فوج میں سے منتخب کر کے شیرکوہ کی ماتحتی میں ہر صحر کی طرف روانہ کر دیئے۔

اس کے علاوہ بڑے نامی گرامی سردار مثل "عزالدین جردیک" "عزالدین قیج" "شرف الدین برغش" "عین الدین باروقی" "قطب الدین بن حسان" وغیرہ ہم کو جو دلاوری اور بہادری میں رستم و اسفندیار کی داستانوں کو زندہ کرتے تھے اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کمک کے طور پر ساتھ روانہ کیا۔ اور نوجوان شیر اسلام صلاح الدین ایوب کو اس تمام ہم کمانا تب افسر مقرر کر کے ساتھ بھیجا۔ لشکر کی روانگی کے وقت سلطان نورالدین زنگی نے اپنے ماتھے سے سپاہیوں کو بیس بیس دینا بطور انعام عطا کئے اور اسعد الدین شیرکوہ کو دو لاکھ دینار اخراجات کے لئے دیئے۔ اور اپنے درباریوں کے ہمراہ "باب دمشق" تک مجاہدین کو الوداع کہنے پیادہ چل کر آیا۔

آخر، ۶۸ دسمبر ۱۶۸۵ء کو مجاہدین اسلام تیسری بار مصر کو دشمنان اسلام سے بچانے کے لئے دمشق سے نکلے۔ نصرانی تاجدار کو شیر کوہ کی جمعیت کا پتہ مل چکا تھا۔ چنانچہ وہ چیدہ چیدہ سردار ساتھ لے کر اس کا راستہ روکنے کے لئے نکلا۔ لیکن شیر کوہ جو اپنے زمانے کا ایک نہایت تجربہ کار جرنیل تھا اس جگہ سے جہاں نصرانی لشکر اس کا راستہ روکے پڑا تھا صاف بچ کر آگے نکل آیا۔ اور بلا مزاحمت قاہرہ میں جاد داخل ہوا۔

اہل مصر نے اپنے نجات دہندہ کا نہایت جوش و خروش سے استقبال کیا۔ جب ایلیا رب کو لشکر اسلام کے قاہرہ میں داخل ہونے کا علم ہوا تو وہ جھٹ ڈیرے نیچے اُکھیر کر بروشلیم کی طرف بھاگ گیا۔ اور نصرانی بلذرائوں کو اتنی بھی مجرات نہ ہوئی کہ ایک بار اہی مسلمانوں کے سامنے صف بندی کر سکیں۔

خلیفہ کے دربار میں اسعد الدین شیر کوہ کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ شیر کوہ کی عزت افزائی دیکھ کر شاہ آتش حسد سے جلنے لگا۔ اور خفنیہ اپنے محسنوں کے استیصال کے درپے ہوا۔ لیکن اس کی سازش کی صلاح الدین اور دیگر امراء نے دمشق کو وقت پر خبر مل گئی۔ چنانچہ ایک روز جب شاہ اور امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت کو جا رہا تھا۔ صلاح الدین کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور خلیفہ غاضد الدینؒ کے حکم سے اسے قتل کر کے اس کا سر باب خلافت کے سامنے لٹکوا دیا گیا۔

خلیفہ نے شیر کوہ کو خلعت فاخرہ عطا کیا اور الملک المنصور امیر الجیوش کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ اور مملکت مصر کا قلمدان وزارت اس کے حوالے کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸ جنوری ۱۶۸۹ء کا ہے۔ شیر کوہ نے اپنے لشکریوں کو

مصری خزانہ سے بہت کچھ دیا۔

ابھی یہ جشن ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ ۲۳ اپریل ۱۱۶۹ء کو اسعد الدین شیرکوہ جو بہت بوڑھا ہو گیا تھا چند روز غلیل رہ کر عالم جاودا فی کو رخصت ہوا اس کے سپاہیوں اور دوستوں کو اس کی موت کا سخت قسقل ہوا۔ شیرکوہ درمیانہ قد کا تھا۔ سینہ اور پیشانی بہت کشادہ تھے۔ بڑا دلاور اور جری سپاہی تھا۔ کچھ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ گو بہت فیاض تھا لیکن طبیعت میں سخت گیری بھی تھی۔ اسعد الدین شیرکوہ کی موت نے صلاح الدین ایوب کے لئے میدان صاف کر دیا۔

الملک الناصر صلاح الدین ایوب

اور وزارت مصر

یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ ایک ایسا شخص جو ایک مدت سے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر آیام زندگی کاٹنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور تحصیل علم اپنا مقصد حیات بنائے بیٹھا تھا۔ جب اپنی طبیعت اور ارادے کے برعکس میدان کارزار میں کھینچ لایا گیا۔ تو اس نے شجاعت اور دلاوری کے وہ کارنامے دکھائے کہ دنیا عیش عیش کراؤشی۔ اور یار و اغیار دونوں کی زبان سے صدائے حسرت بلند ہونے لگی۔

مجاہدین اسلام کو یہ ناز تھا کہ یہ نوجوان فدائے اسلام فتح و نصرت کا پیغامبر ہے۔ اور نصرائیوں کو یہ خوف دامنگیر ہو رہا تھا کہ دیکھیں یہ شیر اسلام

آب آبائی گھروں میں بھی چین سے بیٹھنے دیتا ہے یا نہیں۔

مصر کی فتح کے بعد صلاح الدین پھر ایک بار گوشہ تنہائی کا خیال کرنے لگا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس کے چچا اسعد الدین شیرکوہ کی وفات کے بعد آب فوج کی سپہ سالاری کسی تجربہ کار بوڑھے سردار کو ملے گی۔ اور وہ فوج سے علیحدہ ہو کر دمشق میں جا کر پھر تحصیل علم کی طرف متوجہ ہو سکتا۔ لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چنانچہ شیرکوہ کی وفات کے تیسرے روز ہی خلیفہ نے وزارت مصر کا فیصلہ کرنے کے لئے مصری اور شامی اراکین سلطنت کو طلب کیا۔ ان سرداروں میں سے عین الدولہ بارتقی "قطب الدین نیال" "سیف الدین مشطوب" اور ایسے ہی چند ایک اور نامی گرامی امر و زارت عارضیہ اور عساکر نوریہ کی سپہ سالاری کے دعویدار تھے۔ صلاح الدین اس مجلس مشاورت میں موجود نہ تھا۔ لیکن خلیفہ کی نگاہ انتخاب نے اسی نوجوان کو اس جلیل القدر منصب کے لئے منتخب کیا۔ اور اپنا خاص خادم بھیج کر صلاح الدین کو قصر خلافت میں طلب فرما کر "الملک الناصر" کا خطاب عطا فرمایا۔ اور خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا۔ یہ خلعت برکن کے عجائب خانہ میں ابھی تک محفوظ ہے۔ شیرکوہ کی وفات کے تیسرے روز ۲۶ مارچ ۱۱۶۹ء کو صلاح الدین یونی نے مملکت مصر کی وزارت سنبھالی۔

ادھر اس کے محسن "سلطان نور الدین زنگی" نے فوجی خدمات کے عوض صلاح الدین کو جس کی عمر اس وقت صرف بتیس سال کی تھی عساکر اسلام کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اس انتخاب سے چند ایک نامی گرامی سرداروں کی دل شکنی تو ضرور ہوئی۔ لیکن کسی قسم کی بے لطفی نہ پیدا ہو سکی جس کی سبب

بڑی وجہ یہ تھی کہ سپاہِ دل و جان سے اس انتخاب پر خوش تھی۔ دوسرے خلیفہ مصر اور سلطان دمشق اس کی پشت پر تھے۔ اس لئے کسی قسم کا فتنہ برپا نہ ہو سکا۔

اس جلیل القدر عہدہ پر فائز ہوتے ہی صلاح الدین ملک کے نظم و نسق کی طرف متوجہ ہوا۔ فوج کی تنظیم شروع کر دی اور اپنے دل سے عہدہ کر لیا کہ وہ دشمنانِ اسلام سے سرزمینِ فلسطین کو ضرور پاک کر دیگا۔ مصر میں جمعہ کی نماز کے وقت خلیفہ مصر اور سلطان دمشق دونوں کا نام خطبہ میں لیا جاتا تھا۔ لیکن صلاح الدین کی تمنا تھی کہ صرف سلطان نور الدین زنگی کا ہی نام خطبہ میں لیا جائے۔ یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔ اس وقت دو تاجداروں کی اس پر نگاہ تھی۔ خلیفہ مصر نے گوا سے قلمدان وزارت عطا فرمایا تھا۔ لیکن چونکہ صلاح الدین حکومت دمشق کا نمک خوار تھا۔ اس لئے اس کے احکام کی پوشیدہ طور پر نگرانی بھی کی جاتی تھی۔ ادھر تاجدار دمشق کو بھی یہ خیال تھا کہ صلاح الدین کو غصا کر اسلام کا سپہ سالار ہے۔ لیکن چونکہ وہ حکومت مصر کی سداک ملازمت میں منسلک ہے۔ اس لئے زنگی بھی محتاط رہتا تھا۔ دربار دمشق سے جو احکام وقتاً فوقتاً صلاح الدین کو بھیجے جاتے تھے ان میں صلاح الدین کے نام کے ساتھ دو تین اور معزز سرداروں کے نام بھی تحریر ہوتے تھے۔ اس طریق سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ زنگی جب بھی چاہے صلاح الدین کو معزول کر کے کسی اور سردار کو اس کی جگہ پر مقرر کر سکتا ہے۔

صلاح الدین ان باتوں کو خوب سمجھتا تھا۔ اور نہایت ہوشیار رہی سے اپنے اقتدار کو فرغ دے رہا تھا۔ اس کا طریق عمل ایسا دانشمندانہ تھا

کہ نہ تو خلیفہ عاصد الدین اللہؒ اور نہ ہی سلطان نور الدین زنگیؒ کو کچھ شبہ پیدا ہو سکتا تھا۔

وزارت مصر پر فائز ہوتے ہی صلاح الدین نے دمشق سے اپنے خاندان کے تمام افراد کو اپنے پاس مصر بلوایا۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ جب اس کا باپ ”نجم الدین ایوب“ مصر پہنچا تو صلاح الدین نے نہایت ادب سے وزارت کا عہدہ اسے پیش کیا۔ لیکن ایوب نے یہ بارگراں اٹھانا پسند نہ کیا۔ اور صرف وزیر مالیات کا عہدہ قبول کر لیا۔ اور اس خدمت کو ”نجم الدین ایوب“ نے نہایت احسن طریق پر سرانجام دیا۔ اسی طرح اپنے دوسرے بھائیوں سے بھی صلاح الدین کو ملک مصر کے نظم و نسق میں بہت مفید و قابل قدر امداد ملی۔

ان خدمات کے صلہ میں صلاح الدین نے اُن سرکش اُمراء مصر کی جاگیریں جو کھلے بندوں اس کی مخالفت کرتے تھے اور ملک میں فتنہ فساد کی آگ بھڑکانے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے۔ اور اب اپنے جرائم کی پاداش میں ایسے علاقوں میں جلا وطن کر دیئے گئے تھے جہاں سے ان کے شر سے وہ محفوظ رہ سکتا تھا، اپنے عزیز و اقارب کو عطا کر دیں۔

صلاح الدین افریقہ و ایشیا کے مسلمانوں کو متحرک کرنے کے لئے خلیفہ کے اقتدار کو کم کرنے میں لگا ہوا تھا۔ ساتھ ہی علوم و فنون سے بڑے تملطف اور فیاضی سے پیش آتا۔ اور یہ لوگ دن بدن اس کے حلقہٴ مجوش ہو رہے تھے۔ اب خلیفہ کی بھی آنکھ کھل چکی تھی۔ اور اسے اپنی خیر اسی میں نظر آتی تھی کہ کسی طرح وہ صلاح الدین کو مصر سے نکال دے۔ دربار خلافت میں بہت سے اُمراء ایک ایسے بھڑوں کے چھتہ کی طرح تھے جو

ہر وقت صلاح الدین کو کاٹ کھانے کی فکر میں لگے رہتے تھے صلاح الدین بھی ان کی جانب سے بے فکر نہ تھا۔ اس کے جاسوس ان لوگوں کی حرکات کی ہر وقت نگرانی کرتے رہتے تھے۔ ایک روز وہ دارالوزارت میں بیٹھا تھا کہ اس کے خدام خلیفہ کے غلاموں کے داروغہ "مومن" کو کپڑا لائے۔ اس پر یہ الزام تھا کہ وہ چند ایک کورباہن مصری سرداروں کے ایمان سے نصرانیوں کے پاس اس مضمون ملاحظہ کیجئے کی فکر میں تھا کہ وہ (نصرانی) اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مصر پر حملہ کریں اور جب صلاح الدین ان کے مقابلہ کیلئے قاہرہ سے نکلے گا تو مصری امرا عقب سے اسے آدبا میں گے۔ اس طریق سے ترکمانی سپاہ دونوں جانب سے نرغہ میں پھنسا کر تباہ ہو جائیگی۔ جب تحقیقات سے اس سازش کی تصدیق ہو گئی اور مومن کے قبضہ سے خط بھی مل گیا تو اہل دربار حیران ہو گئے۔ صلاح الدین نے یہ خط خود پڑھ کر لوگوں کو سنایا۔ اور اسی وقت کا تباہ اور قاصد کو قتل کروادیا اور مومن کو قصر خلافت میں نظر بند کر دیا۔ چند روز بعد مومن مصر سے نکل بھاگنے کے ارادے سے محل سے نکلا لیکن ترکمانی سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد سوڈان کے رہنے والے سپاہی جو خلیفہ کی ملازمت میں تھے مومن (جو ان کا ہم وطن تھا) کے خون کا انتقام لینے کیلئے بھڑک اُٹھے۔ اس وقت قاہرہ میں ان لوگوں کی کم و بیش پچاس ہزار کی جمعیت تھی۔ ان لوگوں کو قصر خلافت اور دارالوزارت کے پاس ترکمانوں پر حملہ کر دیا۔ بہت دیر تک دست بدست لڑائی ہوتی رہی اور کوچہ و

بازار میں غون کی ندیاں بہنے لگیں۔ سوڈانی سپاہی شہر کے جس حصے میں رہتے تھے اُس کو منصورہ کہتے تھے صلاح الدین نے شہر کے اس حصہ کو آگ لگا دی۔ سوڈانی گھبرا کر گھروں کو بچانے کے لئے دوڑے۔ ترکمانوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اس جوش سے حملہ کیا کہ کشتوں کے پٹے لگ گئے۔ سوڈانی ہراساں اور خوفزدہ ہو کر امان طلب کرنے لگے صلاح الدین کے حکم سے ان سرکشوں کو امان دیدی گئی۔ لیکن بغاوت کے جرم کی پاداش میں واوی نیل کی جانب جلاوطن کر دیئے گئے۔

کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے پھر فتنہ برپا کر دیا۔ اس موقع پر صلاح الدین کا بڑا بھائی ”الملك المعظم شمس الدولہ توران شاہ“ جو بڑا صاحب تدبیر اور صالح مرد تھا زنگی کے اسے دمشق سے صلاح الدین کے پاس صلاح و مشورہ دینے کے لئے بھیج دیا تھا اور ملک کے نظم و نسق میں صلاح الدین کو اس سے بہت مدد ملتی تھی) ایک جرّار لشکر لے کر باغیوں کے سر پر جا پہنچا اور ان کو مارتا ہوا صحرائے نوبیا تک بھگا دیا۔ ان سرکش سوڈانیوں نے شہر میں پھر ایک بار علم بغاوت بلند کیا لیکن اس موقع پر صلاح الدین کے ایک دوسرے بھائی ”سیف الدین عادل“ نے ایک خوفناک جنگ میں ان کے سردار کو قتل کر دیا۔ سوڈانی سردار کے مارے جاتے ہی بھاگ گئے۔ لیکن انہوں نے شہر میں پھر ستر اٹھایا اور ”سیف الدین عادل“ پھر سرکچنے کے لئے پہنچ گیا۔ اس مرتبہ ان لوگوں کو اس قدر مار پیڑی کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے سو گیا۔

بقول ابن اثیر و علامہ ہبّاء الدین سوڈانی لشکر کی بغاوتوں سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی پشت پر اُمراء مصر تھے

قاہرہ میں خلافت فاطمی کو جوں جوں ضعیف آتا گیا اس قسم کی بغاوتیں بھی کم ہوتی چلی گئیں۔

(سودان کی بغاوتوں سے ابھی دم لینا بھی نصیب نہ ہوا تھا کہ صلاح الدین کو ایک اور خطرہ کا مدارک کرنا پڑا۔

صلیبی بہادر مصر کے معاملات کو نہایت غور سے مطالعہ کر رہے تھے "وادی نیل" پر پرچم ہلالی کے مستحکم طور پر اڑنے سے یروشلم کی حکومت ایک محضہ میں پھنس گئی تھی۔ اب دو انوں جانب سے اسلامی لشکر اسے گھیرے ہوئے تھا۔ اور یہ دونوں لشکر ایک ہی تاجدار اسلام کے تابع فرمان تھے۔ سکندریہ اور دمیاٹ (تونس اور مصر کے مابین بحر روم اور دریائے نیل کے زاویہ پر واقع تھا) کے بندرگاہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ اور سینہ آب پر اسلامی بیڑا پرچم ہلالی اڑاتا پھرتا تھا۔ ان جہانوں کی موجودگی سے یورپ سے مشرکین مشرق کے لئے کسی قسم کی امداد کا آنا آسان نہ تھا۔ صلیبی بہادر آتے دن انہی ٹھہروں میں اٹکے ہوئے تھے کہ کسی طرح اس مشکل کا سدباب کریں۔ اور فلسطین کو شیران اسلام کی دستبرد سے بچائیں۔

اس غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے نصرانی چپکے چپکے بڑی بڑی تیاریاں کر رہے تھے۔ لیکن مجاہد اسلام صلاح الدین بھی ان کے منصوبوں سے بے فکر نہ تھا۔ مصر کے کورباہن امرا جن کو صلاح الدین کا عروج ایک آنکھ نہ بھانتا تھا نصرانیوں کو مدینے کا وعدہ کر چکے تھے۔ آخر ایک روز صقلیہ اور آندلس کے بادشاہ نے ایملاک شاہ یروشلم کے ساتھ مل کر دو سو بیس جہانوں کا ایک بیڑا تیار کیا اور

صلیبی بہادروں کی ایک بڑی جمعیت ساتھ لیکر دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ صلاح الدین نے اپنا خاص قاصد بھیج کر ان واقعات کی سلطان نور الدین زنگی کو اطلاع کر دی۔ زنگی نے اُسی وقت ایک بہت جرار لشکر صلاح الدین کی کمک کے لئے مصر روانہ کر دیا۔ اور خود مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر دمشق سے نکل کر فلسطین کے عیساٰیوں پر برس پڑا۔

گو مصر کے بہت سے بڑے بڑے امراء دولت صلاح الدین کے برخلاف تھے۔ لیکن خلیفہ نے دُور اندیشی سے کام لیکر اپنی پوری طاقت سے صلاح الدین کی مدد کی۔

صلاح الدین نے جو مخالفین کی چالوں کو خوب سمجھتا تھا پہلے ہی دمیاط کو ہر طرح مستحکم و مضبوط کر لیا تھا۔ چنانچہ جب حملہ آور سامنے آئے تو دمیاط کی فوج نے نہایت دلاوری سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور ایملک کے سپاہیوں کو شہر کے پاس نہ بھٹکنے دیا۔

مستر آچر اپنی کتاب "کروسیڈ اور پچر ڈک" کے صفحہ ۸۸ پر رقمطراز ہے۔ "نصرانی لشکر میں آگ کی بارش کرنے والی بہت سی مشینیں تھیں۔ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے ان کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ اور انہیں دشمن کے تیروں اور آگ سے بچانے کا بھی پورا پورا انتظام تھا۔ لیکن باوجود ان تمام ساز و سامان کے مجاہدین کے سامنے عیساٰیوں کی کچھ پیش نہ گئی جس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ لاطینی بیڑا وقت پر نہ پہنچ سکا۔ یہ تو اس واقعے کے متعلق ایک نصیبی توضیح کا بیان ہے۔ اسلامی توضیح لکھتا ہے کہ یرושلم کا بادشاہ ایملک شہر پر آگ کی بارش کرنے کے واسطے

جو آتشیں شینیں ساتھ لایا تھا، ان میں سے بعض سات سات منزل
بلند تھیں۔ چند روز بعد شیر اسلام صلاح الدین خود ایک لشکر ساتھ لیکر
مُصورین کی ٹمک کو آپہنچا۔ صلاح الدین کا نام سننے ہی نصراہوں
کے جی چھوٹ گئے۔ اب ان کے خورد و نوش اور سامان حرب کے ذخائر
بھی کم ہونے لگے تھے۔ اور فوج میں وبا بھی پھوٹ پڑی۔ ساتھ ہی
مجاہدین اسلام کے بے پناہ حملوں نے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ آخر
پچاس روز کے محاصرے کے بعد امیرک نے صلح کے واسطے سلسلہ جنبانی
شروع کی۔ اسی اثنا میں ایک خوفناک طوفان برق و باد نے نصراہی
بیڑے کو تباہ کر دیا۔ ساحل پر نصراہیوں کے مردوں کے انبار لگ گئے۔
صلاح الدین نے عالی نظری کو کام فرماتے ہوئے کمزور اور ناتوان
دُشمن سے صلح کر لی۔ صلح کے بعد عالی ظرف اور فیاض مسلمانوں نے
فاقہ کش اور تھکے مارے عیسائیوں کی ہر طرح خاطر و مدارات کی۔
سکندریہ کے بازاروں میں دشمنان اسلام بھیڑوں کے گھلے کی طرح
پھرتے تھے۔ اور مسلمان ان کو کھانا کھلاتے اور ضروری امداد دیتے۔
پھر جنگ و جدل اور داغ و دامت کو دھونے کی تیاریاں کرنے لگے۔
اس وقت مجاہد اسلام صلاح الدین خود محض "اعلاء کلمۃ اللہ" کے لئے
ایک جرار لشکر کے رخصت سے نکلا۔ اسی سال ملک شام میں ایک خوفناک
بھونچال آیا جس سے سینکڑوں بستیاں اور کئی عظیم الشان شہر برباد ہو گئے۔
مسلمانوں کے لئے یہ شگون نیک تھا۔ صلاح الدین کو چ کر تا ہوا سب سے پہلے
شام کے ایک مشہور شہر عسقلان پر جو نصراہیوں کے زیرِ نگیں تھا

حملہ آور ہوا۔ اس معرکہ میں ایملرک بڑے ٹھاٹھ سے صلیبی بہادروں کو ساتھ لے کر میدان میں آیا۔ اس وقت اس کے ساتھ دو سو پچاس تو وہ بڑے نامی گرامی صلیبی بہادر تھے جن کو "ٹائٹ ٹیپلر" (ایک فرقہ کا نام) کہتے تھے۔ ان دو سو پچاس بہادروں کے ذاتی سپاہیوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ نصرانی لشکر اس کے علاوہ تھا۔

مجاہدین اسلام اور صلیبی بہادروں نے جو مدت سے بھرے بیٹھے تھے تلوار کے خوب جوہر دکھلائے۔ "ٹائٹ ٹیپلروں" نے اپنی ذاتی بہادری کو بچ کر دکھایا اور کئی بار مسلمانوں کا منہ پھیر پھیر دیا۔ جنگ نہایت خوفناک طور پر ہو رہی تھی کہ لیلانے شب نے اپنی سیاہ نقاب دونوں لشکروں پر ڈال دی۔ صلاح الدین نے شب کی تاریکی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ وہ چپکے سے اپنا لشکر لے کر عسقلان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ لیکن کسی مصلحت سے شہر پر حملہ نہ کیا۔ اور نصرانی لشکر کے قرب جو اس سے گزر کر مصر کی طرف واپس چلا گیا۔

"صلاح الدین" کی واپسی کو نصرانیوں نے اپنی شاندار فتح سے تعبیر کیا۔ قاہرہ واپس پہنچ کر صلاح الدین نے جہاز بنوانے شروع کئے۔ جہازوں کے مختلف ٹکڑے اونٹوں پر لاوا لاکر بحیرہ قلزم کے ساحل پر پہنچائے جاتے اور یہاں ان کو جوڑ کر سمندر میں ڈالا جاتا۔ جب یہ اسلامی بیڑا اس قدر محنت اور زحمت سے بن کر تیار ہو گیا تو صلاح الدین شہر ایلہ پر جو بحیرہ قلزم پر واقع ہے حملہ آور ہوا۔ اور خشکی اور تری دونوں جانب سے ایلہ کو جو ایک مدت سے عیسائیوں کا چھتہ بنا ہوا تھا محاصرہ کر لیا۔ ایلہ کے شہر کیسے جلد ہمت ہار دی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ صلاح الدین نے شہر پر

قبضہ کر کے اہل شہر کو امان دی۔ اور پھر مصر کی طرف واپس چلا گیا۔
 صلاح الدین کے ایک پکا شافعی المذہب ہونے کے باوجود بھی
 شیعیان مصر اس کا جوش اسلامی دیکھ کر بہت قار و منزلت کرنے لگے۔
 اور نجادین اسلام تو اس کے اشارے پر مرنے مارنے کو آمادہ ہو جاتے۔
 یہ وہ وقت تھا کہ اگر اس وقت یہ شیر اسلام چاہتا تو کھلے بندوں خلیفہ
 مصر اور سلطان دمشق سے باغی ہو بیٹھتا۔ لیکن وہ تو صرف خادم اسلام کا
 سودا رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی صورت بھی مسلمانوں کو متحد کرے۔
 ”مومن“ کے قتل کے بعد قصر خلافت کی حفاظت کا تمام انتظام
 صلاح الدین نے اپنے ایک جاں نثار ”بہاؤ الدین قراقوش اسدی“ کے
 سپرد کر دیا۔ بہاؤ الدین قراقوش پہلے شیر کوہ کا ملازم تھا اس کی موت کے بعد
 وہ صلاح الدین کا حلقہ بگوش ہو گیا اور اپنی حرمت کے صلہ میں کئی بار
 اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوا۔

فتح ایلم کے بعد صلاح الدین نے ”دار المعونۃ“ کو جو دراصل زنداں تھا
 ہمسار کروا کر اس کی جگہ ایک مدرسہ تعمیر کروا دیا اور اہل التشیع کے معلموں کو
 ہر طرف کر کے شافعی المذہب معلم مقرر کر دیئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ تمام
 بلاد مصر میں ”قضاۃ شافعیہ“ مقرر کر دیئے گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد
 جمعہ کی نماز کے قبل قاہرہ میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔
 یہ عظیم الشان سیاسی تغیرات دیکھ کر شیعیان مصر حیران ہو گئے۔ لیکن اب
 اتنی جرأت بھی نہ تھی کہ صلے احتجاج بلند کر سکیں۔

اس بے نظیر خدمت کے صلہ میں خلیفہ بغداد نے ”سلطان نور الدین زنگی“
 اور صلاح الدین کو خلعت اور پیش قیمت تحائف عطا کئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خلافت فاطمی کا آخری خلیفہ ان خیالات سے بالکل بے خبر بستر مرگ پر پڑا تھا۔ چند روز کے بعد جب وہ نقاب خاک میں روپوش ہوا تو اب ملک مصر کی تمام حکومت صرف الملک الناصر صلاح الدین ایوب کے ہاتھ میں تھی۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ سرکشی یا بغاوت کر سکے۔

مصر پر خلفاء فاطمی تین صدیوں تک حکمران رہے۔ اس وقت بھی خلیفہ کے بیٹے تخت خلافت کے حق دار تو تھے۔ لیکن ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ صلاح الدین کی موجودگی میں دعویدار ہو سکیں۔ خلیفہ کی موت کے بعد صلاح الدین نے اس کی اولاد کے ساتھ ان کے مرتبہ کے مطابق نہایت شریفانہ اور فیاضانہ برتاؤ کیا۔ کہنے کو تو وہ اب بھی صرف ممالک محرمہ مصر کا وزیر تھا۔ لیکن دراصل سلطان بھی وہی تھا۔

مصر

خلافت مصر کا آخری چراغ گل ہو جانے کے بعد ممکن تھا کہ صلاح الدین اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتا لیکن نجم الدین ایوب کے نیک مشورے سے وہ اس قسم کی کارروائی سے باز رہا۔ خلیفہ کی موت کے بعد بھی وہ اپنے اسی مکان میں مقیم رہا جہاں وہ پہلے رہا کرتا تھا۔

ہاشمی خلفاء کا محل جو قاہرہ میں دریائے نیل کی جانب بنا ہوا تھا۔ ایک خاصہ خوبصورت شہر تھا۔ عیسائی مؤرخوں کا بیان ہے کہ اس وقت قصر خلافت کی عمارتوں میں سولہ اور بیس ہزار گے درمیان لوگ آباد تھے۔

قصر خلافت ہر نقطہ نگاہ سے اعجازِ روزگار تھا۔ مشہور عیسائی مؤرخ "ولیم آف ٹائر" جو اس وقت زندہ تھا اُس نے محل کے عجائبات بڑی تفصیل سے سپردِ قلم کئے ہیں۔ اسی طرح اس زمانے کے مسلمان مؤرخوں نے بھی بہت مفصل طور پر قصر خلافت کے متعلق لکھا ہے۔ اس محل کا میدان اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں دس ہزار سپاہی ایک وقت قواعد کر سکتے تھے۔

محل میں چار ہزار کمرے تھے۔ ان کمروں کے در و دیوار سنہری اور روپہلی کام سے مزین تھے۔ ان سب کے دروازے ایک عظیم الشان وسیع کمرے کی جانب تھے۔ ہر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے مروارید اور رنگ رنگ کے قیمتی پتھروں کے پرے آویزاں تھے۔ اس عظیم الشان کمرے کے ستون سونے اور چاندی کے بنائے گئے تھے۔ سقف پر جواہرات کی مینا کاری دیکھ کر عقل حیران ہوتی تھی۔ اسی کمرے میں خلفاء دربار کرتے تھے۔ تخت خلافت میں اس قدر جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ نگاہ نہ ٹکنتی تھی جواہرات اور سونا چاندی بے قیاس خزانوں میں بھرا پڑا تھا۔

خلیفہ کی موت کے بعد جب "نور الدین زنگی سلطان دمشق کے نام پر صلاح الدین نے اس محل پر قبضہ کیا تو زورِ جواہرات کے خزانے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ایک لعل کا وزن بقول ابن اثیر دو ہزار چار سو ماشہ تھا۔ زورِ جواہرات کے علاوہ سونے کے بے شمار ظروف تھے اور ان کے باہر موتی یا قوت اور ایسے ہی دیگر بیش قیمت پتھر جڑے ہوئے تھے۔ ان تمام جواہرات اور بیش قیمت اشیاء کے علاوہ خاندان ہاشمی کا کتب خانہ بھی تھا۔ اس کتب خانہ میں صرف نایاب کتابوں کے ایک لاکھ بیس ہزار نسخے موجود تھے۔

اور درحقیقت یہ خزانہ زر و جواہر سے بھی زیادہ بیش قیمت تھا۔

صلاح الدین نے بڑے بڑے نایاب جواہرات اور دیگر نادر اشیاء بطور تحفہ اپنے آقائے نعمت کے پاس دمشق بھیجی ہیں اور مجاہدین اسلام کو اتنا کچھ دیا کہ سب نہال ہو گئے۔ باقی جواہرات فروخت کر کے عمارت کے واسطے روپیہ مہیا کیا گیا۔ لیکن کیا نصرانی اور کیا مسلم مورخ سب کے سب اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس کریم النفس اور صالح مرد غازی نے اپنی ذات کے لئے کچھ نہ رکھا اور وہی سادگی جس کا وہ بچپن سے خوگر تھا وزارت ملنے اور پھر اس قدر زر و جواہرات پر قبضہ ہو جانے کے بعد بھی ویسی کی ویسی ہی رہی۔ صلاح الدین خود تو دارالوزارت ہی میں مقیم تھا لیکن محل میں اس نے افسران فوج کو آباد کر دیا اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی رہنے کے لئے جگہ دی۔

جس طرح دولت غرناطہ کے زوال پر ابن بدرول "خون کے آنسو" دیا۔ دہلی کی تباہی پر داغ دہلوی نے آنسو بہائے۔ اور سسلی کا مرثیہ لکھ کر علامہ اقبال نے مسلمانوں کو رلایا ہے۔ اسی طرح خلافت مصر کے انجام اور محل کی تباہی پر عمارہ بن الحسن یمنی نے جو اپنے وقت کا ایک بہت بڑا شاعر تھا دردناک نظمیں لکھ کر مصریوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی "مسٹر لین پول" نے اپنی کتاب "صلاح الدین" میں خصوصیت سے عمارہ یمنی کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے حوالے سے خلافت کے انجام کی تفصیل لکھی ہے۔ لیکن انہیں غالباً یہ معلوم نہیں کہ یہی عمارہ صلاح الدین کا بہت بڑا مخالف تھا اور ہمیشہ نصرانیوں کے ساتھ ساز باز اور دیگر اُمراء مصر کے ساتھ مل کر ملک میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل رکھتا تھا۔

اس لئے قصر خلافت کی تباہی یا خلافت ماضی کے انجام پر اس کی نظمیں خواہ وہ کتنی ہی دردناک کیوں نہ ہوں انہیں تاریخی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

خلیفہ کی موت کے بعد ہی مصر میں سلطان دمشق کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جاملے لگا۔ اور سکے پر بھی نور الدین زنگی کا نام ضرب کروادیا۔ باوجود اس قدر اظہار عقیدت کے صلاح الدین یہ خوب سمجھتا تھا کہ اب اس کا آقا اسے اپنا حریف سمجھتا ہے اور ممکن ہے کہ کبھی اس کے استیصال کے لیے بھی ہو۔ اس لئے دور اندیشی کے طور پر اس نے قاہرہ کی شہر پناہ کو بہت مضبوط کروادیا اور ساتھ ہی فوج کی تنظیم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ روک تھام کے ان انتظامات کے متعلق لوگوں کو صرف یہ یقین تھا کہ یہ سب بندوبست نصرائیوں کی مدافعت کے لئے کئے جاتے ہیں۔ لیکن دمشق میں جو صلاح الدین کے مخالف اور حاسد موجود تھے وہ بہت مروج مصالحہ لگا کر سلطان نور الدین زنگی کو یہ خبریں پہنچاتے۔ لیکن نور الدین زنگی اتنا حلیہ باز نہ تھا کہ وہ کھلم کھلا صلاح الدین پر فوج کشی کرویتا۔ مسئلہ میں سلطان نے صلاح الدین کو شہر ترک کرنا پر حملہ کرنے کا حکم بھیجا۔ ترک بجیرہ قلعہ کے مشرق کی جانب واقع تھا اور ایک مدت سے شام کے مسلمان حکمرانوں کی آنکھ میں کھٹکتا تھا۔ کیونکہ شام کو آنے کا راستہ یہی تھا اور یہاں کے نصرائی تاجدار مسلمانوں کو بہت تنگ کرتے تھے۔ ترک بالکل تو ہستانی ملک تھا۔ اور قدرتی طور پر ہر طرف سے استحکم اور مضبوط تھا۔ سلطان کا فرمان پہنچتے ہی صلاح الدین مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر قاہرہ سے نکلا اور

”کرک“ کے قرب و جوار میں آذت برسہا کر دی۔ صلیبی بہادر ہر طرف سے
سمٹ کر کرک کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے
صلاح الدین کا مقابلہ دشوار ثابت ہوا جو اس سے پہلے بھی کئی بار اس سے
زک اٹھا چکے تھے۔

”کرک“ چونکہ اطراف شام میں تھا اور دمشق کی سہارا سے چنداں
دور بھی نہ تھا اس لئے نور الدین زنگی خود ایک لشکر حصار کے ساتھ
”کرک“ کی جانب بڑھا۔ صلاح الدین سلطان کی چالوں کو خوب سمجھتا تھا
چنانچہ جب اسے شامی افواج کی روانگی کا علم ہوا تو وہ اپنے باپ نجم الدین ایوب
کی خطرناک بیماری کا بہانہ کر کے قاہرہ کی طرف لوٹ گیا۔ نور الدین زنگی
صلاح الدین کے اس طرح چلے جانے پر ناخوش نہ ہوا۔ بلکہ خود بھی دمشق
کی جانب واپس چلا گیا۔ ممکن ہے کہ سلطان کی یہ چال صرف مصر پر حملہ
کرنے کی عیت سے ہو۔ لیکن صلاح الدین جو چال چلا اس سے سلطان کو
مصر پر حملہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ صلاح الدین کے قاہرہ پہنچنے سے
پیشتر ہی اس کا باپ نجم الدین ایوب جو اپنے زمانے کا ایک بہت بڑا
مدبر تھا گھوڑے سے گر کر راہی ملک عارم ہوا۔

سلطان کو جب ایوب کی وفات کا علم ہوا تو اس نے اپنے ہاتھ سے
صلاح الدین کو ہمدردی کا ایک خط لکھا اور تمام خاندان سے اظہار ہمدردی
کر کے ہر طرح کی تسلی اور تسفی کی۔

”نجم الدین ایوب“ کی موت کے بعد صلاح الدین بڑی مستعدی سے قاہرہ
کی قلعہ بندی کرنے لگا۔

مسٹر لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین کو سلطان نور الدین زنگی کا

اس قدر خوف تھا کہ ایک طرف تو وہ قاہرہ کی دیواروں کو مضبوط کرتا تھا اور دوسری طرف سوڈان کی جانب بھاگ جانے کے انتظامات مکمل کرتا رہتا تھا اور پھر مزید دور اندیشی سے عرب میں پناہ لینے کیلئے اس نے اپنے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کو ایک لشکر کے ساتھ ادھر روانہ کر دیا۔ جہاں اس نے بزور شمشیر بہت سے علاقوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ لیکن واقعات کچھ ایسے رو پذیر ہوئے کہ صلاح الدین کو کبھی اس قسم کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ایک طرف تو صلاح الدین نور الدین زنگی کی چالوں کا توڑ سوچ رہا تھا۔ دوسری جانب مصر کے قتلہ بردار جیسے حکمے فساد برپا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ عمارہ بن الحسن شاعر عجمی۔ "تجدد الصمد کا تب" اور چند ایک قاضی جن کو صلاح الدین نے برطرف کر دیا تھا سازش کنندوں کے سردار تھے۔ ان بدکرداروں نے جیسے جیسے سسلی کے نصرانی تاجدار اور یروشلم کے بادشاہ ملکہ کو بھی ساتھ ملا لیا۔ اور یہ تجویز قرار پائی کہ عیسائی خلشکی اور ترمی دونوں جانب سے مصر پر حملہ کریں اور جب صلاح الدین قاہرہ سے اپنی جمعیت لے کر ان کی روک تھام کو لکھ جائے گا تو یہ لوگ مصر میں بغاوت کروادیں اور وہ باغی لوگ عساکر اسلام پر پیچھے کی طرف سے حملہ کریں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ صلاح الدین کو اس سازش کا بروقت علم ہو گیا۔ چنانچہ ۶ اپریل ۱۲۱۷ء کو سب سازشی گرفتار کر لئے گئے اور جب جرم ثابت ہو گیا تو سر غنوں کو سولی پر لٹکا دیا

گیا اور مصری اُمرا جو اس سازش میں شریک تھے ملک سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ ادھر شام کے نصرا نیوں کو اس راز کے طشت از باہم ہو کر سازشوں کی گت بننے کا جب علم ہوا تو وہ لوگ مصر کی طرف پیش قدمی کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ لیکن سسلی (صقلیہ) کے عیسائی جن کو ان واقعات کا دیر سے علم ہوا۔ اپنی بحری طاقت کے گھمنڈ پر مصر کی جانب بڑھے اور سسلی کا تاجدار چھ سو جہازوں کا بیڑا اور تیس ہزار عیسائیوں کی جمعیت کے ساتھ سکندریہ پر حملہ آور ہوا۔

ٹرین پول اپنی کتاب ”صلاح الدین“ میں اس حملے کے متعلق بیان کرتا ہے کہ سکندریہ والوں کو عیسائی فوج کی آمد کا کچھ علم نہ تھا نصرا نی اچانک ان پر آپڑے اور بڑے جوش سے شہر پناہ پر حملہ آور ہوئے۔ لڑائی تمام دن اور رات بھر ایک تل پر ہوتی رہی۔ لیکن مسلمانوں نے عیسائیوں کو شہر پناہ کے پاس بھی نہ پھٹکنے دیا۔

اگلے روز سسلی والے اپنی جنگی مشینیں آگے بڑھالائے۔ لیکن اس عرصہ میں قرب و جوار سے کچھ محافظ سکندریہ والوں کی مدد کو آ پہونچے۔ آج بھی عیسائیوں نے بڑی شدت سے حملہ کیا لیکن آج بھی ناکام رہے۔ تیسرے روز سکندریہ کی محافظ فوج نے شہر سے نکل کر افواج صقلیہ پر حملہ کیا اور ان سے جنگی مشینیں جن پر ان کو زیادہ ناز تھا چھین کر جلا ڈالیں۔ اس روز کی جنگ میں بیشمار عیسائی مارے گئے اور مسلمانوں کے خوف سے انے زخمی بھی میدان ہی میں چھوڑ کر سمندر کی جانب بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے اس زور سے نعرہ بکھیرا کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔

مسلمان واپس آئے ہی تھے کہ شہر میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ صلاح الدین مجاہدین کا لشکر حجاز ساتھ لے کر سکندریہ کی حفاظت کے لئے آ رہا ہے۔ یہ خبر لانے والا صلاح الدین کا سردار تھا اہل سکندریہ اس خبر سے اس قدر خوش ہوئے کہ عصر کی نماز کے بعد شہر سے پھر ایک بار نکل کر نصرانیوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے نصرانی کھراس گئے اور جہازوں میں پناہ لینے کے لئے بے تحاشہ سمندر کی طرف بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے سینکڑوں کو تلووار کے گھاٹ اُتار بہت سی صلیبی سوار مار دیئے اور فرسے صلیبی جھنڈے کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے جو اس باختہ ہو کر سمندر میں ڈوب مرے تاجدار صقلیہ کو جب شیر اسلم صلاح الدین کی آمد آمد کا پتہ لگا تو وہ فوراً لشکر اٹھا کر جدہ سے آیا تھا اُدھر بھاگ گیا۔ اور اتنا انتظار بھی نہ کیا کہ پریشان حال لشکریوں کو جو جان کے خوف کے مارے بھاگے بھاگے پھرتے تھے سوار کر لے جائے۔

آفتابِ عالم تاب کی رخصت کے ساتھ ہی نصرانی بیڑا بھی شب کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ بے شمار قیدی اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کو ملا۔ فتح مند فتح کے شادیاں بجاتے ہوئے اور نصرۃ بکیر بلند کرتے ہوئے شہر میں واپس آئے۔

آب ایک مدت کے لئے مسلمان نصرانیوں کی شرارتوں اور یورشوں سے مطمئن ہو گئے۔ صلیب پرستوں کا ستارہ نحوست میں تھا۔ اور نیز اسلام و رخشاں اور متور تھا۔ مصر کی چار کونٹ میں الملک الناصر صلاح الدین

یوب کا ڈنکا بج رہا تھا۔
 قضیہ کندریہ کے چند روز بعد ہی اچانک قاہرہ میں سلطان
 نورالدین زنگی والی دمشق کے انتقال کی خبر وحشت اثر صلاح الدین کو ملی۔

الملك الناصر سلطان صلاح الدین یوسف

”سلطان نورالدین زنگی“ کے انتقال کے ساتھ ہی تمام ملک کا
 سیاسی مطلع تبدیل ہو گیا۔ اس وقت صلاح الدین تمام اُمراء و ملت میں سے
 زبردست اور طاقتور تسلیم کیا جانے لگا۔

”نورالدین زنگی“ کے بعد اس کا بیٹا الملك انصاری اسمعیل دس گیارہ
 برس کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن اس کے باپ کے
 تمام صوبیدار اور گورنرانے اپنے علاقوں میں خود مختار بن بیٹھے۔ اور اس طرح
 ایک زبردست سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہوتا نظر آنے لگا۔

سلطان نورالدین زنگی کی وفات کے تین ماہ بعد بہادر امیر ک
 تاجدار یرشلم نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا
 ”بالڈون“ چہارم تخت پر بیٹھا۔ بالڈون کی عمر اس وقت تیرہ سال کی تھی
 اور وہ جزام کے عارضہ میں مبتلا تھا۔ اس لئے کونٹ ریمانڈ و ای طرح اس
 نائب السلطنت کے طور پر ملک کا انتظام کرنے لگا۔

اس وقت اگر کوئی اور طامع سردار صلاح الدین کی طرح طاقتور ہوتا تو
 ممکن تھا کہ وہ نابالغ تاجداروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش
 کرتا۔ لیکن صلاح الدین کی ہمت اور غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ بلذوہ وہ

مصر سے نکل کر دمشق پر چڑھ دوڑے۔

لیکن قلیل عرصہ ہی میں معاملات نے ایک ایسی ٹیڑھی صورت اختیار کر لی کہ صلاح الدین کو شامی سیاسیات میں دخل دینا ہی پڑا۔
خود غرض اُمراء دمشق نے نابالغ بادشاہ کی بے دست و پائی دیکھ کر سلطنت کے حصے بخرے کر ڈالے۔ اور ان کی دیکھا دیکھی عیسائی بھی اسلامی مقبوضات پر ہاتھ بڑھانے لگے۔

ولایت موصل کے اتابک (گورنر) نے جو الماک الصالح اسماعیل کا ایک قریبی رشتہ دار تھا اویسہ اور چند ایک اور شامی مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ ولایت حلب کا اتابک نابالغ بادشاہ کے مشیروں اور صلاح کاروں کی سخت مخالفت تھا۔ اس بغض و عناد کی وجہ سے اور بہت سے صوبے مطلق العنان ہو گئے۔ اور اب وہ وقت تھا کہ شام کی اسلامی سلطنت عجب کس مہر سی کی حالت میں تھی۔

خیر تو یہ گزری کہ یروشلم کے نصرانی اپنے بکھیڑوں میں اُلجھے ہوئے تھے ورنہ وہ بھی اسلامی مقبوضات پر ضرور ہاتھ صاف کرنے لگتے۔

صلاح الدین نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھتا چلا جاتا ہے تو اُس نے اپنا ایک خاص سفیر دمشق بھیجا۔ اور ساتھ ہی مصر میں الملک الصالح اسماعیل کے نام کا مساجد میں خطبہ پڑھوایا اور سکے پر اس کا نام بھی ضرب کروادیا۔ (یہ سکے لندن کے عجائب گھر میں موجود ہیں) سفیر نے دمشق پہنچ کر نابالغ بادشاہ کو صلاح الدین کی طرف سے وفاداری کا پیغام دیا اور یقین دلایا کہ وہ اپنے محسن کے بیٹے کے نام پر مصر پر حکومت کر رہا ہے۔ اور اس کی تابعداری اپنے لئے باعثِ صد فخر

واعزاز سمجھتا ہے۔ اس کے علاوہ صلاح الدین نے اُن اُمراء و مشق کے ہم جو خود سری بہا مادہ تھے اور اپنے آپ کو مطلق العنان سمجھتے تھے۔ سخت تہدید می خطوط لکھے۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر وہ مخالفت سے باز نہ آئیں گے تو پھر مجبوراً معاملات کو سلجھانے کے لئے اُسے خود متوجہ ہونا پڑے گا۔

ان خطوط کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان غیر مال اندیش سرداروں نے بہت سا روپیہ اور طرح طرح کے لالچ دیکر نصرانیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ تاکہ سب مل کر صلاح الدین کی روک تھام کی کوشش کریں۔ اور دربار دمشق کا یہ حال تھا کہ ایک جانب سے تو اسے موصل کے اتابک (جو آب بادشاہ بن گیا تھا) "سیف الدین غازی" کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اور دوسری جانب صلاح الدین یوسف کا خوف تھا۔

اسی اثنائیں سعد الدین کشتکین جو حلب کا اتابک تھا۔ لیکن وزیر حلب کے لقب سے پکارا جاتا تھا حکمت عملی سے نابالغ سلطان کو دمشق سے حلب لے آیا۔ اس وقت اس کے پاس ایک بہت بڑا لشکر موجود تھا۔ بادشاہ کو اپنی حفاظت میں لیکر وہ دمشق پر یورش کرنیکی تیاریاں کرنے لگا۔ اُمراء و مشق نے سیف الدین غازی بادشاہ موصل سے مدد مانگی۔ مگر اُس نے لکھا سا جواب دیدیا۔ اب ان لوگوں نے مجبوراً صلاح الدین کے پاس قاہرہ میں اپنے قاصد بھیجے۔ اور ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔

(صلاح الدین نے اس موقع کو غنیمت جانا چنانچہ ملک مصر کی باگ ڈور اس نے اپنے بھائیوں کے سپرد کی اور خود سات سو جانباز سواروں کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔

قاہرہ سے حوراستہ دمشق کو آتا تھا اُس پر نصرائی قابض تھے۔ اور احتمال تھا کہ یہ لوگ ضرور صلاح الدین کا راستہ روکیں گے لیکن جب ان کو شہر اسلام کے آنے کی خبر پہنچی تو یہ خوفزدہ ہو کر گھروں میں دبا کر بیٹھ گئے۔ اور صلاح الدین بلغار کر تا ہوا ماہ ربیع الثانی ۶۵۳ھ یوم شنبہ دمشق میں داخل ہوا۔ اور اپنے آباؤی گھر میں سکونت اختیار کر لی۔ دوسرے روز دمشق کا قاضی کمال الدین ابن شہر زوری جو نابالغ سلطان کا مدارلہام تھا۔ جمال الدین ریحان کو جو شہر دمشق کا گورنر تھا ساتھ لے کر صلاح الدین کے پاس آیا اور شاہی محل کی چابیاں پیش کیں صلاح الدین نے محل پر قبضہ کر کے نابالغ سلطان کے نام سے مجاہدین اسلام اور افسران فوج کو بہت کچھ انعام دیا اور دمشق کی مساجد میں سلطان اسماعیل کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

چند روز کے قیام کے بعد صلاح الدین نے اپنے بھائی سیف اسلام طفتگین ابن ایوب کو جس میں ملک داری کی قابلیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ دمشق کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور خود ان امرائے دمشق کی سرکوبی کے لئے جو سلطان نور الدین زنگی کے بعد خود مختار بن بیٹھے تھے لشکر لیکر نکلا۔ دمشق سے چل کر وہ سیدھا شہر حمص پر جو دمشق اور حلب کے درمیان ایک مشہور شہر اور مضبوط قلعہ ہے پہنچا۔ حاکم شہر نے مار فعت کی تیاری کر لی اور شہر کے دروازے بند کر دیئے۔ لیکن صلاح الدین نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ شہر پر اپنے آقا تھے نعمت الملک الصلح کے نام پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ملک گیری یا لوٹ مار کے لئے نہیں آیا۔ اہل شہر اس سے مطمئن ہو گئے اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔

حمص کے بعد صلاح الدین شہر حماہ کی طرف بڑھا۔ حماہ ایک بہت قدیمی آبادی تھی۔ قوم اسرائیل کی آسمانی کتب میں بھی اس شہر کا تذکرہ موجود ہے۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک بہت مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اور ان آیات میں سلطنت نوریہ کی جانب سے "عز الدین جرویک" ایک سردار حکمران تھا۔ لیکن عز الدین نے بلاشرط صلاح الدین کی اطاعت کر لی اور شہر اس کے حوالے کر دیا۔ صلاح الدین نے اہل شہر کو امان دی اور یہاں سے فارغ ہو کر حلب کی طرف متوجہ ہوا۔ حلب ایک بہت قدیمی شہر ہے۔ حلب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیلؑ اس مقام پر اپنی بھیڑوں بکریوں اور اوشنیوں کا دودھ دوہ کر جمعہ کے روز صدقہ کیا کرتے تھے۔ اور زبان عربی میں حلب کے لفظی معنی بھی دودھ دوہنا ہے۔ حلب کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک جرار لشکر بھی موجود تھا۔ والئے حلب نے صلاح الدین کی آمد آمد کی خبر پا کر شہر کے دروازے بند کروا دیئے اور چوکی پر سے مقبرہ کر دیئے۔ ۳۔ دسمبر کے روز عسا کر اسلام نے صلاح الدین کی ماتحتی میں حلب کا محاصرہ کر لیا۔

"ملک الصالح اسمعیل" نے اپنے مشیروں اور صلاح کاروں کے سکھلانے سے ایک روز مجمع عام میں تقریر کی اور لوگوں کو اپنے باپ کے احسانات جتنا جتنا کر صلاح الدین کے خلاف اکسایا۔ اس کی تقریر کے آخری الفاظ یہ تھے:-

"تم لوگو! کو میرے باپ کے احسانات خوب یاد ہیں۔ اور تمہیں اُس کی خبریاں اور فیا ضیاں بھی خوب معلوم ہیں۔ لوگو! میں

سلطان نور الدین زنگی عرشِ آشیان کا یتیم بیٹا ہوں۔ یہ طفالم
(صلاح الدین) اپنے محسن کے احسانات کو بالائے طاق رکھ کر
میرے تخت و تاج پر قبضہ کرنے آیا ہے۔ افسوس کہ اس کو نہ
خدا کا خوف ہے اور نہ لوگوں کا ڈر۔

کلم سن بادشاہ کی تقریر سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور صلاح الدین کے
مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ دونوں طرف سے ترکی بہ ترکی جواب ملنے لگا۔ لیکن
صلاح الدین جیسے سرفروشِ اسلام سے عہدہ برآ ہونا آسان نہ تھا۔
اہلِ حلب پر جب عرصہٴ حیاتِ تنگ ہونے لگا تو سعد الدین کشتکین
وزیرِ حلب ایک بہت پاجیا نہ چال چلا۔

ملک شام کا مشہور فرقہ "اسماعیلیہ" کا سردار اس وقت شیخ سنان تھا
جو حسن بن صباح کا گدئی نشین تصور ہوتا تھا۔ ایک مدت سے یہ فرقہ
حکمرانوں اور اُمراء کے لئے بہت خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ ملک شام میں
چند ایک مضبوط قلعے اور مستحکم مقامات بھی ان لوگوں کے قبضے میں تھے۔
یہ لوگ قتل و غارت کے کام نہایت ہوشیاری اور برے درجے کی
جرات سے کرتے تھے۔ حقیقت میں یہ ایک خفیہ انقلابی سوسائٹی تھی
جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ملک میں جمہوریت قائم کی جائے۔ یہ لوگ
اپنے مرشد کے اشارے پر جسے وہ چاہتا فوراً قتل کر دیتے۔ تمام ملک میں
اس خفیہ انجمن کے اراکین پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کا پتہ نشان لگانا بہت
دُشوار تھا۔ یہ لوگ اس قدر خطرناک ہو گئے تھے کہ کسی کی بھی جان محفوظ نہ تھی
عام طور پر ان کو اسماعیلی یا باطنی کہا جاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین کے
شام پرورش کرنے کے ایام میں یہ گروہ بہت خطرناک صورت اختیار

کہ چکا تھا۔ سلطان نوالدین زنگی نے بھی ایک بار ان لوگوں کے استیصال کی کوشش کی تھی۔ لیکن ایک روز جب وہ صبح بیدار ہوا تو اس کے تکیہ کے ساتھ ایک خنجر لٹک رہا تھا۔ اور ساتھ ہی ایک مختصر خط بھی بندھا تھا خط کا مضمون یہ تھا کہ سلطان اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو سرقہ اسماعیلیہ کو نقصان پہنچانے کے خیال سے باز آجائے۔

وزیر حلب نے شیخ سنان کو بہت سارے مال دیکر صلاح الدین کے قتل کی ترغیب دی۔ اور شیخ سنان نے چند فدائیوں کو صلاح الدین کے قتل پر مامور کر دیا۔ یہ لوگ صلاح الدین کے لشکر میں مل گئے اور ایک روز موقع پا کر صلاح الدین کے خیمے میں جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اتفاقاً صلاح الدین کے ایک سردار امیر ناصح الدین خمارنگین نے ان کو پہچان لیا۔ اور اسی وقت تلوار نکال کر ایک کچھ قتل کر دیا۔ لیکن ان نابکاروں نے بھی امیر ناصح الدین کو خنجر مار مار کر زخمی کر ڈالا۔ اتنے میں اور سپاہی بھی آپہونچے۔ اسماعیلیوں نے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا۔ آخر زخمی ہو کر سب گرفتار ہو گئے اور اسی وقت قتل کر ڈالے گئے۔

اس خوفناک سازش کے باوجود بھی صلاح الدین کے عزم میں کچھ فرق نہ آیا۔ اسی اثنا میں سیلف الدین والے موصول بھی اس خیال اسے پہنچا کہ اب اس کی امداد پر تیار ہو گیا کہ کسی وقت اسے بھی صلاح الدین سے سابقہ پڑے گا۔ ساتھ ہی سعد الدین کشتلیکین وزیر حلب نے سلطنت یرشلم کے نائب السلطنت کو منٹ ریمانڈ کو روپیہ اور کچھ ملک دینے کا لالچ دلا کر اپنی مدد پر تیار کر لیا۔ چنانچہ نصرائیوں نے دمشق واپس جانے کا راستہ

روک لیا۔ اور کوٹ خود ایک ہزار لشکر کے ساتھ حمص کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ صلاح الدین کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو وہ حلب سے محاصرہ اٹھا کر کوٹ ریمانڈوالے طرف بس کی روک تھام کے لئے حمص کی طرف لوٹا۔ لیکن جب کوٹ کو شیر اسلام کے آنے کا علم ہوا تو وہ جلدی سے اپنا لشکر لے کر حمص سے واپس لوٹ گیا۔ سلطان بغیر کسی قسم کی جھڑپ کے حمص میں داخل ہوا۔ اور لگے ہاتھوں پیش قدمی کر کے بعلبک پر جو دمشق سے تین منزل کے فاصلہ پر تھا قبضہ کر لیا۔ اور پھر صوری ہی مدت میں تمام سرزمین شام میں سوائے حلب اور اس کے قرب و جوار کے مقامات کے نور الدین زنگی کی تمام شامی سلطنت پر قابض ہو گیا۔

صلاح الدین نے حمص کی حکومت کو ناصر الدین بن شیر کوہ کے حوالے کی اور بعلبک کا انتظام شمس الدین محمد کے سپرد کیا۔ ممکن تھا کہ خانہ جنگی کی یہ آگ اور مشتعل نہ ہوتی۔ لیکن سیف الدین غازی جو الملوک الصالح سلطان اسماعیل کا چچا زاد بھائی تھا اور زنگی کے مرنے کے بعد سلطان کے اُن مقبوضات پر جو عراق عرب میں تھا قابض ہو گیا تھا ایک ہزار لشکر ساتھ لے کر حلب کی طرف بڑھا۔ اور انداز حلب کے ساتھ مل کر جنگی تعداد کم و بیش بیس ہزار تھی صلاح الدین کے مقابلہ کی ٹھان لی۔

اس اثنا میں مصر سے صلاح الدین کے پاس مکمل فوج پہنچ چکی تھی لیکن حلبی اور موصلی لشکر کے مقابلہ میں مصریوں کی تعداد بہت کم تھی۔ صلاح الدین نے مصالحت وقت کی وجہ سے اپنے حلیفوں کو مسلح کا پیغام بھیجا اور ۱۰ عہدہ کیا کہ دمشق کے شہر میں جس قدر شامی مقبوضات اس کے پاس ہیں واپس کر دیں گے۔ لیکن سیف الدین غازی والے موصل

اور سعد الدین وزیر حلب نے اپنی جمعیت کی کثرت کے ناز پر شرائط صلح کو ٹھکرا دیا اور صاف صاف کہنا بھیجا کہ اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو مصر واپس چلے جاؤ۔

صلاح الدین نے سرداران فوج کو جمع کر کے ایک بہت پر تاثیر تقریر کی اور پھر فوج کو صف بندی کا حکم دیا۔ ۱۳ اپریل ۱۱۷۵ء کو تل سلطان کے مقام پر جو حلب سے دمشق کی جانب ایک منزل پہ واقع ہے حلب و موصل کے لشکر مصریوں سے دست و گریباں ہو گئے۔ اور کلمہ گو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔

دمشقی اور مصری جانبازوں نے حلبی اور موصلی لشکریوں کا ایک ہی حملہ میں مُنہ پھیر دیا۔ صلاح الدین خود تھوڑے سے چیدہ سواروں کا ایک دستہ لے کر فوج کے اُس حصہ پر حملہ آور ہوا جس کی کمان سیف الدین خود کر رہا تھا۔ سیف الدین اس حملہ کی تاب نہ لاسکا اور نہایت بے سہرا سالی سے میدان سے بھاگا۔ دوسری جانب حلبی لشکر کے پاؤں بھی اُگھر چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ صلاح الدین کے سپاہیوں نے حلب کے دروازوں تک مفروین کا تعاقب کیا۔ بے شمار قیدی فتنہ زوں کے ہاتھ آئے۔ انہی لوگوں میں ”سیف الدین غازی“ کے اہلکار کباریں سے ”فخر الدین اور عبد السمیع“ بھی تھے۔ لیکن جب یہ قیدی صلاح الدین کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے یہ کہہ کر کہ یہ بھی میری طرح رسول صائم عزنی کے کلمہ گو ہیں سب کو آزاد کر دیا اور فدیہ تک لینا گوارا نہ کیا۔

اس فتح کے بعد صلاح الدین نے آگے بڑھ کر حنہ۔ ایک اور

مقامات پر بھی قبضہ کر لیا۔

ان فتوحات کے بعد صلاح الدین نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا اور قاہرہ اور دمشق کی مساجد میں پہلی بار ”الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف“ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اسی نام پر سکے مضروب ہوئے۔ اور پھر چند روز بعد خلیفہ بغداد نے جو ”لحمائین عالم کا مذہبی پیشوا تسلیم ہوتا تھا ایک گراں بہا خلعت اور ابو المظفر کا معزز خطاب عطا کر کے صلاح الدین بلا دمصر اور شام کا سلطان تسلیم کر لیا۔

اکہی ایک تنگ خیال مورخوں نے سلطان صلاح الدین پر یہ الزام لگایا ہے کہ ”الملک الصالح اسمعیل بن زنگی“ کی زندگی میں صلاح الدین کا خود مختاری کا اعلان کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے اور امراء دمشق نے زنگی کی وفات کے بعد کیا تھا۔ اور جو الزام ان لوگوں پر عائد ہوتا ہے وہی صلاح الدین پر بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن ہم ان مورخین کا جواب مسٹر لین پول کے الفاظ میں دیتے ہیں مسٹر لین پول ”ولیم آف ٹائمر کے حوالے سے لکھتا ہے۔“
”سلطان صلاح الدین پر اس قسم کا الزام ہرگز عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کم سن بادشاہ اسمعیل بن زنگی ایسے لوگوں کے پنجہ میں گرفتار تھا جو محض ذاتی مفاد کی خاطر سلطنت اسلامیہ کے بہبود اور فروغ کے استیصال کے درپے تھے۔ اور عام مسلمانوں کے مفاد کو نظر انداز کر رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین یہ دل سے چاہتا تھا کہ وہ اپنے آقائے نعمت

سُلطان نور الدین زنگی کے نابالغ وارث تخت و تاج کا فرمانبردار ہو کر رہے
لیکن اس کے حریفوں اور دشمنوں نے کبھی اس کو اس قسم کا موقع نہ دیا۔
اور اگر اس نازک حالت میں صلاح الدین شام سے مصر کی جانب
لوٹ جاتا۔ تو عجب نہ تھا کہ وہ شاندار اسلامی سلطنت جسے سلطان
نور الدین زنگی نے اپنے خون سے سینچ کر اور اپنی عمر بھر کی محنت سے
پروان چڑھایا تھا۔ یار و اغیار کی یورشوں اور حملوں سے پاش
پاش ہو جاتی۔

دشمنوں کا ابھی حوصلہ نہیں ٹوٹا تھا۔ کہ حلب اور موصل کے دربار
پھر ایک بار قسمت آزمائی کی تیاریوں میں چپکے چپکے لگے ہوئے تھے۔
سُلطان بھی ان لوگوں سے غافل نہ تھا۔ اور بڑی مستعدی سے لشکر اسلام کی
تنظیم کی طرف متوجہ تھا۔

آخر ۱۱۷۱ء کے موسم بہار میں پھر باسی کرطھی میں اُبال آیا اور حلبی لشکر
سیف الدین والئے موصل کی فوج سے جو دریا سے فرات کو عبور کر چکی تھی مل گیا
اب سلطان بھی اپنے ہاں ایشیاء کی جمعیت لے کر آگے بڑھا۔

جس روز سلطان اشکر دریا سے پار ہوا اسی روز سوہج کو گن لگا۔
۱۱۔ اپریل ۱۱۷۱ء کو دن کے وقت اس قدر تاریک چھا گیا کہ آسمان پر ستارے
بھی نظر آنے لگے۔ آخر ۲۲ اپریل ۱۱۷۱ء کو کہ سلطان کے مقام پر جو
حلب سے پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا دونوں لشکروں کی ٹکڑھٹکڑ ہو گئی۔
دشمنوں کی جمعیت بہت زیادہ تھی۔ اور ان کا پلہ بھی بہاری معلوم ہوتا تھا۔
لڑائی اسی طرح زور شور سے جاری تھی کہ صلاح الدین اپنے باڈی گارڈ

(محافظ دستہ) کے سواروں کو لے کر خچے سے میدان سے نکلا اور شیر کی طرح گرجتا ہوا دشمن پر عقب سے حماکر دیا۔ سیف الدین غازی بمشکل جان بچا کر میران سے بھاگا لیکن اس کے بہت سے نامی گرامی امرا اور سردار لڑتے ہوئے یا بھاگتے ہوئے قتل ہو گئے۔ بے شمار سامان حرب بگھوٹے۔ ادنٹ۔ خیمے اور بہت سا سامان خور و نوش فتح مندوں کے ہاتھ لگا۔

سلطان صلاح الدین نے اس عظیم الشان فتح کے بعد پھر ایک بار اپنی فیاضی اور رحمہ کی کا ثبوت دیا۔ تمام قیدیوں کو بلا زر فدیہ آزاد کر دیا۔ اور سرداروں کو تحائف دیکر گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی۔ اور سپاہیوں سے بھی بہت سلوک کیا۔ زخمیوں کو میدان سے اٹھوا کر خیموں میں پہنچایا۔ اور ان کی مرہم پٹی کا حکم دیا۔ پھر خیموں میں جا کر زخمیوں کی تسلی و تشفی کی۔ جس قدر مال و زر اس وقت ہاتھ لگا۔ وہ سب اپنے لشکریوں میں بانٹ دیا۔ عیسائی اور مسلم متوخ یک زبان ہو کر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس مرد غازی نے اپنی ذات کے لئے مال غنیمت میں سے کچھ نہ رکھا۔

آخر سلطان کی فیاضیاں اپنا رنگ لائیں۔ حلب اور موصل کے سردار اور سپاہی جب آزاد ہو کر گھروں میں پہنچے تو سلطان صلاح الدین کے گیت گانے لگے۔

لیکن اس شکست کے بعد بھی حلب کے دروازے بند ہی رہے۔ سلطان فتح کے جوش میں اپنے جاں بازوں کو ساتھ لے کر شہر منج پر جو دریائے فرات سے ساڑھے چار کوس اور حلب سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر تھا حملہ آور ہوا۔ اور ایک معمولی لڑائی کے بعد منج پر سلطان کا

قبضہ ہو گیا۔

تمنج کے غریب میں اعزاز کا نہایت شاداب اور زرخیز شہر اور نہایت مستحکم قلعہ تھا۔ سلطان نے قلعہ اور شہر کا محاصرہ کر لیا اور اڑتیس روز کے محاصرے کے بعد فوج ظفر موج شہر پر قابض ہو گئی۔ ان محاربوں سے فارغ ہو کر سلطان حلب کی جانب متوجہ ہوا۔ ”سعد الدین کشتلیکین“ وزیر حلب کی شرارتوں سے وہ اس قدر بیمار ہو گیا تھا کہ اب اس نے اس نابکار کو سزا دینے کا دل سے عہد کر لیا۔ اور اس قدر دباؤ ڈالا کہ محصورین بہت تھوڑے عرصہ ہی میں گھبرا گئے۔

آخر الملک الصالح اسمعیل بن زنگی نے سلطان کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ فوجی نقطہ نگاہ سے اس وقت دشمن سے صلح کرنا قرین مصلحت نہ تھا۔ لیکن چونکہ سلطان کو اسمعیل بن نور الدین زنگی سے کوئی ذاتی کاوش نہ تھی اس لئے صلح کی درخواست قبول کر لی گئی۔ اس صلح کی رو سے الملک الصالح اسمعیل اور اس کے معاونین مددگار سیف الدین والے موصل اور والے کیفا اور حکمران ماروقین نے صلاح الدین کو سلطان تسلیم کر لیا۔

جب صلح نامہ پر دستخط ثبت ہو چکے تو ایک روز سلطان نور الدین زنگی مرحوم مغفور کی نابالغ بیٹی یعنی الملک الصالح اسمعیل کی ہمشیرہ سلطان صلاح الدین کو ملنے آئی۔ جب یہ چھوٹی سی شہزادی سلطان کی لگاؤں پہنچی تو صلاح الدین نے نہایت شاندار استقبال کیا۔ اور بڑی عزت اور احترام سے لاکر اپنے پاس بٹھایا اور بڑے بیش قیمت تحائف اور نایاب

جو اسرات بطور تحفہ دیئے۔ اور بڑی محبت سے اور مہربانہ طور پر اس سے باتیں کرتا رہا۔ باتوں باتوں میں سلطان صلاح الدین نے پوچھا۔ ”آپ فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت بجالاؤں“

شہزادی جسے اس کے بھائی کے مشیروں نے پہلے ہی سکھلا پڑھا کر بھیجا تھا۔ دبی آواز سے بولی :-

”اریا قلعہ اعزاز“ (میں اعزاز کا قلعہ مانگتی ہوں)
پیشتر اس کے کہ شہزادی کے منہ سے پورا فقرہ بھی نکلا ہو سلطان نے ہنس کر کہا۔ ”اعزاز کا قلعہ آج سے آپ کا ہے۔“

چنانچہ اسی وقت قلعہ حکومت حلب کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ وہی قلعہ تھا جسے عساکر سلطانی نے اڑتیس روز کے محاصرے کے بعد حاصل کیا تھا۔ یارو اغیار فیاضی و فرمانبرداری کی یہ نادر مثال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب شہزادی رخصت ہونے لگی تو سلطان رکاب تھام کر شہر حلب کے دروازے تک اپنے امرا اور افسران فوج کے ساتھ چھوڑنے آیا اور شہزادی کے شہر میں داخل ہونے کے وقت ادب سے سر جھٹکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

سلطان فرقہ اسماعیلیہ کے گدنی نشین اور مرشد شیخ سنان کو جس نے اسے قتل کرا۔ نے کی کوشش کی تھی ابھی تک بھولا نہیں تھا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ خفیہ سوسائٹی ملک کے امن کے لئے ایک نہایت خوفناک چیز تھی۔ اور اس کے قبضے میں سب سے مضبوط مقامات بھی تھے۔

حلب سے صلح ہو جانے کے بعد سلطان صلاح الدین کو ہستان
انصاریہ کی طرف جو اس خونخوار سوسائٹی کا مسکن تھا فوج لیکر بڑھا۔
اور گرد و نواح کے علاقوں میں قیامت برپا کرتے ہوئے قلعہ مضیات کا
محاصرہ کر لیا۔ اس خونخوار جماعت کے قبضہ میں نو قلعے تھے۔ ان میں سے
مضیات سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ اور اسی جگہ شیخ سنان رہتا تھا۔
مضیات کو حفاظت کے قدرتی اسباب اس درجہ مہیا تھے کہ سلطان افواج
اپنی قلعہ شکن مشینوں کے ساتھ بھی قلعہ کو کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچا سکیں۔
لیکن تاہم یہ محض سلطان ہی کا اقبال تھا کہ شیخ سنان نے خوفزدہ ہو کر
صلح کی درخواست کی۔ یہ درخواست سلطان کے ماموں شہاب الدین الحارمی
والے حماتہ کے توسل سے سلطان کے حضور میں پیش کی گئی۔

ابو فراس جس نے فرقہ اسماعیلیہ کے حالات قلمبند کئے ہیں اس صلح کو
اور ہی رنگ میں دکھلاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب سلطان قلعہ مضیات پر
حملہ آور ہوا تو اس وقت شیخ سنان وہاں موجود نہ تھا۔ لیکن سلطانی لشکر کی
خبر پا کر محاصرہ کے دور، ان ہی میں وہ کسی خفیہ رستہ سے قلعہ میں پہنچ گیا
ایک روز جب سلطان خواب سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے تکیہ کے ساتھ
ایک خنجر اور ایک خط نکلتا پایا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ سلطان اگر جان
عزیز ہے تو وہ واپس چلا جائے۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو۔ کیونکہ فرقہ باطنی کے مریدوں کو یہ کمال ضرور
حاصل تھا کہ وہ تمام لوگوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر اپنے مقصود میں کامیاب
ہو جاتے تھے۔ بہر کیف سلطان نے شیخ سنان کی درخواست قبول کر لی اور اپنی
فیاضی اور رحمہا کی بدولت سنان کو اس قدر گرویدہ کیا کہ اس مؤذی

فرقہ کی جانب سے سلطان کو کوئی فک نہ رہی ۔
 کوہستان انصاریہ سے چل کر ۲۵ اگست کو سلطان دمشق میں رونق
 افروز ہوا ۔ اور اپنے بھائی "تئمس الدولہ توران شاہ" فاتح مین کو اپنے تمام
 شامی مقبوضات کا گورنر بنا کر خود اپنے جان نثاروں کی جمعیت کے ساتھ
 ماہ ستمبر میں مراجعت فرمائے مصر ہوا ۔ اور پورے دو سال کے بعد پھر
 قاہرہ میں داخل ہوا ۔ یہاں پہونچ کر اس نے سب سے پہلے شہر سیناہ
 بنانے کا حکم دیا ۔ اور ساتھ ہی جبل منقظم پر بھی ایک قلعہ تعمیر کروانا شروع
 کر دیا کہ یہ قلعہ سلطان کی وفات کے بعد تکمیل کو پہونچا
 اس کے علاوہ امام شافعی کے مزار کے پاس ایک مدرسہ اور ایک
 شفا خانہ بنوایا ۔ ان کے اخراجات کے واسطے زر خیر علاقہ وقف کر دیا ۔

سلطان کی ہزیمت

نصرتینوں سے گو آجکل صلح تھی ۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ گاہے گاہے اسلامی
 ممالک میں چپکے چپکے چھاپے مارتے تھے ۔ کبھی قصبات لوٹ لیتے ۔ گاہے
 لوگوں کے ریوڑ ہانک کرے جاتے ۔ یہ لوگ آندھی کی طرح آتے اور بگولے
 کی طرح واپس لوٹ جاتے ۔ سلطان چونکہ ان دنوں مصر کے اندرونی
 انتظامات میں مشغول تھا ۔ اور ان بدعہد گٹیروں سے باز پرس نہیں
 کرتا تھا ۔ اس لئے یہ سرکش لوگ ایک بہت بڑا لاؤ لشکر ساتھ لے کر قلعہ
 "الازیم" پر جو حلب کے زیر نگین تھا چڑھ آئے ۔ آخر سلطان کو ان لوگوں کی
 تادیب کے لئے متوجہ ہونا پڑا ۔ اور وہ ایک لشکر حصار کے ساتھ فلسطین کی
 طرف بڑھا ۔ اور عروس شام یعنی عسقلان کے قرب و جوار میں پہونچ کر

مجاہدین اسلام نے ہر طرف ہیبت دی۔

ولیم آف ٹائبر "عیسائیوں میں ایک ایسا مؤرخ گذرا ہے جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے صلاح الدین کے واقعات کو تعصبی رنگ کی آمیزش کے بغیر لکھا ہے۔ یہ مؤرخ مجاہدین اسلام کی تعداد چھبیس ہزار بتلاتا ہے۔ لیکن اور عربی مؤرخ خصوصاً علامہ بہاؤ الدین اور ابن اثیر یہ تعداد اور بھی کم بتلاتے ہیں۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ سلطان کے ہمراہ اس وقت چھبیس ہزار جانباڑ تھے یا اس سے کم۔ لیکن وہی ولیم آف ٹائبر عیسائیوں کے متعلق لکھتا ہے کہ بالڈون تاجدار یروشلم کے ہمراہ اس وقت ۳۷۵ نو صرف ٹائٹ (سردار) تھے جن کے ہمراہیوں کی تعداد کئی ہزار تھی۔ ان کے علاوہ فلسطین کے تمام نصرانی شہزادے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ موجود تھے۔ اور یروشلم کی افواج اور دیگر عیسائی جو محض ماہرب کی خاطر ستر لٹوا سنے آئے تھے ان کی تعداد بھی بے شمار تھی۔

سلطانی لشکر اس وقت عسقلان کے گرد و نواح میں ناخست و تاراج کر رہا تھا۔ اور سلطان خود اپنے جانباڑوں کی ایک جماعت کے ساتھ رملہ کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ کہ اچانک سلمے سے صلیبی سوار ماہینبی جھنڈے اڑاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ ولیم آف ٹائبر لکھتا ہے کہ نصرانی لشکر نے سلطان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور سلطان کو اتنا موقع بھی نہ ملا کہ وہ مجاہدین اسلام کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر سکے۔ زرہ پوش صلیبی بہادروں نے سلطان کے جانباڑوں کو صف بندی کی بھی جہالت نہ دی اور چاروں طرف سے تلوار برسے لگی۔ مجاہدین نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ اور متواتر چار گھنٹہ تک مسلمانوں نے جو چاروں طرف سے

زیر پوش دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے عیسائیوں کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ سلطان نے اپنے خاص باڈی گارڈ کو کہی بار فرما ہم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ جاننا زچھ اس طرح بکھرے ہوئے تھے کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جنگ کے دوران میں سلطان کئی بار دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا۔ لیکن پھر اس کے گھوڑے کا رخ ہوتا تھا پرے کے پرے صاف کر دیتا تھا۔

”احمد بن تقی الدین“ نام ایک نوجوان مجاہد نے جس کی ابھی موت نہیں بھی نہ نکلی تھیں نصرائیوں کے ایک گروہ پر تنہا حملہ کر دیا اور تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ اس کے چاروں طرف نصرائیوں کی لاشیں نظر آئے لیں۔ آخر اس نے خود بھی جام شہادت نوش کیا۔

میدان کا نقشہ ابھی ایسا ہی تھا کہ آفتاب غروب ہونے لگا۔ مجاہدین اسلام اس تندہی اور جوش سے لڑ رہے تھے کہ نصرائیوں کا غلبہ نہ ہونے دیتے تھے۔ اس وقت شاہ بالڈون کی فوج کے سپہ سالار پرنس آرنلڈ نے زیر پوش صلیبی بہادروں کو جمع کر کے مسلمانوں پر بڑے جوش سے حملہ کیا۔ آخر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سلطان نے پھر ایک بار اپنے جانبا زونکو سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

رات کی تاریکی میں مسلمان میدان نصرائیوں کے حوالے کر کے واپس لوٹے راستہ میں طوفان برق و باد نے آلیا۔ موسلا دھار بارش ہونے لگی جو شخص نصرائیوں کے ہاتھ لگا قتل کر دیا گیا۔ زخمی میدان میں بھوک اور درد کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔ اور رسد کے نہ ہونے سے اور بھی مصیبت کا سامنا ہوا۔ آخر ماہ جمادی الثانی ۳۷۷ھ میں سلطان اپنے بچے کچھ در ماندہ ساتھیوں کے ساتھ نجبہ کے روز قیامہ میں جا داخل ہوا۔

سُلطانِ لشکر جو اطرافِ عسقلان کو بلادِ نصاریٰ کی تاخت و تاراج میں مشغول تھا۔ اس کی کمان ”فقیہِ عیسیٰ“ نامی ایک سردار کے ہاتھ میں تھی۔ ان کو سُلطان کی پسپائی کا کچھ علم نہ تھا۔ یہ لوگ دشمن کے ملک میں یونہی غرور و تحید بلند کرتے پھرتے تھے کہ اچانک نصرانی لشکر سے ان کی مڈ بھڑ ہو گئی۔ نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ بہت سے مجاہدین نے جامِ شہادت پیا۔ فقیہِ عیسیٰ اور اس کے بہت سے لشکری نصرانیوں نے گرفتار کر لئے۔ سُلطان کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُس نے ساٹھ ہزار دینار دے کر تمام مسلمانوں کو جو نصرانیوں کے پاس قید تھے آزاد کرالیا۔

سُلطان صلاح الدین کی تمام عمر میں صرف ہی ایک واقعہ ہے جس میں اس نے نصرانیوں سے زک اٹھائی۔

(اس شکست کا حال سُلطان نے اپنے بھائی ”شمس الدولہ توران شاہ“ کو اپنی قلم سے لکھ کر دمشق بھیجا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ اس نے سُلطان کا خط خود دیکھا تھا۔ اس خط میں سُلطان نے ایک مومن کی طرح اپنی شکست اور نصرانیوں کی فتح کا اعتراف کیا ہے۔ سُلطان کے الفاظ یہ تھے :-

”ہمارا اس میدان سے زندہ بچ کر واپس آنا ایک معجزہ سے کم نہ تھا ہماری ہلاکت اور تباہی یقینی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہم کو ہلاکت سے بچالیا“

اس شکست کا بدلا لینے کے لئے سُلطان نے قاہرہ آتے ہی جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ عیسائیوں نے پہلی فتح سے دلیر ہو کر دو مرتبہ حاکم پر حملہ کیا۔ لیکن دونوں بار سخت نقصان اٹھا کر بے سرو سامانی سے بھاگے۔

آخر ۱۱۷۸ء میں سلطان مجاہدین اسلام کا ایک لشکر حجاز ساتھ لے کر مصر سے نکلا۔ اور شیر کی طرح گرجتا ہوا حمص کے قریب پہنچ گیا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ خود حماہ کی طرف جہاں مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے سے دلتے، وگریباں تھے کوچ کرے اُسے مسلمانوں کی فتح کی خبر ملی۔ اور پھر دو چار روز بعد عیسائی مقتولین کے بے شمار کٹے ہوئے سر اور اسیروں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے حضور میں پیش کی گئی۔

آپ سردی کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ سلطان دمشق میں آکر مقیم ہوا اور یہاں دشمنان اسلام سے بے گناہوں کے خون کا انتقام لینے کی تیاریاں جاری رکھیں۔

۱۱۷۹ء میں نصرانی ایک بہت بڑا جہاز لشکر ساتھ لیکر بادشاہ بالڈون کی سرکردگی میں دمشق پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے۔ راستہ میں جو قصبہ یا آبادی ملتی اُسے لوٹ لیتے اور لوگوں کو قتل کر دیتے۔ جب سلطان کو ان واقعات کا علم ہوا تو اُس نے اپنے بھتیجے "فرخ شاہ" کو بطور مقدمہ الحبش ایک چمیدہ فوج کے ساتھ نصرانیوں کا راستہ روکنے کے لئے فوراً دمشق سے روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی عساکر اسلام کو تیاری کا حکم دیدیا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ سلطان مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر دمشق سے اُنکے فرخ شاہ اور بالڈون کے لشکر کا مقابلہ ہو گیا۔ سلطان نے فرخ شاہ کو سمجھا دیا تھا کہ جب بالڈون کی فوج سامنے سے نمودار ہو تو وہ آہستہ آہستہ دمشق کی طرف ہٹنا شروع کر دے۔ تاکہ وہ خود مجاہدین اسلام کے ساتھ نصرانیوں کا مقابلہ کر سکے، لیکن واقعات کچھ ایسے پیش آئے کہ فرخ شاہ سلطان کی ہدایت پر نقل پیرانہ ہو سکا۔

گودشمن کا شمار بے قیاس تھا۔ لیکن فرخ شاہ بھی شیر کوہ کا بیٹا تھا۔ فوراً مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا اور نصرائیوں کو اتنی جھلت بھی نہ دی کہ وہ اپنی فوج کی صف بنائی کر سکیں مسلمانوں نے زور سے نعرہ توحید بلند کرتے ہوئے نصرائیوں پر اس جوش سے حملہ کیا کہ نصرائی گھبرا گئے اور پہلے ہی حملہ میں بالڈون اسیر ہو گیا۔

لیکن پیشتر اس کے کہ مسلمان اس کو میدان جنگ سے نکال لیجائیں صلیبی سرداروں کا مشہور و معروف سردار اعظم کانسٹبل ہمفری اپنے زرہ پوش سواروں کی جمعیت کے ساتھ اپنے بادشاہ بالڈون کی مدد کو آ پہنچا۔ اور بے نظیر شجاعت دکھا کر بادشاہ کو مسلمانوں سے چھڑا لیا۔ لیکن خود اس جنگ میں مارا گیا۔

کانسٹبل (سردار اعظم) ہمفری ملک فرانس سے بادشاہ لوئس کے ہمراہ صلیبی معرکوں میں شامل ہونے کے واسطے ایشیا میں آیا تھا۔

ابن اثیر اس سردار کے متعلق لکھتا ہے :-

”اس شخص کا وجود مسلمانوں کے واسطے وہاں سے کم نہ تھا۔ شجاعت اور

بہادری میں ضرب المثل تھا۔“

کانسٹبل ہمفری کے قتل ہوتے ہی نصرائیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور تمام لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ اور مسلمان فوج کے شادیاں بجاتے دمشق واپس آ گئے۔

کچھ روز بعد سلطان دمشق سے نکل کر بانیاس کی طرف بڑھا۔ بانیاس کی طرف پیش قدمی کا یہ باعث تھا کہ نصرائی تاجدار نے بانیاس سے

میدان میں جو ایک قدیمی قلعہ تھا اُسے از سر نو تعمیر کروا کر ایک زبردست فوجی چھاؤنی بنا لیا تھا۔ یہ قلعہ مسلمانوں کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ قلعہ کی تعمیر کے دوران میں سلطان نے پہلے ساٹھ ہزار اور پھر ایک لاکھ دینار عیسائیوں کو دینے چاہے تاکہ وہ اس قلعہ کو تعمیر نہ کریں۔ لیکن بالڈون اپنی ہرٹ پر قائم رہا۔ اور سلطان کو آبِ مجبوراً اس کی تسخیر کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

جب بالڈون کو اسلامی لشکر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ پچھلی شکست کا داغ دھونے کے لئے بڑے ساز و سامان اور بے قیاس لشکر کے ساتھ بانیاس کی طرف برٹھا۔ نصرانی اپنی جمعیت کی کثرت پر اس قدر بیٹھوسے ہوئے تھے کہ باقاعدہ طور پر فوج کو ترتیب بھی نہ دیا تھا۔ آگے پیچھے ٹڈنڈی کی طرح بیٹھے چلے آتے تھے۔

انہی لوگوں میں سے ایک مشہور صلیبی سردار جس کا نام آڈو تھا۔ فرقہ ٹمپلر کے چیدہ چیدہ سرداروں اور ان کے لاؤ لشکر کو ساتھ لیکر مسلمانوں کی ایک جماعت پر آپڑا۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے لگی اور زمین مقنولوں کے خون سے لالہ زار بن گئی۔ مجروح اور مرتے ہوئے سپاہیوں کی چیخ و پکار سے میدانِ حشر کا نقشہ نظر آنے لگا۔ کلمہ گو اسلام کی عزت پر سرکٹا کٹوا کر جنت میں داخل ہونے لگے۔

آڈو اور اس کے سرداروں نے مسلمانوں کو اس قدر دبایا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عین اس وقت سلطان خود موقع پر پہنچا اور مسلمانوں کو لٹکار کر کہا:۔

”مسلمانوں جنت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے“

سُلطان کی آواز سُنتے ہی وہ لوگ جو منتشر ہو کر بھاگ رہے تھے رُک گئے اور پھر سُلطان کی سرکردگی میں آگے بڑھ کر نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے اس شدت سے حملہ کیا کہ بہت سے صلیبی سرداروں کو قتل کر ڈالا اور بچے ان میں سے اکثر اسیر ہو گئے۔ اس ایک ہی حملہ میں نصرانی لشکر میں بھاگ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے بھگڑوں کا دُور تک تعاقب کیا۔ ہزاروں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اور ہزاروں کو اسیر کیا۔ قیدیوں میں علاوہ نامی گرامی سرداروں کے والئی رملہ۔ والئی ظراہلس گرینڈ ماسٹر آف دی ہاسپٹل اور ہسپتالر (ہاسپٹل اور ہسپتالر یورپ کے نامی گرامی صلیبی بہادروں کے نام تھے ان کے سردار اعظم گرینڈ ماسٹر تھے) طبریہ کا حاکم اور جبیل کا سردار بھی شامل تھے۔ ان سرداروں کی تعداد جو پابجولاں سُلطان صلاح الدین کے خیمہ میں اس کے ملاحظہ کے لئے پیش کئے گئے ستر (۷۰) تھی۔

سُلطان کا سکر (مصاحب خاص) عماد الدین ایک ایک سترار کو سُلطان کے سامنے پیش کرتا تھا اور یہ سردار خود اپنا حسب و نسب بتلاتا تھا۔ ان سرداروں میں سب سے پہلے والئی رملہ نے ڈیڑھ لاکھ دینار نقد دیئے اور ایک ہزار مسلمان جو اس کے پاس پہلے سے قید تھے آزاد کر کے قید کا ذلت سے نجات پائی۔ باقی ماندہ سردار چونکہ اس وقت فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے جیل میں بھیج دیئے گئے۔ اور حکم دیا گیا کہ ان کے مرتبہ کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے۔

اس فتح کے بعد سُلطان پھر قلعہ بانیاس کی طرف متوجہ ہوا۔

یہ قلعہ بہت مضبوط تھا۔ اور محصورین کے پاس سامان جنگ کے علاوہ
 سامان خورد و نوش بھی کافی تھا۔ اور قلعہ میں نصرائیوں کی ایک بہت بڑی
 تعداد بھی موجود تھی۔ سلطان نے حکم دیا کہ قلعہ کی دیواروں کے نیچے
 خندقیں کھودی جاویں۔ جب خندقیں کھد چکیں تو پھر ان میں بارود بھر کر
 ان کو آگ لگا دی گئی۔ لیکن اس ترکیب سے بھی قلعہ کی دیواروں کو کچھ
 زیادہ نقصان نہ پہونچا۔ خندقوں کو پھر اور بھی گہرا کھودا گیا۔ اور از سر نو
 بارود بھر کر آگ دکھلائی گئی۔ آخر ۳ اگست ۱۱۹۱ء کو دیوار کا ایک حصہ
 منہدم ہو گیا۔ اور عساکر اسلام لغرہ توجیہ بلند کرتے ہوئے اسی راستہ سے
 قلعہ میں داخل ہو کر دشمنان اسلام کا ستھر اؤ کرنے لگے۔ جس قدر مسلمان
 قلعہ میں قید تھے سب آزاد کر لئے گئے اور تقریباً سات سو عیسائی
 اسیر کر کے دمشق کی جانب بھیجے گئے۔ فتح کے بعد سلطان نے قلعہ گروا کر
 زمین کے برابر کر دیا اور پھر مراجعت فرمائے دمشق ہوا۔

مسلمانوں کی ان کامیابیوں سے نصرائیوں کی کمزورتی ٹوٹ گئی۔
 اور انہوں نے سلطان سے عارضی صلح کر لی صلح کے زمانے میں سلطان
 اپنی بحری قوت درست کرنے میں مشغول رہا۔ اور ایک زبردست بیڑا
 تیار کر لیا۔

مسلمانوں کی ان جنگی تیاریوں سے شام کے عیسائی پریشان ہو رہے تھے۔
 آخر خود بالڈون نے سلطان کے پاس صلح کی درخواست بھیجی۔ اور سلطان کی
 پیش کردہ شرائط منظور کر کے صلح کر لی۔

اسی صلح کے دوران میں سلطان کو مسلمانوں کے ایک خانگی قضیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ نور الدین دانی کیفا کی شادی قلعہ ارسلان سلجوقی بادشاہ قونیہ کی بیٹی سے ہوئی۔ لیکن نور الدین اس عالی منصب شہزادی سے بہت سرد مہری سے پیش آتا تھا۔ اپنے خاوند سے ناراض ہو کر شہزادی نے قلعہ ارسلان سے شکایت کی۔ اور شاہ قونیہ نے طیش میں آ کر اپنے داماد پر فوج کشی کے لئے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔

عہد نامہ حلب کی شرائط میں سے ایک یہ شرط بھی تھی کہ سلطان صلاح الدین جنگ و جدل کے وقت اپنے معاونوں کی مناسب مدد کرے گا۔ انہی معاونوں میں نور الدین بادشاہ کیفا بھی تھا۔ سلطان کو خود بھی بادشاہ قونیہ سے کچھ رنجش تھی جب نور الدین نے سلطان سے مدد مانگی تو سلطان نے دوبارہ قونیہ کے سلجوقی سفیر کو بلا کر کہا۔

”اپنے بادشاہ کو میرا سلام دو اور کہو کہ وہ اس حرکت سے باز آجائے ورنہ اس کا ملک تباہ کر دیا جائیگا۔“

اور ساتھ ہی مجاہدین اسلام کو تباہی کا حکم دیدیا۔ سلطانی افواج ابھی کوچ کرتی ہوئی تھوڑی ہی دور گئی تھیں کہ سلجوقی بادشاہ کے سفیر سلطان کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کی اطاعت کا یقین دلایا۔

ادھر سلطان کے سمجھانے سے نور الدین بادشاہ کیفا نے اپنی بیگم سے صلح کرنی اور جنگ و جدل کی نوبت نہ آئی۔

اس واقع کے بعد ہی سلطان کو آرمینیا کی طرف عنانِ توجہ مبذول کرنی پڑی۔ ان دنوں آرمینیا روفیہ، آلبون نام نصرانی بادشاہ کے

زیر نگین تھا۔ ترکمان ایک مدت سے یہاں کی سرسبز چراگاہوں اور زمینوں میں اپنے مویشی چرایا کرتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں سے حاکم آرمینیا ترکمانوں کو تنگ کرنے لگا تھا۔ آسے دن ان کے ریوڑ ہانک کر لے جاتا اور ترکمانوں کو قید کر لیتا۔

یہ لوگ سلطان کے دربار میں حاضر ہو کر فریادیں ہوئے۔ سلطان ایک سربردست جمعیت ساتھ لے کر قرہ حصار کے مقام پر جا بٹھرا۔ اور پھر ملک کے حالات معلوم کر کے فوج ظفر موح کو آرمینیا کے مقبضات کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ بحر اسود کے کنارے کنارے بہت سے چھوٹے چھوٹے شہر آباد تھے۔ سلطان فی شکران کو تسخیر کرتا ہوا آگے بڑھا۔ بحر اسود کے کنارے ایک بہت مضبوط قلعہ تھا۔ شاہ آرمینیا نے اس صوف سے کہ مسلمان اس قلعہ کو اپنی فوجی چوکی نہ بنالیں مسمار کر دینا شروع کر دیا۔ لیکن اس عرصہ میں سلطان خود فوج لیکر قلعہ پر پہنچ گیا۔ مجاہدین اسلام کی تلواریں قضاۃ مہرم کی طرح عیسائیوں کا صفایا کرنے لگیں۔ صبح ہوتے ہی آرمینیا کے سفیر رحم کی درخواست لیکر سلطان صلاح الدین کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور تحریری وعدہ پیش کیا گیا کہ آئندہ ترکمانوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائیگی۔ ساتھ ہی جس قدر مویشی مختلف موقعوں پر لوٹے ہوئے تھے واپس کر دیئے اور اسیر شدہ ترکمانوں کو آزاد کر کے بطور تاوان ایک معقول رقم نقد پیش کی۔

سلطان نے اپنی جہلی فیاضی اور رحم دلی کو کام فرما کر تمام مفتوحہ ارضی علاقہ آرمینیا کے تاجدار کو واپس دیدیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام ایشیا کو چاک میں سلطان صلاح الدین یوسفؒ کے نام کا ڈنکان بج رہا تھا۔ اور دریائے نیل تک مسلمانوں کا سب سے زبردست سلطان تسلیم ہونے لگا تھا۔ چھوٹے چھوٹے تاجدار اپنے اپنے جھنڈوں اور تنازعوں کے لئے سلطان کو ثالث مقرر کرتے تھے۔ ان تمام معاملات میں اس مرد غازی نے کبھی حق پر باطل کو غالب نہیں آنے دیا۔

اکتوبر ۱۱۸۵ء کو تاجداران عراق۔ موصل۔ جزیرہ۔ کیفا سلطان قونیا۔ شاہ آرمینیا اور چند ایک اور حکمرانوں نے ایک کونسل منعقد کی۔ اور اتفاق رائے سے اس شاہی کونسل کا صدر سلطان کو منتخب کر لیا۔ اور اس مضمون کا ایک عہد نامہ آپس میں کیا گیا کہ دو سال تک ایک دوسرے سے برسر پیکار نہ ہونگے۔

عراق

اس ہنگامی صلح کے بعد سلطان صلاح الدینؒ نے اپنے بھتیجے "فرخ شاہ" کو اپنے شامی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر کیا اور خود سال ۱۱۸۷ء کے شروع میں قاہرہ واپس چلا گیا۔ سال گذشتہ کے دوران میں یورپ میں بہت سے انقلابات رونپزیر ہو چکے تھے۔ کئی بادشاہ گوشہ عباسیں جاسوئے تھے اور اب ان کی جگہ پر نوجوان شہزادے سرسرا رہے تھے سلطنت تھے۔ ایشیا میں بھی اسی قسم کے اکثر تغیرات ہو چکے تھے۔ خاندان عباسی کے نرم مزاج خلیفہ معتضد کی بجائے اب مسلمانوں کی امامت

ناصر کے زیر دست ہاتھوں میں تھی۔

سیف الدین غازی موصل کا اتابک اس دار فانی سے کوچ کر چکا تھا۔ اور اس کی گزشتی پر اس کا بھائی عز الدین بیٹھا تھا۔ ۵۴ دسمبر ۱۲۸۱ء کو الملک الصالح اسماعیل نے بعارضہ قونج سفر آخرت اختیار کیا۔ لیکن مرنے سے پہلے یہ وصیت کی کہ اس کا جانشین عز الدین والی موصل ہو۔ چنانچہ الملک الصالح کی موت کے بعد اُمراء حلب نے عز الدین کو ولایت حلب کی دعوت دی۔ عز الدین جب موصل سے چل کر حلب میں داخل ہوا تو اُمراء نے دولت نے بڑی شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا۔ کئی ایک حلبی اُمراء کی یہ خواہش تھی کہ عز الدین ان حلبی مقبوضات پر جو سلطان صلاح الدین کے زیر نگین تھے حملہ کر کے انہیں مملکت حلب میں شامل کر لے۔ لیکن اس نے جو اکتوبر ۱۲۸۱ء کی کونسل میں عہد کیا تھا اُس سے انحراف کرنا پسند نہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد عز الدین نے اپنے بھائی عماد الدین کی والئے سنجار سے حکومت تبدیل کر لی۔ ۱۹ مئی ۱۲۸۱ء کو عماد الدین نے حلب کی حکومت سنبھالی۔

سلطان قاہرہ میں بیٹھا یہ تمام کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔ ۵۴ ادا الدین کے حلب پر قابض ہو جانے سے وہ ناراض تو ہو رہا لیکن عہد نامہ کے پاس کی وجہ سے خاموش رہا۔ گو کونسل کے دیگر اراکین کچھ عرصہ سے عہد نامہ کی شرائط کو بالائے طاق رکھ کر کھلم کھلا جو دل میں آتا کرتے تھے۔ بد عہدی کہنے میں سب سے پہلے نصرانی تاجداروں نے سبقت کی۔ رگنلد چٹیلان بحیرہ مروار کے لب ساحل جو قلعے تھے اُن پر قابض تھا۔ اور جو رک مسلمانوں سے وہ اٹھا چکا تھا۔ اس کا انتقام لینے کے لئے دانت

پیسے نہ تھا۔ انہی دنوں مسلمان سوداگروں کا ایک قافلہ اس کے علاقہ سے گذرا۔ رگنلد چٹیلان نے قافلہ کا سامان لوٹ لیا اور لوگوں کو قید کر لیا۔ سلطان صلاح الدین کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے نصرانیوں کا ایک جہاز جو اس وقت اتفاق سے خشکی پر چڑھ گیا تھا روک لیا۔ ولیم آف ٹائٹر مشہور عیسائی مؤرخ یہ تو مانتا ہے کہ رگنلد نے بد عہدی کی لیکن سکاٹھی سلطان پر بھی یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے دیدہ و دانستہ عیسائی زائرین کا جہاز روک کر بد عہدی کی۔ لیکن دیگر عیسائی مؤرخ خاص کر ارنول اپنی کتاب میں جہاں رگنلد چٹیلان کا ذکر صفحہ ۹۶ و ۹۷ پر کرتا ہے سلطان کو بری الذمہ قرار دیتا ہے۔

بقول علامہ بہاء الدین (حیات صلاح الدین صفحہ ۶۸) ان واقعات کے بعد ہی شام سے سلطان کے پاس یہ شکایت پہونچی کہ خاندان زنگی کے شہزادوں نے اس کے برخلاف نصرانیوں سے اور ساتھ ہی فرقہ اعمیلیہ سے عہد پیمان کر لیا ہے۔ لیکن ان پریشان کن حالات کے باوجود بھی سلطان اپنے عہد پر قائم رہا۔ اور کسی سے معترض نہ ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب یہ اطلاع ملی کہ اس کے دشمن اس کے شامی مقبوضات کی تاخت و تاراج کی فک میں ہیں تو اب وہ بھی ۱۱۸۲ء میں اپنے شامی مقبوضات کی حفاظت کے لئے ایک جرار لشکر لے کر مصر سے نکلا۔

راستہ میں یہ خبر ملی کہ نصرانی اس کا راستہ روکنے کے لئے ایک لشکر فراہم کر رہے ہیں۔ سلطان سیدھا راستہ چھوڑ کر صحرائی راستہ سے دمشق کی جانب ہولیا۔ اس طرف راستہ میں بیتو شلم کے بادشاہ بالڈون کا

شکر پڑتا تھا۔ بالذوق کو اتنی جرات بھی نہ ہوتی کہ سلطان کو اپنے میٹھے پانی کے کنوؤں سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ دمشق میں وارد ہو کر وہ یہ شکر بہت خوش ہوا کہ اس کے شیر دل بھتیجے فرخ شاہ نے جسے وہ شامی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر کر گیا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے ہی بالذوق کے مقبوضات کو تاخوت و تاراج کر کے کئی ایک مستحکم مقامات پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس پیش قدمی میں فرخ شاہ بیس ہزار مویشی اور ایک ہزار نصرانی قیا کر کے دمشق آیا۔

بیروت کا محاصرہ

ماہ جولائی میں سلطان نے پھر ایک بار مجاہدین اسلام کا ایک جزار لشکر لے کر فرخ شاہ کو فلسطین کے تاخوت و تاراج پر مامور کیا۔ مسلمانوں کا آمد آمد کی خبر پانچ نصرانی بھی بہ طرف سے ٹڈی دل کی طرح اپنے مقبوضات کی حفاظت کے لئے اکٹھے ہونے لگے اور ایک بہت ہی بڑی جمعیت کے ساتھ بل آف دی سٹار کوہ ستارہ یا انجم کے پاس ندی کے اُس پار خیمہ زن ہو گئے۔ اور ایک ناکارت کے بعد صلیبی غلہ اور پیرچم ملائی بالقابل لہرائے لگے۔ اور طرفین کے بہادر واد شجاعت دیتے ہوئے خون سے ہولی کھیلنے لگے۔ ولیم آف مائیک بیان ہے کہ دونوں اطراف کا نقصان بے قیاس تھا۔ لیکن اس کشت و خون سے کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ نصرانی تو افرابہ کی طرف لوٹ گئے اور فرخ شاہ دمشق واپس چلا گیا۔

(ماہ اگست میں سلطان خود مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر نکلا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنے بیڑے کی مدد سے اس کے بھائی "العاذل" کی زیرکمان ساحل

فلسطین کی طرف آ رہا تھا بیروت پر قبضہ کر لے۔

جب جہاز آگئے تو بیروت پر خشکی اور ترمی دونوں جانب سے حملہ کر دیا گیا۔ شہر پر دونوں جانب سے تیروں کی بارش ہونے لگی تیر اس شدت سے برسائے جا رہے تھے کہ کوئی شخص گھر سے باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن محاصرہ چونکہ طول کھینچتا نظر آتا تھا اول سلطان کے پاس اس قدر وقت نہ تھا کہ وہ بیروت کی تسخیر کے لئے یہیں پڑا رہے۔ کیونکہ شمالی طرف کے معاملات نے ایسی بکھری صورت اختیار کر لی تھی کہ ادھر متوجہ ہونا بیروت کی تسخیر سے زیادہ ضروری تھا۔ اس لئے وہ اس مہم سے دستکش ہو کر واپس لوٹا گیا۔

بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ بیروت کی تسخیر کا خیال سلطان نے محض اس باعث ترک کر دیا کہ جزیہ کی تسخیر کے اسباب قدرت نے خود مہیا کر دیئے تھے۔

(سلطان خاندان زنگی کی شرارتوں سے سخت کبیدہ خاطر تھا لیکن ابھی تک عہد نامہ کی پابندی کر رہا تھا۔ آخر خدا کر کے میعاد صلح ختم ہوئی اور سلطان دمشق سے چل کر حلب کے قریب جا پہنچا۔ اور تین روز تک دشمن کی ٹوہ لگانے کے لئے وہیں پڑا رہا۔ اور اس عرصہ میں اس کے معاونین بھی ادھر ادھر سے کمک لیکر پہنچ گئے۔

سلطان نے اس لشکر کے ساتھ موصل کی طرف پیش قدمی کی۔ اور موصل کے راستہ میں جس قدر شہر اور فوجی چوکیاں تھیں انہوں نے بلا چون و چرا سلطان کی اطاعت کر لی۔

اسی دوران میں اس کے پاس قاصدوں نے خبر دی کہ نصرانی ایک

بہت بڑی جمعیت کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ سلطان نے نامبر کو بلا کر کہا کہ فکر کی بات نہیں دشمن تو گاؤں اور بنیاں لوٹ کر برباد کرتا ہے۔ لیکن ہم شہر اور قلعے تسخیر کرتے ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب مخالفین کو ان کی شرارتوں کی سخت سزا دوں گا۔

اب عسائی مصری نے موصل کا محاصرہ کر لیا۔ موصل لشکر پہلے سے ہی کیل کانٹے سے تیار تھا اور فیصل شہر پر دسمبر کا بلا۔ کنکے کے لئے بڑے بڑے چیدہ بہادر متعین تھے۔ سامان حرب کے علاوہ ذخائے خور و نوش بھی بکثرت شہر میں موجود تھے۔

لیکن عزالدین "دل سے اس بات کا متمنی تھا کہ کسی طرح سلطان سے صلح ہو جائے۔ سلطان صلح کے لئے آمادہ تو تھا۔ لیکن شرائط بہت کڑی پیش کرتا تھا۔ جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حلب اس کے مقبوضات میں شامل کر دیا جائے۔ اول تو عزالدین خود یہ شرط ماننے کے لئے تیار نہ تھا اور بفرض محال وہ مان بھی لیتا تو اپنے بھائی کو جو حلب میں حکمران تھا کس طرح رضا مند کرتا۔ عزالدین نے ارمن اور ایران کے شہزادوں سے بھی سفارش کروائی لیکن سلطان کی طرف سے ایک ہی جواب ملا۔ موصل یا حلب دونوں میں سے ایک شہر حوالے کر دو۔

آخر ۱۰ نومبر ۱۱۲۲ء کو شہر پر حملہ شروع ہوا۔ اور سلطان خود فوج کا ایک دستہ لے کر "باب کندا" کی طرف متوجہ ہوا۔ اور "باب العماویہ" کی جانب اپنے بھائی "تاج الملوک" کو مقرر کیا اور نورالدین والے کیفہ اپنی جمعیت کے ساتھ خندق کی طرف بڑھا۔ لیکن موصل کی شہر سپاہ کچھ اس قدر مضبوط تھی کہ باوجود سخت حملوں اور یورشوں کے سلطانی لشکر کو

کامیابی نہ ہوئی۔)

سُلطان نے چند تجربہ کار جرنیلوں کو تو موصل کے محاصرہ پر مامور کیا اور خود فوج کا ایک زبردست دستہ ہمراہ لیکر سنجار کی جانب جو موصل کے مغرب میں تین منزل کی مسافت پر واقع تھا اور بلادِ جزیہ میں سب سے زیادہ نشاداب شہر تھا حملہ آور ہوا۔ سنجار پر حملہ آور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حکمرانِ سنجار اہل موصل کا معاون تھا۔ اور اسی جگہ سے محصورین کو غلہ وغیرہ پہنچتا تھا۔

اہلِ سنجار چودہ روز تک جی توڑ کر لڑے آخر مغلوب ہو کر سُلطان کی اطاعت کر لی۔ سُلطان قطب الدین حاکم شہراہ اس نے اُمراسے بڑی نوازش اور تلافی سے پیش آیا۔ اور شہر پر قبضہ کر کے ان سب سرداروں کو موصل کی طرف چلے جانے کی اجازت عطا کی۔

(سُلطان نے سنجار کا انتظام اپنے برادر زادہ "تقی الدین" کے سپرد کیا۔ اور خود ارمن کے بادشاہ کی طرف متوجہ ہوا۔ سُلطان کے بذاتِ خود موصل سے ہرٹ جانے کے بعد دربارِ موصل نے اپنے ایلمچی شاہ ارمن کے پاس بھیج کر اُس کو مدد کے لئے بلایا۔ چنانچہ آرمینیا کا بادشاہ ایک زبردست فوج کے ساتھ کوچ کرتا ہوا حرزم کے مقام پر پہنچا۔ حرزم کے مقام پر والے ماروین اور حلبی لشکر دونوں مل کر سُلطان کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے۔ لیکن جب ان کو شیرِ اسلام کے بذاتِ خاص آئیے کا علم ہوا تو خوف زدہ ہو کر انہوں نے صلح کے واسطے اس سُلطان کے پاس قادیان بھیجے لیکن سُلطان نے ان قاصدوں کو جواب دیا۔ کہ تمہاری درخواست کا جواب میدانِ حرزم میں دوں گا۔)

یہ جواب ان لوگوں کے لئے پیغامِ قضا سے کم نہ تھا۔ اس لئے یہ تمام سرکش صبح ہونے سے پیشتر ہی اپنے اپنے علاقوں کو بھاگ گئے۔ اگلے روز جب عساکر اسلام حرم کے میدان میں پہنچے تو میدان بالکل خالی تھا۔ ان لوگوں کے متعلق علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے: ”یہ سرکش مردوں کی طرح ہجوم کر کے آئے لیکن عورتوں کی طرح ڈر کر بھاگ گئے۔“

حرم کے مقام پر سلطان نے نمازِ ظہر تک آرام کیا۔ اور پھر نماز کے بعد موصول کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اپنی سپاہ کو شہر آمد پر خود ریاٹے دجلہ کے کنارے ایک بہت خوبصورت اور سرسبز شہر تھا بڑھنے کا حکم دیا۔ شہر آمد کی دیوار سیاہ پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اہل آمد نے سلطانِ لشکر سے پہلے ہی حفاظت کے تمام انتظام کر لئے تھے۔ جب محاصرہ شروع ہوا تو آٹھ روز تک ”بہاؤ الدین ابن نیسا“ نے جو آمد کا قلعہ دار تھا نہایت شجاعت سے مقابلہ کیا۔ لیکن نویں روز قلعہ فتح ہو گیا۔ اور شہر پر سلطانِ پرچم لہرائے لگا۔

اس جگہ علاوہ اور بیش قیمت ساز و سامان کے جو سلطان کے ہاتھ لگا ایک کتب خانہ بھی تھا۔ اس کتب خانہ میں کم و بیش دس لاکھ کتابیں تھیں۔ سلطان نے یہ کتب خانہ اپنے استاد قاضی فضل کو عطا فرمایا۔ علامہ ابن ابی طے لکھتا ہے کہ قاضی فضل نے اس کتب خانہ میں سے جو کتب اپنے مطالعہ کے لئے منتخب کیں ان کی تعداد کا اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ وہ ستر اونٹوں پر لادی گئیں۔

سلطان نے اپنی جلی رحمہ اللہ اور فیاضی کو کام فرما کر حاکم شہر کو

اجازت بخشی کہ وہ اپنا تمام مال و اسباب اور حرم جہاں چاہے لیجائے۔ اور رخصت کے وقت نور الدین والے کیفا کو شہر کا گورنر مقرر کر دیا۔

سُلطان ابھی آمدنی میں مقیم تھا کہ اسے حلبی لشکر کی نصرا بیوں کے ساتھ مل کر اسلامی مقبوضات کو تاخت و تاراج کرنے کی اطلاع ملی۔ یہ خبر پا کر سُلطان کوچ کرتا ہوا مقام تل خالد پر جو اطراف حلب میں ایک قلعہ تھا پہونچا۔ اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن ”تل خالد“ کے باشندوں نے دوسرے روز ہی شہر کے دروازے کھول دیے اور سُلطان سے رحم کے امیدوار ہوئے۔ سُلطان نے شہر پر قبضہ کر کے اہل شہر کو امان دی۔ تل خالد سے کوچ کر کے سُلطان مقام غیتاب پر جو حلب کے قرب و جوار میں تین منزل پر واقع تھا (آپہونچا۔ غیتاب ایک تجارتی شہر تھا۔ سلطانی لشکر کے نمودار ہوتے ہی ”ناصر الدین محمد“ جو یہاں قلعہ دار تھا سُلطان کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ اور نذر پیش کی۔ سُلطان ناصر الدین محمد سے بڑے تعلقہ سے پیش آیا۔ غیتاب کی تسخیر کے بعد سُلطانی لشکر پھر ایک بار حلب کے سامنے جبل جوش پر خیمہ زن ہوا۔ اہل حلب اپنے نئے حکمران عماد الدین زنگی سے ناراض تھے۔ اور یہ جوڑ توڑ کر رہے تھے کہ وہ کسی طرح اپنے شہر سنجاور کو واپس چلا جائے۔ اور سُلطان حلب فتح کرنے پر تلا ہوا تھا۔ آخر کچھ گفت و شنید کے بعد صلح ہو گئی اور فریقین میں عہد نامہ ہو گیا۔ اس عہد نامہ کی رو سے حلب سُلطانی مقبوضات میں شامل کر دیا گیا۔ اور سُلطان نے عماد الدین زنگی کو سنجاور، قرنی، منارغ اور خالور کا علاقہ واپس دیدیا۔ چنانچہ ۱۲ جون کو حلب پر سُلطان کا قبضہ ہو گیا۔ حلبی فوج نے ”جبل جیوش“ کے

میدان میں سلطان کی سلامی اتاری اور اہل شہر نے بڑی دھوم دھام سے سلطان صلاح الدین کا خیر مقدم کیا۔ سلطان نے اُمرائے دولت کو خلعت اور انعام عطا فرمایا۔

اہل حایب عماد الدین زنگی سے اس قدر بگڑے ہوئے تھے کہ حایب پر سلطان کے قبضہ ہونے کے دوسرے ہی دن کھلے بندوں اس پر آوانے کسے لگے۔ آخر سلطان نے، ارجون کو دربار عام میں ”عماد الدین زنگی“ کو علاوہ بیش قیمت انعامات کے ایک فاضلہ خلعت عطا فرمایا اور سب آؤر کی طرف جانے کی اجازت عطا فرمائی۔

ان معرکوں میں سلطان کا عزیز بھائی تاج الملوک زخمی ہو گیا تھا۔ یہ بڑا شہسوار شجاع اور رحمدل شہزادہ تھا۔ صلاح الدین کو جب اس کے زخمی ہونے کی خبر ملی تو فوراً عیادت کے واسطے اُس کے پاس گیا اور محبت سے کہنے لگا۔ ”حلب ہم نے تمہارے لئے فتح کیا ہے۔ اب جلد چھٹے ہو جاؤ۔“ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اہل حلب نے سلطان کی ایک بڑی شاندار دعوت کی تھی۔ عین کھانے کے وقت سلطان کو اپنے عزیز بھائی کے مرنے کی خبر ملی۔ سلطان کو سخت صدمہ ہوا۔ لیکن صبر و شکر کا یہ حال تھا کہ وہ خاموش اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ تاکہ اور همان بے لطف نہ ہوں۔ یہ صبر صرف مسلمانوں ہی کو قدرت سے عطا ہوا تھا۔

حلب پر قبضہ ہو جانے سے صلاح الدین عالم اسلام کا ایک زبردست شہنشاہ بن گیا۔ دریائے دجلہ سے دریائے نیل تک اور افریقہ کے ساحل سے طرابلس تک تمام مسلمان متحد ہو گئے۔

۸۳۲ء میں سلطان نے نصرانی قیدیوں کے متعلق جو خط پوپ کو یورپ میں بھیجا۔ اُس میں اپنی فتوحات کا ذکر بھی کیا تھا۔

اب سلطان کو موصل کی جانب سے بھی کوئی خدشہ نہ رہا تھا۔ اور سلطان تونیہ سے دوستانہ مراسم قائم ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی عسقلان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ باقی تھا۔ لیکن اب اس مرد غازی کی آنکھیں بیت المقدس پر جمی ہوئی تھیں۔

سلطان کو خوب معلوم تھا کہ وہ پاک شہر یعنی "بیت المقدس" جسے فاروق اعظم نے فتح کیا تھا اس کی مملکت سے بہت دُور سمندریار ہے۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ بیت المقدس کی حفاظت کیلئے ہزاروں زرہ پوش صلیبی سردار شہر میں موجود ہیں۔ وہ یہ بھی خوب سمجھتا تھا کہ یورپ اور ایشیا کے عیسائی تاجدار "بیت المقدس" کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے جانیں قربان کرنے پر آمادہ بیٹھے ہیں۔ یہ سب کچھ تو تھا۔ لیکن جب اس مجاہد اعظم کو یہ خیال آتا کہ اس مقدس شہر میں نعرہ توحید کی بجائے گھڑیاں اور ناقوس کی آواز بلند ہوتی ہے تو اس کے خرمین دل پر ایک بجلی گرتی۔ اس کا چہرہ اسلامی جوش سے تمتانے لگتا۔ اور ہاتھ بے ساختہ تلوار کے قبضہ پر پڑتا۔ سلطان صلاح الدین دل سے عہد کر چکا تھا کہ وہ "بیت المقدس" کو دشمنان اسلام سے جب تک آزاد نہ کرالیا گا۔ دنیا کا عیش و آرام اس پر حرام ہو گا۔

شام

سلطان صلاح الدین یوسف متواتر دو ماہ تک حلب میں مقیم رہا۔ اس

صلاح الدین غازی شیرنستان کی طرح غصہ سے دھاڑتا ہوا دریائے اردن عبور کر کے ۲۹ دسمبر کو بیتان کے نصرانی علاقہ میں داخل ہو گیا۔ اور چاروں طرف قیامت برپا کر دی۔

نصرانیوں کی گتائی کی سزائیں ان کے شہروں کو جلا کر خاک کر ڈالا۔ اور پھر اسی طرح یورش کرتا ہوا دایہ جزیریل میں داخل ہو کر کوہستان ”گل نوا“ کے دامن میں چاہ جالوت کے مقام پر جا کر خمیہ زن ہوا۔

پورے پورے شیران اسلام جو سلطان نور الدین زنگی کے ہمراہ عیسائیوں کے خون سے اپنی تلواریں رنگ چکے تھے لغرہ توحید بلند کرتے ہوئے ملک میں چاروں طرف پھیل گئے اور نصرانیوں کا ستھراؤ کرنے لگے۔

اسی اثنا میں ایک نصرانی لشکر سے جو کرک کی جانب سے بالڈون بادشاہ یروشلم کی کمک کو آرہا تھا ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ ۳۰ ستمبر کو مجاہدین اسلام نے اس نصرانی لشکر کو صفوریہ کے چشموں کے پاس رک دیکر بھگا دیا۔

ادھر کافی کوسنگن جو ایک بڑا بہادر اور نامور عیسائی سردار تھا اور اس وقت تمام نصرانی لشکر کا قائد اعظم تھا۔ نذر تھ کی پہاڑیوں سے ہٹ کر اسڈرلان کے میدان میں اپنا تمام لشکر لے آیا اور سلطان کا انتظار کرنے لگا۔

مشہور مؤرخ عماد الدین لکھتا ہے کہ آج تک کسی نے سرزمین فلسطین میں فوجوں کا اس قدر اجتماع نہ دیکھا تھا۔ نصرانی لشکر میں تیرہ سو نامی گرامی عیسائی سردار اور ان کے ٹنڈی دل لشکری تھے جو محض لوٹ مار کے لئے دوردراز کے علاقوں سے اکڑ جمع ہو جاتے تھے۔

ان کے علاوہ باقاعدہ قواعد و ان فوج کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔ یہ سب

زرہ پوش تھے۔ ان کے علاوہ یورپ کے نامی گرامی سردار ہنری ڈیول آف لمون اور راف ڈی میلان، عالمی نسب شہزادے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ موجود تھے۔ اسی طرح فلسطین کے نصرانی تاجدار گائی ڈی لوسگن، "رگنڈ چیٹیلان"، بالڈون اور بالین، "رگنڈ آف سیڈان" والڈ اور جوسلین، اور سردار ان کورٹینی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ موجود تھے۔ ولیم آف کائر لکھتا ہے کہ تمام نصرانی مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے سامان لے کر میدان میں آئے تھے۔ اس تمام لشکر کا انصر اگلے گائی ڈی لوسگن تھا۔ جو اپنے وقت کا سب سے جری اور تجربہ کار سردار تھا۔ عیسائیوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے کم نہ تھی، سلطان کو جب اس عیسائی لشکر کا علم ہوا تو بجلی کی طرح ترپ کران پر آپڑا۔ آٹھ منے سا منے ہوتے ہی دونوں لشکر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے۔ وہ گھمسان کالن پڑا کہ تھوڑی ہی دیر بعد خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

زرہ پوش صلیبی سردار دیوار آہنی کی طرح پرجھمٹے کھڑے تھے۔ سلطان نے پانسوا زمودہ سواروں کو ان کی طرف بڑھایا۔ ان مشتاقان شہادت نے جانیں فدا کر دیں۔ لیکن اس دیوار آہنی کو اپنی جگہ سے ہٹا سکے دوران جنگ میں اٹلی اور وینس کے سوداگر جو اپنے جہازوں میں تھے نصرانی بھائیوں کی مدد کے لئے آگئے تھے۔ لیکن

سامنے تقدیر کے رسوائی تیرہ دیکھ

لڑائی اسی طرح ہو رہی تھی کہ رات کی تاریکی نے طرفین کو اپنے دامن میں چھپالیا اگلے روز عیسائیوں کو ماتھا اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوا بلکہ ترک مسیحیت کی طرح خیموں میں دبے بیٹھے رہے۔ پانچ دن اسی طرح گزر گئے۔ مجاہدین نے

یلغار کرتا ہوا ان صلیبی لیٹروں کے سر پر جا پہنچتا اور ان کو بھگتا کر راستہ صاف کر دیا۔

۱۲ اگست ۱۸۴۷ء کو پھر کرک کی طرف متوجہ ہوا سلطان کے حکم سے اس کا بھائی الملک العادل نور الدین بھی اپنے اپنے لشکریوں کے ساتھ آ پہنچے۔ اور پہلے ہی حملہ میں شہر ربط پر جو کرک کے مضافات میں سے ہے قبضہ کر لیا۔

آرتور ملہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ ان دنوں رگنلڈ ٹیٹیلان کی ہمشیرہ کی ہمسفر سی شہزادہ ٹوران کے ساتھ شادی رچی ہوئی تھی۔ رگنلڈ اس موقع پر یہ چال چلا۔ کہ اس نے سلطان کے پاس تحائف اور بہت عمدہ عمدہ پھل بھیج کر اسے بھی شادی میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ سلطان نے پھل وغیرہ قبول کر لئے اور عساکر اسلامی کو قلعہ پر حملہ کر نیسے روک دیا۔ تاکہ شہزادی کی شادی بخیر و خوبی ہو جائے۔

سلطان تو شہر میں مقیم تھا اور اہل قلعہ شادی کی رومات کے پردے میں جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ آخر جب شہزادی رخصت ہو چکی تو پھر جنگ شروع ہوئی۔

شہر اور قلعہ کے درمیان ایک ساٹھ گز عمیق خندق تھی۔ ہر روز اس خندق پر نصرانی اور مسلمان ایک دوسرے سے دست و گویاں ہوتے۔ دشمن قلعہ کی دیواروں پر سے محاصرہ پر پتھریوں کے ذریعے تیر اور پتھر پھینکتے تھے۔ اور ساتھ ہی بادشاہ بالڈون کے پاس مدد کے لئے قاصد دوڑا رہے تھے۔ چنانچہ سلطان کے جاسوسوں نے اسے ایک روز ایک نصرانی لشکر کے آنے کی اطلاع دی۔ سلطان قلعہ سے محاصرہ اٹھا کر عساکر اسلام کے ساتھ

بالڈون کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ نصرانی سلطان کی آمد آمد کی خبر سنکر مقابلہ سے ہٹ گئے۔ دو روز تک سلطان ان کی پیشقدمی کا منتظر رہا۔ آخر تیسرے روز خود دشمن کی طرف فوج کو بڑھنے کا حکم دیا۔ اور دو تین منزل آگے بڑھکر بھی جب دشمن کا پتہ نہ ملا۔ تو سلطان نے اور آگے بڑھ کر شہر نابلس پر جو فلسطین میں ایک نہایت بارونہ شہر تھا قبضہ کر لیا۔ مجاہدین اسلام نے نصرانیوں کی تادیب کے لئے شہر کے اکثر کوچہ و بازار کو جلا دیا۔ پھر نابلس سے چل کر شہر سبتطیہ پر جو دو منزل آگے تھا قبضہ کر لیا۔ اور ۱۶ ستمبر ۱۸۳۲ء کو عساکر اسلام فتح مندی کے شادیاں بجاتا ہوا دمشق کی طرف لوٹ گیا۔

ان فتوحات کے بعد سلطان اور نصرانیوں کے درمیان کچھ عرصہ تک جنگ جاری رہی۔ ۸۵-۸۶ء کے درمیان بالڈون بادشاہ یروشلم نے انتقال کیا اور اس کا خیردوسال بیٹا بالڈون پنجم کے لقب سے اس کا جانشین ہوا۔ اور کوئٹہ ریمانڈ والے طور ابلس نائب سلطنت مقرر ہوا۔ اس تقریر سے ”مقامی ڈی گوسکن“ کوئٹہ ریمانڈ کا حریف بن گیا۔

صلیبی جمہور بات کے بارے میں نصرانیوں میں اختلاف رائے تھا۔ بعض مسلمانوں سے لڑنے کے حق میں تھے اور بعض اس کے خلاف تھے لیکن صلیبی سرداروں کے دو مشہور گروہ ٹائٹ، ٹیڈرز اور ٹائٹ ہاسپٹلرز ملٹی تھے۔

(آخر یہی فیصلہ ہوا کہ سلطان سے عارضی طور پر صلح کر لی جائے اور اس اشتباہی جنگی فوجی تیاریاں مکمل کر لی جائیں۔ چنانچہ ایک عہد نامہ کی رو سے

چار سال کی ہنگامی صلح فریقین کے درمیان ہو گئی۔
لیکن تقوڑے ہی عرصہ بعد یہ صلح بھی برائے نام ہی ثابت ہوئی کیونکہ
نصرانی اپنی حرکتوں سے اب بھی باز نہیں آتے تھے۔

یورپ میں مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو طرح طرح سے اکسایا جا رہا تھا
اور مسیح کا واسطہ دلا دلا کر تاجداروں سے مدد کی درخواست کی جاتی تھی۔
ادھر سرداران ٹیپلر اور ہاسپٹل ملک میں دورہ کر کے لوگوں کو جنگ پر
بھڑا رہے تھے۔

جنگ و جدل کا کوہ آتش فشاں گواس وقت خاموش تھا لیکن لاوا کی
ہولناک موجیں اس کے سینہ میں ضرورتاً طم خیز تھیں جن کی وجہ سے
گاہے گاہے خوفناک جھٹکے محسوس ہونے لگتے تھے۔ اور یہ اندیشہ ہو رہا تھا
کہ یہ پہاڑ کسی دن پھٹ کر ملک میں تباہی اور بربادی کے دریا بہائے گا۔
سُلطان نصرانیوں کی طرف سے غافل نہ تھا۔ وہ بھی مجاہدین اسلام کی تنظیم
میں مشغول تھا۔ اور ساتھ ہی ملک کے انتظام میں بھی لگا ہوا تھا۔ ہفتہ میں
دوبارہ دربار کرتا اور دو خوشنما تباہی بقبضل عماد الدین
اور غلامہ بہاؤ الدین جیسے فرزانہ روزگار آدمی اس کے مصاحب تھے۔
عماد الدین اصفہانی سلطان کا سکریٹری آف سیٹ تھا۔ یہ شخص علم و فضل
اور سیاست میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ یہی عماد الدین تمام شاہی سلطنت کا
چانسلر وزیر عظم اور کونسل آف سیٹ (مجلس مشاورت) کا صدر عظم بھی تھا۔

نصرانیوں سے کھلے طور پر تو بد عہداری کی امید نہ تھی۔ لیکن موصول کا
سیاسی مطلع کچھ عرصہ سے مکر رہور رہا تھا۔ اور اب مجبوراً سلطان کو

موصل کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا۔ ۱۲ محرم ۵۸۱ھ میں سلطان نے سیف الدین کی سرکردگی میں ایک لشکر کو موصل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اور خود حران کے علاقہ کی طرف بڑھا۔ مظفر الدین والئے حران سلطان کو ہمیشہ موصل پر فوج کشی کرنے کی ترغیب دیتا رہتا تھا اور اخراجات جنگ کے لئے بہت سارے پیسے پیش کرنے کا وعدہ بھی کرتا تھا۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو وہ ایفائے وعدہ نہ کر سکا۔ اس سے سلطان کو کچھ شبہ پیدا ہوا۔ سلطان نے حران پر قبضہ کر کے مظفر الدین کو زیرِ عراست کر لیا۔ حران وہ قایمی شہر تھا جو طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے آباد ہوا تھا۔ تحقیقات سے مظفر الدین جب بے گناہ ثابت ہوا۔ تو سلطان نے اسے خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ اور اس کا ٹلک اس کے حوالے کر دیا۔

حران میں ایک دورِ زقیام فرمانے کے بعد سلطان موصل کی طرف بڑھا۔ موصل کے اتابک نے سلطان کی آمد کی خبر پا کر اپنی والدہ اور چچیری بہن یعنی سلطان نور الدین زنگی کی اُس صاحبزادی کو جس کے کہنے پر سلطان نے قلعہ اعزاز واپس دیدیا تھا اپنی سفارش کے لئے سلطان کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان نے ان کا بڑی عزت و احترام سے استقبال کیا۔ ممکن تھا کہ ان کی سفارش نگار گزرتی۔ اور سلطان موصل اسے واپس لوٹ جاتا۔ لیکن اس موقع پر اراکینِ دربار نے مخالفت کی۔ اور ایک منجملے صاف گو آدمی نے تو یہ بھی کہ دیا کہ ایک عورت کے کہنے پر موصل سے ہٹ کر ہوجانا خلافِ مصلحت ہوگا۔ چنانچہ سلطان اپنے رفقا اور اُمراء کے مشورے سے مجبور ہو کر ان عالی نسب شہزادیوں کو بہت قیمتی تحائف دے کر بڑی عزت و احترام کے ساتھ واپس بھیج دیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔

موصل کے لوگ جب مایوس ہوئے تو بڑی بہادری سے مادر وطن پر جانیں قربان کرنے لگے۔ سلطان گو محاصرہ پرمجما ہوا تھا۔ لیکن دل میں اس بات سے نادم بھی تھا کہ اس نے اپنے ولی نعمت کی بیٹی کو بیوی بے نیل و مرام واپس بھیج دیا ہے۔ وہ موصل سے واپس چلے جائیگی ترکیب نو سوچنا تھا۔ لیکن کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

اسی اثنائیں آرمینیا کے تاجدار کے انتقال کی خبر پہنچی۔ سلطان نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور دربار شوری سے مشورہ کر کے موصل سے محاصرہ اٹھا کر اخلاط کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے ناصر الدین بن شیر کوہ کو اخلاط کی طرف بطور ہراول بڑھنے کا حکم دیا۔ اور خود باقی ماندہ لشکر کے ساتھ میا فارقین کے راستہ سے اخلاط کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اور چند ایک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں پر میا فارقین پر قبضہ کر لیا۔

گرمی کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ اور بارشیں کثرت سے ہونے لگی تھیں۔ موسم کے تغیر کے ساتھ ہی سلطان بیمار ہو گیا۔ بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ لشکر کو ادھر ہی چھوڑ کر شاہی اطباء کے مشورے سے وہ تبدیل آہے ہوائے لئے حران چلا گیا۔ اور اپنے ایک دوست کے ہاں ہمان ہوا۔

سلطان کی بیماری کی خبر پا کر مقرر سے اس کا بھائی "نکاب العادل" بڑے تجربہ کار اور حاذق طبیب ساتھ لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ بہت دنوں کے علاج کے بعد سلطان کی طبیعت سنبھلی۔

فروری ۱۱۹۶ء میں موصلی سفر باریاب ہوئے۔ یہ پہلا دن تھا کہ اتنی مدت کے بعد غسل کر کے سلطان دربار میں آیا تھا۔ موصلی سفر پیغام صلح لے کر حاضر ہوئے تھے۔ کچھ گفتگو کے بعد اس شرط پر صلح ہو گئی

کہ عزالدین اپنے تمام مفتوحہ ممالک میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھوائے۔
اور سکے بھی اسی کے نام سے ضرب ہو۔

اس کے علاوہ بطور تادان جنگ شہر زرارہ اور ولایت زابل سلطان
مقبوضات میں شامل کر دی جائیں۔ ۳۔ پانچ سالہ کو سلطان نے اس
عہد نامہ پر دستخط کر دیئے۔ اور اس عہد نامہ کی رو سے تمام شمالی عراق
اور کردستان کا کچھ حصہ سلطان کے قبضہ میں آ گیا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر صلاح الدین یوسف آہستہ آہستہ سفر
کرتا ہوا حران سے چل کر دمشق آ گیا۔

سلطان کی علالت کی خبر سن کر اہل دمشق بہت پریشان تھے۔
اس کے آنے پر اہل شہر نے بڑی دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا
اور مساجد میں اس کے لئے دعائیں مانگی گئیں اور رات کو شہر میں
چراغان کیا گیا۔

جہاد

گو ہنگامی صلح کی میعاد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن نصرانی کھلم بھندوں
مخالفت پر تلے ہوئے نظر آتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کو ان کی
گیدڑ بھجکیوں کا کچھ خوف نہ تھا۔ شمال کی جانب سے میران باکل صاف
ہو چکا تھا۔ اور تمام تاجدار سلطان کا لوہا مانتے تھے۔ اور کسی نہ کسی صورت
میں خراج ادا کرتے تھے۔ دمشق اور مصر کے علاوہ اب عراق سے بھی کمکی
فوجیں طلب کی جاسکتی تھیں۔ اسی طرح تاجدار موصل۔ والے مستحجار۔

والے جزیرہ۔ والے اربل اور حکمران حران کے علاوہ دریائے دجلہ کے اس پار رہنے والی کرد اقوام سلطان کی صدا پر لبیک کہنے کو تیار تھے۔ سلطان کی رگ و پے میں جہاد کا شوق بھرا ہوا تھا۔ لیکن وہ کبھی پیشقدمی اور سبقت نہیں کرتا تھا۔ بلاوجہ کسی دشمن پر یورش کرنا اس کے اصول کے خلاف تھا۔ یہ صرف دستِ قدرت تھا جو ایسے اسباب مہیا کر دیتا تھا کہ سلطان کو اس طرف متوجہ ہونا پڑتا۔

کونٹ رگنلڈ چٹیلان والے کرک نے جس کی سرشت میں بدعمری۔ دغا بازی اور مکر و فریب تھا باوجود عہد و پیمان کے حجاج کے ایک قافلہ کو جب اس کے مقبوضات کے قرب و جوار سے گزر رہا تھا۔ گرفتار کر لیا یہ ۹۹۱ء کا واقعہ ہے۔

سلطان اس وقت مصلحت سمجھ کر خاموش رہا۔ اور یہ دیکھنے کیلئے کہ باقی نصرانی زاجدار کو تٹ کے اس فعل پر کیا عمل کرتے ہیں عید اُمّی مونس یہ واقع اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک قافلہ اس کے قلعہ کے قرب جوار میں سفر کی درماندگی دُور کرنے کے لئے قیام پذیر تھا۔ رگنلڈ نے بدعمری کر کے قافلہ کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور اہل وقت قافلہ کو قید کر لیا۔ تقریباً ۷۰ لاکھ اشرفیاں چھین لیں۔

یہ وشلیم کے بادشاہ ہالڈون کو جب کونٹ کی اس حرکت کا علم ہوا تو اُس نے اپنا سفیر اس کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ وہ اہل قافلہ کو آزاد کر دے۔ اور تمام مال و اسباب اور نقد روپیہ واپس کر دے۔ رگنلڈ نے بادشاہ کے سفروں کو دربار سے پسوا کر کے نکلوا دیا۔

۱۱۸۲ء میں رگنلڈ نے ایک اور بھی بیچ حرکت کی اور وہ یہ تھی کہ سرزمین

پاک حجاز کی تسخیر کے لئے چڑھ دوڑا۔ لیکن ۱۱۸۶ھ میں جب نصرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو گئی اور مسلمانوں کے قافلے بلا خوف خطر مصر اور شام میں سفر کرنے لگے۔ تو کچھ عرصہ تو امن و امان سے گزر گیا۔ لیکن اسکے بعد ایک موقع پر کونٹ رگنلڈ نے مسلمانوں کا ایک بہت مالدار قافلہ جو اس کے مقبوضات کے پاس سے گزر رہا تھا لوٹ لیا۔ اس قافلہ میں سلطان کی ایک ہمیشہ بھی سفر کر رہی تھی۔ قافلہ والوں نے کونٹ کی بہت مزیت سمجھ لی۔ لیکن اس بدبخت نے جواب میں کہا بھی تو یہ کہا۔

”جاؤ اپنے اللہ اور محمدؐ کو مار دے کہ لئے بلاؤ“

سلطان کو جب اس گستاخانہ جواب اور اپنے خویش واقارب کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی رسوائی کی خبر پہنچی تو اس نے سردر بار حلف اٹھا کر یہ عہد کیا کہ وہ اس بیباک نصرانی کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔

(نصرانی مؤرخوں کا بیان ہے کہ کونٹ رگنلڈ کی یہ حرکت یر و شلم کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔ سلطان پہلے بھی کئی بار کونٹ کے دارالخلافہ کرکٹ پر حملہ کر چکا تھا۔ لیکن ہمیشہ ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن اب سلطان نے ایشیا کی تمام نصرانی سلطنت پر حملہ کرنے کی نیت کر لی۔ چنانچہ اپنے بھائی ”الملک الفضل“ کو مصر سے بلا کر دمشق کا انتظام اس کے سپرد کیا۔ اور مملکت مصر کا انتظام ملک العادل اور ملک العزیز کے سپرد کیا۔ یہ دونوں اس وقت حلب میں تھے۔ اور ایک جہاز لشکر کی تیاری کی تاک پر کھڑے ہو کر مصر بھیج دیا۔ اسی طرح حلب کی حکومت پر الملک الظاہر کو مامور فرمایا کہ ایک فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ تاکہ انتظامات

فارغ ہو کر پانچ سالہ میں سلطان نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی اور مفتوحہ ممالک کے گورنروں، والیوں اور وائسرائوں کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے لشکروں کے ہمراہ علمِ سلطانی کے نیچے جمع ہو جائیں۔ اس فرمان کے پہنچنے ہی پر طرف سے مجاہدین اسلام کی فوجیں دمشق کی طرف روانہ ہونے لگیں۔ (سلطان نے تمام ملکی لشکر کی کمان "افسر الملک الفضل" کے سپرد کر کے اسے نصرانی سرحد کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اور خود مجاہدین اسلام کی ایک زبردست جمعیت کے ساتھ کرک کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔) اس موقع پر حجاج کا کارواں عساکرِ سلطانی کی موجودگی کے باعث کرک کی سرحد پر سے بلا خوف و خطر گزر گیا۔ مجاہدین اسلام نے کونٹ رگنلڈ کے ملک کی اینڈ سے اینڈ بجا دی۔ لیکن کونٹ اپنے قلعہ سے مقابلہ کے لئے باہر نہ آیا۔ سلطان عشا طرہ کے مقام پر خیمہ زن ہو کر اس لشکر کا جو مصر کی جانب سے آ رہا تھا انتظار کرنے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نصرانی خانی جھگڑوں میں الجھ رہے تھے۔ یروشلم کا خور و سال بادشاہ بالڈون پنجم کچھ عرصہ بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد کونٹ جو سیلون والے لوٹنی اور کونٹ رگنلڈ چیشیلان والے کرک نے سردارانِ ٹیپلر کے سربراہانِ عظم سے جسے ماسٹر آف دی ٹیپلر کہتے تھے الملکر کی بڑی بیٹی شہزادی سبیلادوی کو یروشلم کے تخت پر بٹھلا دیا۔ شہزادی سبیلادوی کی شادی کونٹ کھائی لوسگن سے ہوئی تھی شہزادی نے امراے دولت کے مشورہ سے تاج اپنے خاوند کو پہنا دیا۔ اور دیگر باجگزار شہزادوں نے بھی اسے تاجدار تسلیم کر لیا۔

لیکن کونٹ ریمانڈ والے طریقے سے جس کی ان دنوں سلطان سے صلح تھی اور دونوں میں یہ عہد و پیمان ہو چکا تھا کہ بحالت جنگ ایک دوسرے کی فوج سے مدد کوں گے۔ ”گائی لوسگن“ کی مخالفت کی او بادہ المرک کی چھوٹی شہزادی کے شوہر کونٹ ہمفری والے ٹوران کو تخت پر قبضہ کر لینے کی ترغیب دی۔ کونٹ ریمانڈ کی یہ تجویز کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ ہمفری نے گائی لوسگن کو تاجدار تسلیم کر لیا۔ اور کونٹ ریمانڈ اور کونٹ بالڈون والے رملادونوں نے گائی کی حکومت کو تسلیم کر نیسے انکار کر دیا۔

مشہور سوانح نگار ابو شامہ۔ عماد الدین اور عیسیٰ مؤرخ ارل ول لکھتے ہیں کہ سبیلہ اور گائی لوسگن نے کونٹ ریمانڈ کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے طریقے سے پیرچہ بھائی کر دی۔ سلطان نے حسب عہد ایک زبردست فوج کونٹ ریمانڈ کی مدد کے لئے بھیج دی۔ لیکن لڑائی تک فوج نہ پہنچی اور یہ خائفی قضیہ یوں ہی رفع دفع ہو گیا۔

سلطان جہاد کے لئے تمام انتظامات درست کر چکا تھا۔ اب سلطان نے اپنے بڑے بیٹے الملک الفضل کو طبریہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ابھی کونٹ ریمانڈ اہل گائی کے تعلقات ویسے ہی کشیدہ تھے کہ ”الملک الفضل“ نے کونٹ ریمانڈ سے دریائے جاردون عبور کر کے نصرانی علاقہ میں گھومنے کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ کسے جان و مال کو نقصان نہیں پہونچایا جائیگا۔

کونٹ نے جو اپنی ریاست کی سلامتی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی کا راز

سلطان کی دوستی میں مضمر سمجھتا تھا۔ بخوشی اجازت دیدی لیکن اس شرط پر کہ ایک روز کی بیہوشکار کے بوز مسلمان واپس آجائیں۔ کونٹے نصرانیوں کو حکم دیدیا کہ کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔

شامی سردار اور ان کے لشکر کی ادھر ادھر گھوم رہے تھے کہ اچانک سردار اعظم ٹیپلر (ماسٹر آف دی ٹیپلز) اور سردار اعظم (رینڈ ماسٹر آف ہاسپٹل) ہاسپٹلرز اپنے صلیبی بہادروں کی ایک جماعت سے آمنو دار ہوئے۔

آرٹول لکھتا ہے کہ کونٹے سے اجازت لیکر الملک افضل خود تو دریا کے کنارے خیمہ زن ہوا لیکن والے حیران کو دواور نامی گرامی سرداروں کے ساتھ سات ہزار سوار و کمر دشمن کا بیتہ لگانے کیلئے بھیج دیا۔ یہ لوگ ادھر ادھر مزے سے گھوم رہے تھے کہ اچانک نصرانیوں کی فوج سے جس میں اکثر سرداران ٹیپلر اور ہاسپٹلر تھے ان کی ٹڈ بھڑ ہو گئی۔

دراصل نصرانی سرداروں کو مسلمانوں کے اس علاقے میں گھومنے کی کسی طرح اطلاع مل گئی تھی۔ ان لوگوں نے ریمانڈ کے وعدہ کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور جھٹ مسلمانوں سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اس نزاع کا رن پڑا کہ میدان تھوڑی ہی دیر میں لاشوں سے بھر گیا۔ نصرانی مسلمانوں کے ہاتھوں سے اس جنگ میں بڑی طرح مارے گئے۔ آخر مسلمان آہستہ آہستہ دریائے جاردون کی طرف واپس لوٹے اور حسب وعدہ راستہ میں نہ تو کسی گاؤں کے باشندوں کو لوٹا اور نہ ہی مکانات کو جلایا۔

فرانسیسی مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں سے صرف تین نصرانی زندہ بچ کر بھاگ گئے۔ مشہور عیسائی مؤرخ آرنول لکھتا ہے کہ بہت سے نصرانی ہلاک ہو گئے اور جو بچے وہ اسیر کر لئے گئے۔ مقتولوں میں گرینڈ ماسٹر آف دی ہاسپٹلرز یعنی فرقہ ہاسپٹلرز کا سردار غظم بھی تھا۔

قیدیوں میں چالیس نامی گرامی صلیبی سردار (نائٹ کروسیڈر) تھے۔ مجاہدین مقتول سرداروں کے سر نیزوں پر چڑھائے ہوئے شہر میں سے چُپ چاپ نکل گئے۔

اس واقع کی خبر جب نصرانی تاجداروں کو پہنچی تو سب کونٹ ریماڈر کو برا بھلا کہنے لگے۔ کونٹ نے بھی اس نقصان کی تلافی کے طور پر نطراہرا کاٹی لو سنگن سے صلح کر کے اسے تاجدار تسلیم کر لیا۔ کونٹ ریماڈر کاٹی لو سنگن دونوں جنگوں میں شکست کھانے کے بعد ایک دوسرے سے بغلیکے ہوئے اور اب مل کر عساکر سلطان کی روک تھام کی تدبیر آخر یہ فیصلہ ہوا کہ صفور بہ کے چیمپوں کے گرد و نواح میں تمام نصرانی لشکر جمع کر لیا جائے۔ اسی طرح ہنری شاہ انگلستان نے صلیبی محاربات کیلئے جو رقم انگلستان سے بھیجی تھی۔ اس سے ایک علیحدہ جمعیت فرانیم کی گئی۔ اس لشکر کا فوجی نشان انگلستان کا قومی جھنڈا تھا۔

بارہ سو بڑے نامی گرامی صلیبی سردار بمع اپنے لاؤ لشکر کے اور اٹھا ہزار قواعد و دان فوج اور اسی قدر سوار سر سے پاؤں تک لوہے میں اوپسکی بنے سلطان کا راستہ روک کر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس موقع پر نصرانی لشکر کی تعداد پچاس ہزار سے کم نہ تھی۔

ادھر سلطان بھی جنگی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ حلب۔ موہل او

دیگر یا جگذا روالیان ملک سلطان کے ہمرکاب تھے۔ علاوہ مجاہدین اسلام کے ایک زبردست لشکر جو اسلام کے نام پر پیکر ٹوٹا باعث صد اقتدار سمجھے جاتے تھے۔ بارہ ہزار سوار جن میں اسے ہر ایک رستم و اسفندیار کے نام کو زندہ کرتا تھا خود سلطان کی زیر کمان تھے۔

(سلطان نے تاسل کے مقام پر مجاہدین اسلام کا معاشرہ کیا۔ اور ملک برمی والے حوآن اور تقی الدین اپنے بڑے زادہ کو دائیں بائیں کی کمان پر مامور کیا۔ اور باقی ماندہ سرداروں کے ہمراہ اپنے بارہ ہزار سواروں کے لشکر کے قلب میں رہ کر ۲۶ جون ۱۸۸۷ء کو پیش قدمی شروع کی۔)

عساکر اسلام پہلی شب جھیل گالیلی کے جنوبی کنارے پر خیمہ زن ہوا۔ یہاں جاسوسوں نے سلطان کو اطلاع دی۔ کہ صفوریہ کے میدان میں نصرانی لشکر مجاہدین اسلام کا راستہ روکے پڑے ہے۔ یہ خبر پا کر سلطان نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور یہ صلاح ٹھہری کہ خود آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرنا چاہیے۔ مجاہدین اسلام نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے دریائے جاردن کو عبور کر کے صغیرہ کے مقام پر جای خیمہ زن ہوئے۔ اور سپیدہ سحر کے نمودار ہوتے ہی اس سلسلہ کوستان کی ڈھلوانوں اور چوٹیوں پر جو شہر طبرہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر تعین کر دیا۔ اور بذات خود سواروں کا ایک زبردست دستہ ہمراہ لے کر کوٹ ریمانڈ کے شہر پر بعد نماز صبح بادل کی طرح گرجتا ہوا جا پہنچا۔ قلعہ میں کوٹ کی بیگم موجود تھی اس نے ”گائی لو سنگن“ کے پاس مدد کے لئے قاصد دوڑائے اور قلعہ کی فوج کو مقابلہ کے لئے ابھارا۔ لیکن سلطان کا نام سن کر نصرانیوں کو گھروں سے اور سپاہ کو قلعہ سے سترنگ لے کر جرات نہ ہوئی۔ مجاہدین نے شہر میں

گھس کر کونٹ کی عمر شکنی کی سزا میں شہر کے بڑے بڑے بازاروں کو آگ لگادی۔
اور تمام شہر لوٹ لیا۔

بقول فرانسسیسی مورخوں کے سلطان خود قلعہ کے دروازے کی طرف
بڑھتا اور گرز مار مار کر اسے توڑ ڈالا۔ قلعہ میں داخل ہونے سے پیشتر
سلطان نے اعلان کر دیا تھا کہ کونٹ ریمائڈ کی بیگم بچوں اور اس کے
ذاتی مال و سہاب کو ہرگز نقصان نہ پہنچایا جائے۔

اسی اثناء میں سلطان کو گائی لوسگنن اور اس کے نصرانی لشکر کی
آمد آمد کی اطلاع ملی۔ سلطان نے کچھ مجاہدین شہر کی حفاظت کیلئے
وہیں چھوڑ دیئے۔ اور خود باقی ماندہ لشکریوں کے ساتھ اپنے لشکر میں آگیا۔
اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔

صفوریہ جہاں گائی لوسگنن کا لشکر بٹا تھا ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ شہر کے
گرد کوئی فصیل نہ تھی۔ ایک عالیشان گرجا آبادی کے وسط میں تھا۔ اور
شہر سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر چشمہ صفوریہ تھا۔ اس چشمہ کا پانی میٹھا
اور بہت سرد تھا۔ اس پاس کی آبادیوں سے نصرانی لشکر کو سامان خور و نوش
بجائی مل سکتا تھا۔ چشمہ کے پاس سے ہی صاف اور میٹھے پانی کی ایک چھوٹی سی
نالی وادیوں سے نکل کر دور تک قصبہات کو سیراب کرتی چلی جاتی تھی۔

سلطانی لشکر اس جگہ سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ایک کھلے میدان
میں خیمہ زن تھا۔ جنوب میں حطین کا چھوٹا سا قصبہ تھا۔ یہ شہر بہت سرسبز اور
پہاں کی زمین بڑی زرخیز تھی۔ عساکر اسلام کے اس پاس میوہ دار اشجار کے
باغات بکثرت تھے۔ اور تمام ملک ندی نالوں سے سیراب ہو رہا تھا۔

اسی جگہ سے جانبِ عکلا ایک شہر ایک لقمہ ووق میدان میں سے راستہ جاتا تھا۔ اس میدان میں پانی کا نام و نشان نہ تھا اور یہی میدان دونوں لشکروں کو جُدا کئے ہوئے تھا۔

موسم بہت گرم تھا اور پیدل فوجوں کا نقل و حرکت کرنا بہت دشوار۔ کوہِ طہین کی سب سے اونچی چوٹی سے سترہ سو فٹ نیچے جھیل گائیلی کا پانی آئینہ کی طرح چمکتا نظر آتا تھا۔ اور دُور فاصلہ پر کوہستان کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی نظر آتی تھیں۔

یہ مقام فوجی نقطہ نگاہ سے مسلمانوں کے لئے خطرناک تھا۔ مجاہدین تو پہاڑیوں پر مورچے لگائے بیٹھے تھے اور نصرانی تین طرفوں سے ہجوم کئے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے عقب میں نصرانیوں کا اپنا ملک تھا۔ سامنے جھیل تھی۔ لیکن نصرانیوں کو بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک صحرا سے گذر کر آنا تھا۔ اور یہاں پینے کو ایک پانی کا قطرہ بھی نہ ملتا تھا۔

(اس میدان کو عبور کرنا تو دشوار تھا ہی۔ لیکن سب سے زیادہ نصرانیوں کو حراساں کرنے والا خود سلطان کا میدان جنگ میں موجود ہونا تھا۔ ”گائی لو سگن“ کے بہت سے رفیق تو سلطان کا نام سن کر ہی پریشان ہو رہے تھے اور اپنے لشکر کی سلامتی اس میں دیکھتے تھے کہ کسی محفوظ جگہ مورچہ لگا کر سلطان کے حملے کو روکیں۔ ”گائی لو سگن“ اور اس کے مشیر یہ جانتے تھے کہ کسی طرح عقب سے سلطان کا راستہ روک لیں لیکن اس قسم کی جرات کا حوصلہ کسی کو نہیں پڑتا تھا۔)

گرینڈ ماسٹر آف دی پپلر (پپلر سرداروں کا سردارِ عظیم) اس تمام رائے کے خلاف تھا وہ چاہتا تھا کہ طبریہ کی طرف بڑھ کر سلطان پر

حملہ کیا جائے۔ لیکن کونٹ ریمانڈ اس تجویز کے خلاف تھا۔ کونٹ نے فوجی کونسل میں صاف صاف یہ کہہ دیا کہ مجھے اپنے ملک کی تباہی اور اپنے حرم کی گرفتاری کی کچھ پرواہ نہیں۔ لیکن میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ محض میری خاطر نصرانی لشکر تباہ کیا جاوے۔ اگر ہم طبریہ کی طرف بڑھے تو پھر سلطان سے جان بچا کر بھاگنا مشکل ہو گا۔

لیکن کائی لوسگن نے سردار اعظم ٹمپلر سے ہی اتفاق رائے کیا۔ اور جمعہ کے روز مورخہ ۳ جولائی کو نصرانی لشکر صلیبی جھنڈے لہراتا ہوا صفوریہ سے طبریہ کی طرف بڑھنے لگا۔

ابھی نصرانی تھوڑی دُور ہی آگے بڑھے تھے کہ مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ادھر ادھر سے نکل کر راستہ ہی میں ان کو پریشان کرنے لگیں۔ اور سلطان زسالہ کے سوار ملائے بے درماں کی طرح ادھر ادھر سے ان پر آ پڑتے۔ اس موقع پر نصرانی سردار اول کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں مسلمان ان کے لشکر کو دو حصوں میں نہ بھاڑ دیں۔

سرداران ٹمپلر فوج کے عقب میں چلے آتے تھے۔ کائی لوسگن نے تمام لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ کونٹ ریمانڈ نے جو بطور ہراول اپنی فوج کے ساتھ تمام لشکر کے آگے آگے چلتا تھا اس مقام پر شب باش ہونے کی مخالفت کی اور کہا کہ جس طرح بھی ہو کسی ندی نالے کے پاس پہنچ کر قیام کرنا چاہئے۔ کئی ایک تجربہ کار صلیبی بہادر کونٹ ریمانڈ کے ہم خیال تھے لیکن ”کائی“ نے یہاں ہی قیام کرنے کا حکم دیدیا۔

نصرانی ابھی سے پیاس محسوس کرنے لگے تھے۔ سردار اول کو یقین تھا

کہ گائی کی ہرٹ آج صلیب کی رسوائی اور پروان مسیح کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔ گاہے گاہے نعرۂ تکبیر فضا میں گونجتا جو سنائی دیتا تو اس سے لوگوں کے حوصلے اور بھی پست ہونے لگتے۔

مجاہدین نے موقع پا کر نصرائیوں کے گھاس کے ذخیرہ کو آگ لگا دی۔ یہ مصیبت بجائے خود کچھ کم نہ تھی۔ صبح ہوتے ہی صلیبی ہار لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رات کی تاریکی میں سلطان نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دے لیا تھا۔

عماد الدین لکھتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کا ترکش تیروں سے بھرا ہوا تھا۔ ستر اونٹ تیروں سے لدے لشکر میں تیر تقسیم کرنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اور دیگر سامان جنگ سے چار سو اونٹ لدے ہوئے اور موجود تھے۔

شہسوار مشرق کے اپنی آتشیں رتھ پر سوار ہو کر نکلتے ہی ہلال و صلیب کے پرچم ہوا میں لہرا لہرا کر سپاہیوں کی رگِ حمیت کو جوش میں لانے لگے۔ غلامانِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور پروانِ مسیحِ حطین کے میدان میں اپنے اپنے مذہب کی آن پورا و مادر وطن کی آبرور پر کھلکھلانے کے لئے تیار ہو گئے۔

آخر دونوں جانب سے دادِ شجاعت ملنے لگی۔ لیکن ”گائی ولسٹن“ ایک ہی معرکے کے بعد چند جاں نثاروں کو ساتھ لے کر مقامِ صور کی طرف نکل آیا۔ مجاہدین نے کچھ دُور تک تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔

عساکرِ اسلام نصرائیوں پر تیروں کی بارش اس کثرت سے کر رہے تھے کہ

آسمان سے ایک ٹہنی دل کے اترنے کا لمان ہوتا تھا۔ آبِ دونوں طرف کے بہاؤ در صفوں کو چیر کر آگے بڑھے اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ سرکٹ کٹ کر زمین پر گرتے تھے لیکن پاؤں اپنی جگہ سے نہ ہلتے تھے۔

(سُلطان ادھر ادھر گھوٹا اڑائے پھر مارتا تھا۔ جہاں ضرورت دیکھتا خود آگے بڑھ کر جہاں نشانِ اسلام کو حوصلہ اور غیرت دلاتا۔ اور جنت کا وعدہ یاد دلا دلا کر جنگ پر ابھارتا۔

ادھر صلیبی سردار ایک دیوارِ آہنی کی طرح جم کر کھڑے تھے۔ اور پہلے درجہ کی شجاعت اور دلادری سے مجاہدینِ اسلام کے ریتے کو روکتے تھے۔ علامہ بہاؤ الدین جو خود جنگ میں موجود تھا لکھتا ہے :-

”صلیبی بہادر شجاعت اور بہادری کے حیرت انگیز جوہر دکھلا رہے تھے سرکٹواتے تھے۔ لیکن قدم جگہ سے نہ ہٹتا تھا۔ مجاہدینِ اسلام ایک موجِ طوفان خیز کی طرح ان زرہ پوش سرداروں پر اچھل اچھل کر پڑتے تھے۔ لیکن جس طرح سمندر کی لہریں پہاڑوں سے ٹکرا کر نیچے لوٹتی ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی حملہ کرنے کے بعد واپس لوٹتے اور پھر نعرہٴ تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھتے۔“

نصرانی چاہتے تھے کہ کسی طرح چشموں کی طرف نکل جائیں۔ لیکن یہ راستہ باتدبیر اور بہادر صلاح الدین خود روکے کھڑا تھا۔ سُلطان قلب لشکر میں آکر محاکمہ ہے گا ہے نعرہٴ تکبیر بلند کرتا۔ نصرانی راہب اور مذہبی پیشوا بھی اس کا جواب دیتے۔ لیکن شیرِ اسلام کی گرج سن کر جری سے جری بھی حوصلہ مارنے لگے تھے۔

نصرانی بھی اپنے سرداروں کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے سرفروشانہ

طور پر مسلمانوں کی صفوں پر گرتے تھے۔ لیکن جن لوگوں کو دشمن کی تلوار میں جنت نظر آتی ہو۔ وہ ان حملوں کو کب خاطر میں لاتے تھے۔ نعرۃ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھ بڑھ کر تلواریں مارتے تھے اور جامِ شہادت پیتے تھے۔

(نصرانی راہب اور پادری صلیب صلیبوت یعنی سوئی کی وہ لکڑی جس پر مسیح علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے دکھا دکھا کر اور پکار پکار کر یہ کہہ جتا پرامادہ کرتے تھے۔ بہاد۔ و آگے بڑھو۔ آج خدا کا بیٹا دونوں ہاتھ پھیلائے تمہیں گلے لگانے کے لئے بیتاب ہو رہا ہے اور آسمان کی بادشاہت کے دروازے تمہارے منتظر ہیں۔)

صلیبی بہادر اپنی جمعیت کی کثرت کے بل پر برابر میرے ان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ نصرانی "العطش العطش" (اسپاس) پکارتے تھے لیکن میدان سے بھاگنے کا نام لیتے تھے۔ سردارانِ اسلام اپنی صفوں سے نکل کر صلیبی سرداروں کو نام سے پکار پکار کر مقابلہ کیلئے نکالتے اور مزاح و اڑاپنے سپاہیوں سے آگے نکل کر لڑتے۔ خون کے ندی نالے ہر طرف بہنے لگتے تھے۔ تمازت آفتاب سے میدان کو پنے کی طرح تپ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آج دونوں لشکر اسی مقام پر کٹ جائیں گے۔ لڑائی کا شور و سنک تھا کہ اچانک نصرانیوں کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے۔ ان کے دیکھ کر مسلمان سرداروں نے اپنے سپاہیوں کو ملکا مارا۔ اور ہر طرف سے نہایت شدت سے ہلہ بول دیا۔ نصرانی اس عام حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ہتھیار پھینک پھینک کر امان طلب کرنے لگے۔

شہرہ آفاق سردارانِ پٹیل اور ناسپیل راہبیت مار چکے تھے خود ان کا تاجدار بڑے اضطراب میں تھا۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی نظر نہ آئی

اور میدان کا نقشہ پلٹتا نظر آنے لگا تو اس نے کونٹ ریمائڈ کو پاس بلا کر کہا کہ چونکہ میدان جنگ کا نقشہ تھا اسے مقبوضات میں ہے۔ اس لئے میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ لشکر کو جس ڈھنگ پر چاہو لڑاؤ۔

(کونٹ نے اپنا نشان بلند کر کے اپنے سرداروں کو اکٹھا کر لیا اور سلطان پر حملہ کرنے کی نیت سے آگے بڑھا۔ لیکن سلطان کا برادر زاوہ نقی الدین اس کے ارادے کو تاڑ گیا اور سواروں کا ایک دستہ لیکر کونٹ کا راستہ روک لیا۔ اور نعرہ توجید بلند کرتے ہوئے ایسا مسر فر و شیا نہ حملہ کیا کہ کونٹ کی جمعیت اس حملہ کی تاب نہ لا کر منتشر ہو گئی۔ یہ موقع نصرانی تاجدار کے لئے بہت خطرناک تھا۔ ایک سو پچاس نامی گرامی صلیبی سرداروں نے اپنے تاجدار کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔ اب نصرانیوں کو بہادری اور پامردی دکھلانے کا یہ آخری موقع تھا)

علامہ ابن اثیر بیان کرتا ہے کہ اس معرکہ میں سلطان کا سب سے چھوٹا بیٹا فضل بھی موجود تھا۔ شہزادہ اس وقت سولہ سال کا تھا۔ شہزادہ فضل نے نصرانیوں کے اس آخری حملہ کا حال اس طرح بیان کیا ہے :-

”میں اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ نصرانی تاجدار اپنے لشکر سے کچھ ہٹ کر ایک پہاڑی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس کے سرداروں نے ہمارے سپاہیوں کو اس بے جگری سے حملہ کیا کہ یہ ہٹتے ہٹتے سلطان کے قریب پہنچ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنے سپاہیوں کی پہلی صف میں جا پہنچا اور نعرہ توجید بلند کرتا ہوا نصرانی سرداروں پر ہار پڑا۔ سلطان کی

آواز سنتے ہی مسلمان آگے بڑھے اور نصرائیوں پر تلواریں برسے لگیں
 نصرائی پیچھے ہٹنے لگے۔ اس وقت خوشی سے میری زبان سے نکلا۔ وہ
 کافر مار لئے۔ لیکن عین اس وقت نصرائی سواروں کی ایک زرہ پوش
 جماعت مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی۔ مسلمان پھر پیچھے ہٹنے لگے سلطان
 مسلمانوں کو آگے بڑھا کر خود اپنے مرکز میں اکھڑا ہوا تھا۔ مجاہدین کو
 مقابلہ سے ہٹتے دیکھ کر پھر آگے بڑھا۔ نصرائیوں نے سلطان کو ہچان کر
 ایک سرفروشانہ حملہ کیا۔ لیکن اس وقت اور بہت سے ستر و سلطان
 کے پاس پہنچ چکے تھے۔ نصرائی اس مجاہد عظیم کے سامنے نہ رک سکے
 اور پہاڑی کی جانب جہاں ان کا تاجدار کھڑا تھا پسپا ہونے لگے۔

ساتھ ہی ہر طرف سے نصرائی بھاگتے نظر آنے لگے عیسائی تاجدار
 کا خیمہ پر ہاڑی پر نصب تھا۔ صلیب صلیبوت کا جھنڈا ہوا میں لہرا رہا تھا۔
 مجاہدین کی ایک جماعت مقابلہ کرتی ہوئی پہاڑی پر چڑھ گئی۔ شاہی خیمہ
 گرا دیا گیا۔ صلیب صلیبوت عاقہ کے پادری کے ہاتھ میں تھی۔ یہ پادری
 زرہ لگائے تلوار ہاتھ میں پکڑے بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

صلیب صلیبوت مسلمانوں نے چھین لی۔ مجاہدین نے یورپ اور
 ایشیا کے بڑے نامی گرامی سرداروں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔
 ان لوگوں سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ غلامی اور قید کی رسوائی سے بچنے
 کے لئے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے گردنیں کٹواتے۔ مسلمانوں کا ہجوم
 دیکھ کر بڑے بڑے سردار گھوڑوں سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اور
 اپنے اسلحہ اتار کر مسلمانوں کے سامنے پھینکنے لگے۔

یہ دیکھ کر سلطان بھی گھوڑے سے اتر اور قبلہ رُوم سر بسجود ہو کر

مالک کون و مکان کے حضور میں عاجزی کے ساتھ فتح کا شکرانہ
ادا کرنے لگا۔

اسیروں میں نصرانی تاجدار اور اس کا بھائی۔ کونٹ رگنلد چٹیلان۔
کونٹ جوسیلین۔ کونٹ ہئمفری۔ گرینڈ ماسٹر آف دی پیلا اور ماسٹیلرز کا
سردار اعظم۔ ان کے علاوہ اور بھی ہر ت سے نامی گرامی صلیبی بہادر تھے۔
کونٹ ریمارڈ نصرانی تاجدار کو اسیر دیکھ کر اسلامی لشکر کو چیرتا ہوا
میدان سے نکل گیا۔ اور عیسائیوں کی اس خوفناک تباہی پر غم کھا کھا کر
کچھ عرصہ بعد مر گیا۔

کونٹ سیلین والئے ابلین اور حکمران سیڈان یہ دونوں سردار بھی
جان بچا کر بھاگ گئے۔ نصرانی لشکر میں سے جو بھاگ گئے وہ تونج گئے باقی سب
اسیر کر لئے گئے۔

عماد الدین اور ابو شامہ لکھتا ہے کہ مقتولوں اور مجروحوں کا شمار کرنا
ناممکن تھا۔ میدان جنگ بہادروں کے خون سے لالہ زار بنا ہوا تھا۔
جدہر لنگاہ اٹھتی کٹے ہوئے سر۔ ماتھ پاؤں۔ انسان اور حیوان دونوں کے
جسم پڑے نظر آتے تھے۔

فتح کے بعد سلطانی خیمہ میدان جنگ میں نصب کیا گیا۔ اور قیدی
یکے بعد دیگرے پیش ہوئے لگے۔ سلطان نے حکم دیا کہ زنجیروں اور قیدیوں
کو پانی پلایا جائے۔

(قیدیوں میں سب سے پہلے نصرانی تاجدار اور کونٹ چٹیلان
پیش کئے گئے۔ سلطان نے یروشلیم کے تاجدار کو عزت سے مسند کے پاس

بٹھلا لیا۔ اور اپنے ہاتھ سے برف میں لگے ہوئے پانی کا پیالہ پینے کیلئے دیا۔
گائی آسگنن نے خود پانی پی کر پیالہ رگنلڈ چیٹیلان والے کرک کو جو سامنے
کھڑا تھا دیا۔ جب رگنلڈ پانی پی چکا تو سلطان اپنی جگہ سے اٹھا اور
رگنلڈ کے سامنے کھڑے ہو کر مترجم کے ذریعہ کہا:۔

”میں نے دو بار تم کو قتل کرنے کا عہد کیا تھا۔ ایک تو اُس وقت
جب تم نے خاک پاک حجاز کی بے حرمتی کی۔ دوسرے اُس وقت
جب تم نے بے گناہ مسلمانوں کے قافلہ کو لوٹ کر اسیروں کو تہنگ کیا۔
لیکن اس وقت اگر تم اسلام قبول کر لو تو بھی آزاد کر دوں گا۔“
چیٹیلان نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔

سلطان پھر اسے مخاطب کر کے بولا:۔

”جب مسلمانوں نے نہایت عاجزی سے تم سے رحم کی درخواست کی
تھی تو تم نے اُن کو عذاب دیا تھا کہ جاؤ اپنے اللہ اور محمد کو مدد کے لئے بلاؤ۔
بدبخت خبردار ہو جا۔ آج حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک ادفے غلام اپنے بھائیوں کی مدد کرتا ہے۔“

یہ کہہ کر سلطان نے تلووار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ چیٹیلان کی گردن کھٹ کر
سر نیپٹ کی جانب لٹکنے لگا۔ شاہی خدام نے آٹھے بڑھ کر سترق سے جدا
کر دیا اور لاش کھینچ کر خیمہ سے باہر لے گئے۔

چیٹیلان کا حشر دیکھ کر بادشاہ اور دیگر اُمرا خوف سے کانپنے لگے۔
لیکن سلطان نے ان سب کو تسلی دی اور کہا کہ بادشاہ بادشاہوں کو
قتل نہیں کیا کرتے۔ رگنلڈ اس سزا کا سزاوار تھا۔ اور پھر نصرانی
سرداروں کی طرف دیکھ کر کہا:۔

”یاد رکھو جو حضور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر گیا
اس کا یہی حشر ہوگا۔“

اکثر صلیبی سردار خصوصیت سے فرقہ ٹپکرا اور فرقہ ماسپیٹلرز کے
سردار جو مسلمانوں کو گرفتار کر کے اذیت دے کر قتل کر ڈالتے تھے۔ اس مجرم
کی پاداش میں قتل کروادیئے گئے۔ اور تاجدار یر و شلم اور اس کے خاص خاص
اُمراء سے شانہ سلوک کیا گیا۔ اور باقی اسیروں کے متعلق بھی یہ حکم دیکر کہ
ہر ایک کی خاطر اس کے مرتبہ کے مطابق کی جائے سب کو دمشق کی طرف
بھیج دیا۔

بقول عماد الدین دمشق میں ایک ایک نصرانی تین تین دیں مار کر
فروخت ہوا۔ عیسائی مورخین کے قول کے مطابق اس جنگ میں جسے
جنگ حطین کہتے ہیں کم و بیش تیس ہزار نصرانی مارے گئے۔ لڑائی کے
ایک سال بعد تک بھی میدان میں مقتولوں کی لاشوں کے ڈھانچے ملتے تھے۔

فتح بیت المقدس

بیت المقدس کو ایلینا اور یر و شلم بھی کہتے ہیں۔ یہودیوں۔ عیسائیوں اور
مسلمانوں سب کے لئے مقدس رہا ہے اور مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں سے بھی زیادہ
اس کا احترام کرتے ہیں۔ چونکہ عیسائی اور یہودی یہاں باہمی آویزش رکھتے تھے
اس لئے مسلمانوں کی حکومت اس مقام کا احترام کرنے کے لئے گویا ایک
خدائی فرمان تھا۔

سب سے پہلے فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

عہد گردوں میں بیت المقدس مسلمانوں نے فتح کیا۔ مجاہدین اسلام فتحیاب ہو کر جس شان سے شہر میں داخل ہوئے اور اق تاریخ اس کے شاہد ہیں۔ فاروق اعظم نے عساکر اسلام کو جو حکم دیا تھا وہ یہ تھا:-
 ”کسی غیر مصافی کا خون نہ گرایا جائے۔ کوئی عمارت جلا کر یا مسمار کر کے خراب نہ کی جائے۔ عورتوں بچوں اور بوڑھوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ جو لوگ فدیہ ادا کر دیں ان کو آزاد کر دیا جائے۔ سختی اور ظلم سے پرہیز کی جائے“

یہ وہ احکام تھے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین دوم نے اپنی فوج کو صادر کئے اور تاریخ شاہد ہے کہ فتح و منصور مسلمانوں نے کس سختی سے ان کی تعمیل کی۔ چار سو ساٹھ سال تک پرچم ہلال بیت المقدس پر لہرا کر توحید کی عظمت کا سکہ مخالفین کے دلوں پر بٹھاتا رہا۔ اس تمام عرصہ میں شاید ہی کوئی ایسی مثال ڈھونڈے سے ملے جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں نے غیر اقوام پر اس جگہ کبھی سختی یا ظلم و ستم کیا ہو۔

لیکن باوجود ہر قسم کی آسائش اور آرام اور مذہبی آزادی کے پھر بھی عیسائی اقوام کے دل میں بیت المقدس پر مسلمانوں کا حکم ان ہونا ایک خار کی طرح کھٹک رہا تھا۔ اور یہ لوگ ایک مدت سے چمکے چمکے مسلمانوں کو یہاں سے نکلانے کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔ آخر چار صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد مخالفین کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ اور بیت المقدس کے در و دیوار پر پھر ایک بار صلیب کا نشان فطر آنے لگا۔

پیر و ان سچ نے فحتمند ہو کر مسلم اور غیر مسلم اقوام پر جو ظلم و ستم روا رکھے ان کی کیفیت دیکھنے کے لئے اگلی مسلمان مونیخ کی کوئی کتاب دیکھنے کی

ضرورت نہیں۔ انصاف پسند عیسائی مؤرخوں نے ان مظالم کو خود بڑی تفصیل سے سپرد قلم کیا ہے۔ یہ خونچکاں داستان پہلی صلیبی جنگ کے بیان میں موجود ہے۔ مسلمانوں پر عیسائیوں نے جو مظالم کئے ان کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور پھر جب سلطان صلاح الدین اعظم نے دوبارہ بیت المقدس پر قبضہ کر کے اسے نصرانی حکمرانوں سے آزاد کیا اور جو سلوک ان سفاک صلیبی ہزاروں سے کیا جنہوں نے اپنے عملوں سے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ مسیح علیہ السلام کی بھیڑیں نہیں بلکہ خونخوار بھیڑیے ہیں۔ وہ ہم ان اوراق میں بیان کریں گے۔

(فتحِ حطین کے بعد مجاہدین اسلام سرسجود ہو کر درگاہ ایزدی میں شکرانہ فتح بجالائے۔ تمام شب فاتح لشکر کے خیموں میں سے نعرۂ توحید جوش و خروش سے بلند ہوتا رہا۔ یروشلم پر نصرانی قبضہ کو دس سال کم سو سال ہو چکے تھے۔ اور یہ تمام زمانہ مسلمانوں سے لڑتے بھڑتے گزرا تھا۔ لیکن جس قدر نقصان دشمن کو جنگِ حطین میں اٹھانا پڑا اس سے پہلے اس کی نظیر نہ ملتی تھی۔

اس فتح سے دو ماہ بعد شمال میں بیروت اور جنوب میں غزاتاک یعنی سوائے چند ایک نصرانی قلعوں اور چھائنیوں کے تمام فلسطین پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ عیسائیوں کی صرف دو سلطنتیں اس وقت مطلق العنان تھیں جن میں سے ایک تو یروشلم کی سلطنت تھی اور دوسری حکومت طرابلس۔

حطین کے میدان میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سلطان ایک زبردست جمعیت کے ساتھ طبرہ کی جانب بڑھا۔ اور ۵ جولائی ۱۸۷۱ء بروز شنبہ قلعہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

لیکن کونٹ ریمانڈ کی بیگم نے بلاشرط قلعہ حوالے کر دیا سلطان نے بھی بیگم سے اس کے مرتبہ سے زیادہ اسکی عزت کی اسے اپنے مال و اسباب۔ خدام اور عزیز واقارب کے ساتھ اپنے خاوند کے پاس چلے جانے کی اجازت دیدی۔

بیگم کے چلے جانے کے بعد سلطان قلعہ پر قابض ہو گیا اور لشکر کو ملک میں پھیلا دیا۔ مجاہدین اسلام جدہ ہر جاگ پھیرتے تھے و نصرت آکر قدم لیتی جس شہر پر سے گزر ہوتا۔ اہل شہر دروازے کھول دیتے اور رحم کے طالب ہوتے۔ کہیں کہیں بہت زیادہ کشت و خون نہ ہوتا۔ سلطان خود ۸ جولائی ۱۸۷۱ء کے روز مجاہدین کا ایک زبردست لشکر ساتھ لے کر عکہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اہل شہر پر اس قدر ہیبت چھائی کہ ”الامان الامان“ کہتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے۔ سلطان نے ان لوگوں کو امان دی۔

عیسائیوں نے سلطان سے شہر سے نکل جانے کی درخواست کی۔ یہ درخواست منظور نہ کی گئی اور یہ لوگ جن قدر مال و اسباب اٹھا کر لے جاسکتے تھے ساتھ لے کر شہر سے نکل گئے۔ سلطان نے شہر میں داخل ہو کر چار ہزار مسلمانوں کو جو ایک عرصہ سے قید کی کڑیاں جھیل رہے تھے آزادی کا مژدہ سنایا۔ عکہ یا عکا سواحل شام پر ایک بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ اور طبرہ سے

چوبیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ شہر کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی شہر پناہ بارہ میل لمبی تھی چمچے کے روز سلطان اپنے اُمَر کے ساتھ عکہ کی مشہور مسجد میں جو تین لسلوں سے گلیسا بنی ہوئی تھی فریضہ نماز ادا کیا۔ اس جگہ سے بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ پارچات جواہرات۔ سیم وزر اور سامان جنگ سب ہی قسم کی چیزیں تھیں۔ دریا دل اور فیاض سلطان نے تمام مال و اسباب مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

عکہ میں اطمینان سے بیٹھ کر سلطان نے لشکر کو مختلف حصتوں میں تقسیم کر دیا اور مقرر سے اپنے بھائی العادل کو تخیر فلسطین میں مدد دینے کے لئے طلب کیا۔

ملک العادل قاہرہ سے ایک زبردست مصری جمعیت کے ساتھ چلا اور قلعہ مجدل اور یافا کو تاخت و تاراج کرتا ہوا آگے بڑھا۔

(اس عرصہ میں سلطان نے فوج کو بڑھا کر ٹوران کا محاصرہ کر لیا۔ اور چھٹے روز یعنی ۲۶ جولائی کو شہر پر پرچم اسلام لہانے لگا۔ اگست کے پہلے ہی عشرہ میں مجاہدین اسلام نے ساحل کی طرف پیش قدمی کر کے سرفندا۔ صیدا۔ بیروت اور جبیل پر قبضہ کر لیا۔)

ہر ایک جگہ عیسائیوں سے نہایت فیاضانہ سلوک ہوتا رہا۔ ایک بیروت کے محاصرہ میں پورا ایک ہفتہ صرف ہوا۔ دو چار بار تلوار بھی چلی لیکن آخر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ ان معرکوں کے بعد سلطان عسقلان کی طرف متوجہ ہوا۔

(عسقلان بربل دریا ایک عظیم الشان شہر تھا۔ اہل شہر عسقلان کو عروس الشام کہا کرتے تھے۔ عسقلان کی فتح بیت المقدس کی تخیر کا پیش خیمہ

تھی جس روز سلطان مجاہدین اسلام کے ساتھ عسقلان پہونچا۔ اتفاق سے اسی روز دوسری جانب سے اس کا بھائی الملک العادل مصری افواج لے کر پہونچ گیا۔

۲۳ اگست ۱۱۸۷ء کو شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور شہر بپناہ مسمار کرنے کے لئے منجیقین لگا دی گئیں۔ ظہر کے وقت مجاہدین اسلام نے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ شہر کی محافظ فوج بھی جو آب ترکی بہ ترکی دینے لگی۔ پندرہ روز تک یہی صورت رہی۔ نہ تو مجاہدین کا جوش کم ہوتا اور نہ ہی اہل شہر ہمت ہارنے لگتے نظر آتے۔

اگلے روز مسلمانوں نے قلعہ کی بیر ذی دیوار میں ایک سوراخ کر لیا۔ اور پورس کر کے اسی راستہ سے شہر میں داخل ہو گئے۔ مجاہدین کے شہر میں داخل ہوتے ہی عیسائی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کے باشندے رحم کے طالب ہوئے۔

سب معمول ان لوگوں کو امان بھی دی گئی اور شہر سے با آرام نکلنے کی اجازت بھی عطا ہوئی۔ یہ لوگ عسقلان چھوڑ کر یروشلم کی طرف چلے گئے۔ ۲۴ ستمبر ۱۱۸۷ء کے روز عسقلان کی دیواروں پر پرچم ہلالی اڑنا نظر آنے لگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان نے جو مخلوق خدا کا نافع خلق پہانا پسند نہیں کرتا تھا، دمشق سے تاجدار یروشلم اور گرینڈ ماسٹر آف دی ٹمپلر ویل اور کہا کہ اگر تم اہل شہر کو اطاعت پہ آمادہ کر دو۔ تو تم کو آزاد کروں گا۔

گامی ٹوسکن اور اس کے رفیق سرور اعظم نے اس معاملہ میں جس قدر کوشش کی اور جو نتیجہ نکلا اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن سلطان نے شہر فتح ہو جانے کے بعد اپنا وعدہ پورا کیا اور ان دونوں کو آزاد کر دیا۔

اور پھر موسم گرما میں اور نصرانی سردار بھی چند شرائط کے ساتھ آزاد کر دیئے گئے۔

ارنول مشہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ جس روز عسقلان پرمسلمان قابض ہوئے۔ اسی روز سورج گہن میں آیا اور ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔ عسقلان کی فتح کے بعد سلطانی لشکر النصرہ۔ قیساریہ۔ حیفہ۔ زیب۔ معلیا۔ اسکندر ونہ۔ عور۔ ارعین۔ دیوریہ۔ لجون۔ اریحا۔ سنبل۔ تل صافیہ۔ تااحمر۔ جبل الجلیل۔ لابیہ۔ قونیہ وغیرہ وغیرہ مقامات پر قابض ہو گیا۔

اہل تیروشلم کو عسقلان کی فتح کا حال معلوم ہوا تو وہاں کے چند معززین ایک وفد کی صورت میں سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر طالب ایمان ہوئے۔ سلطان۔۔۔ ان لوگوں سے بڑی مروت اور حرمانی سے پیش آیا اور کہا کہ تیروشلم جس طرح عیسائیوں کیلئے مقدس شہر ہے۔ اسی طرح کلمہ گو بھی اُسے باحُرمیت شہر سمجھتے ہیں اگر تم لوگ یہ وعدہ کرو کہ یہوشلم پر حملہ کے وقت اہل شہر نصرانی فوج کی مدد نہیں کریں گے اور جب تم لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ نصرانی فوج مجاہدین کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو پھر تم شہر کے دروازے کھول دے تاکہ محاصرہ کی فوج نہ پہنچے تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمام نصرانی باشندوں کو عیسائی مملکت میں با آرام پہنچانے کا انتظام کروں گا۔ لیکن ان لوگوں نے یہ شرائط منظور نہ کیں اور عرض کیا کہ ہم اس مقدس شہر کو جہاں ہمارے نجات دہندہ کو سولی دی گئی تھی اپنا خون بہاتے بغیر تو مسلمانوں کے حوالے نہ کریں گے۔

اہل دربار یگستاخانہ جواب سُکر غصہ سے دانت بٹسنے لگے۔ لیکن بہادر سلطان مسیحی سردار کے جذبہ اور جرات پر بہت قوتیں ہوا اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ بھی بیت المقدس میں صرف تلوار کے زور سے داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔ کسی سے ساز باز یا اسی قسم کی کوئی تدبیر اختیار نہ کرے گا۔

اس وقت یروشلم میں کم و بیش ایک لاکھ نفوس آباد تھے اور شہر کی حفاظت اُن صلیبی بہادرؤں کے سپرد تھی جو جنگِ خطین میں زک اٹھا کر یہاں آ گئے تھے۔ ان میں سے اکثر سرداروں نے جنگِ خطین میں شامل ہونے سے پیشتر اپنے اہل و عیال یروشلم بھیج دیے تھے۔ کونٹ بالیان والے ایلن کو جو خطین کے میدان سے بھاگ کر ٹائبر چلا گیا تھا جب سلطان کے عزم بیت المقدس کا علم ہوا تو اُس نے اپنے سفیر سلطان کے حضور میں بھیج کر اپنے اہل و عیال کو یروشلم سے واپس لے آنے کی درخواست کی۔ سلطان نے کونٹ کی درخواست قبول کر لی۔ لیکن اس شرط پر کہ کونٹ ایک شب سے زیادہ یروشلم میں نہ ٹھہرے۔

کونٹ بالیان جب یروشلم گیا تو اہل شہر نے اس کی بہت آمہگت کی اور شہر کی محافظ فوج کی کمان پیش کی۔ لیکن کونٹ نے لوگوں سے کہا کہ وہ سلطان سے صرف ایک شب یروشلم میں قیام کرنے کا عہد کر کے آیا ہے اس لئے وہ کسی فوجی کارروائی میں شامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن یروشلم کے ”پیٹرس اعظم“ نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے

شہر کی حفاظت کا کام سنبھالنے پر مجبور کر دیا جب سلطان کو بالیان کے سپہ سالار مقرر ہونے کی اطلاع ملی تو وہ خاموش ہو رہا۔
 لیکن پھر جب جنگ اٹل نظر آئی تو کونٹ بالیان نے اپنے سفیر سلطان کے پاس بھیج کر جو اس وقت عسقلان میں تھا اپنی مجبوری اور ندامت کا اظہار کیا اور اہل و عیال کو طرابلس کی طرف بھیجنے کی اجازت مانگی۔ سلطان نے اپنے لشکر میں سے چاس سوار کونٹ کے پاس بھیج دیئے اور ان کو حکم دیا کہ کونٹ کے اہل و عیال کو جہاں کونٹ چاہے بحفاظت پہنچا دیں۔

مورخہ ۲۰ ستمبر ۸۰۰ء کو مجاہدین اسلام نعرہ توحید بلند کرتے ہوئے بیت المقدس کے سامنے جا نمودار ہوئے۔ ساڑھے تین یاہ تک عساکر سلطانی گرد و نواح کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے رہے اور پھر بیت المقدس کی طرف جس کی آن اور حفاظت کے لئے نصرانی اپنا شہر کٹوانا ثواب سمجھتے تھے متوجہ ہوئے۔

سلطان نے پہلے باب داؤد کی جانب اپنا کیمپ لگایا۔ لیکن بعد میں یہ جگہ سرفروشان اسلام کے لئے موزوں معلوم نہ ہوئی۔ کیونکہ نیر اعظم کی تیز تیز شعاعیں تمام دن حملہ آوروں کے سامنے رہتی تھیں۔ سیلکی سورا دل بادلوں کی طرح شہر کی دیواروں۔ برجوں اور اونچے اونچے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے تھے۔ حملہ شروع ہوتے ہی لشکر اسلام پر ہر مقام سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ بڑے بڑے انجینئر و صوبہ اور تپش کے باعث اپنے فرائض منصبی احسن طور پر انجام

نہ دے سکے۔ اس لئے سلطان نے اس جانب سے کیمپ اٹھا لینے کا حکم دیا۔ اور مشرق کی جانب سے حملہ کرنے کی تجویز ٹھہری۔ اس نقل مکان میں باہنچ روز لگ گئے۔ اہل شہر نے جب مسلمانوں کو دیرے خیمے اٹھاڑتے دیکھا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ گر جاؤں اور کلیساؤں میں گھڑیاں اور ناقوس کی صدا بلند ہونے لگی اور لوگ خوشیاں منانے لگے لیکن چھٹے روز عساکر اسلام کو شہر کی دیواروں کے نیچے موجود پار اہل شہر حیران ہو گئے۔

طلوع سحر کے ساتھ ہی قلعہ شکن منجنیقیں شہر کی دیواروں پر تھپھر برسانے لگیں اور سیال آتش کی پچکاریاں جسے ان ایام میں ”گریٹ فائر“ کہتے تھے دیوار کے محافظوں کو پریشان کرنے لگیں۔

دونوں جانب سے تیروں کی بارش اس شدت سے ہو رہی تھی کہ بسا اوقات گنبد گردوں بھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتا۔ اہل شہر مذہبی جوش سے دیوانہ وار شہر سے باہر نکل نکل کر حملہ کرتے تھے۔ لیکن وہ دس ہزار سوار جو سلطان نے دروازوں کے پاس جمائے تھے ان کو ہر بار پسپا کر دیتے۔ سرفروشان اسلام نعرہ ہجیر بلند کرتے ہوئے موج طوفان خیز کی طرح قلعہ کی دیواروں پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن صلیبی بہادر اس استقلال اور پامردی سے حملوں کو روکتے۔ کہ مسلمانوں کے سردار بھی بے اختیار داد و شجاعت دینے لگتے۔

دیوار پر اگر ایک گرتا تو دنس اُس کی جگہ لینے کو بڑھتے۔ آخر یلائے شب نے دونوں جانب کے بہادر واپس اپنی آغوش میں لے لیا لیکن پھر بھی ادھر ادھر اکثر سُورما اپنی اپنی جگہ سے نکل کر دلاوری اور

بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔

دو دن کی لگاتار محنت کے بعد سلطانی انجینروں نے دیوار میں تیس ایک مقامات پر ٹرنگیں تیار کر لیں اور ان میں بارود بھر کر آگ لگا دی۔ اس ترکیب سے دیواریں ایک بہت بڑا شگاف پیدا ہو گیا۔ صلیبی بہادر شہار کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے ہوئے باہر نکل کر مسلمانوں کی جانب بڑھے۔ لیکن سلطانی رسالہ نے ان کو نیزوں پر رکھ لیا بہت سے عیسائی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کٹ گئے۔ باقی جو بچے حواس باختہ ہو کر شہر کی طرف بھاگ گئے۔

شہر میں ایک کھرام مچا ہوا تھا۔ راہب۔ پادری۔ مستورات۔ جوان۔ بوڑھے۔ الفاضل بھی قسم کے لوگ پکار پکار کر خدا کے بیٹے سے مدد مانگتے تھے۔ لیکن قرآن اسے معلوم ہوتا تھا کہ نصرا نیوں نے جو مظالم آج سے برسوں پہلے اسی شہر میں بے گناہ بیروان رسولِ عربیؐ پر کئے تھے ان کے باعث مسیح علیہ السلام بھی ان لوگوں سے ناراض بیٹھے تھے۔

میدان سے لپسا ہو کر عیسائی دیوار کے شگاف پر آجھے برابر کٹ رہے تھے۔ لیکن کیا مجال کہ قدم پیچھے ہٹے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اگلی صف میں کھڑا ہو کر مسلمانوں کی تلوار کا جواب دے۔ عیسائی بہادر شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے۔ لیکن سب روتے بازوئے تقدیر تذبذب میں نہیں چلتیں

ایک ہی دن میں عساکر اسلام نے اس شدت سے پے در پے حملے کئے کہ شہر کے باشندوں کے جی چھوٹ اٹھے۔ اور اکثر پکار پکار کر یہ کہنے لگے کہ یہ گشت و خون بے فائدہ ہے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دو۔

(رات کے وقت تمام صلیبی سرداروں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ پوپ بھٹتے ہی شہر سے نکل کر مسلمانوں پر جا بیٹھیں۔ اور شیخ اور پاک مریم کی خدمت پر جانیں لٹا دیں۔ لیکن پطرس اعظم نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ اور آخر بہت لے دے کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی جائے۔ شہر والے بھی اسی راستے کے حق میں تھے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی کونٹا بالیان سپید جھنڈا لہاتھ میں پکڑ کر شہر سے باہر نکلا اور سلطان کے سامنے حاضر ہو کر صلح کا پیغام دیا۔

سلطان کونٹ سے بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ لیکن اسکی درخواست کے جواب میں مسکرا کر کہا:-

”مغلوب سے کون صلح کرتا ہے۔ اب تو میدان مار لیا۔“

علاء الدین آئیر لکھتا ہے کہ یہ جواب سنکر کونٹ کچھ دیر تو خاموش رہا اور پھر کچھ سوچ کر بولا:-

”اے فیاض اور بہادر سلطان! میں رُوح القدس کی سوگند اٹھا کر حضور کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں جو کچھ اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں میری کوئی ذاتی غرض مضمر نہیں ہے۔ مجھے صرف ایک تمنّا ہے اور وہ یہ کہ ہندو گانِ خدا کا خون یوں ناحق نہ بہایا جائے۔“

بیت المقدس میں جو لوگ میرے ہم مذہب اس وقت موجود ہیں مجھے خود ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ لیکن یہ تمام لوگ حضور کے رحم اور فیاضی کے منتظر بیٹھے ہیں اور ہتھیار ڈالنے کے لئے آمادہ ہیں۔

جس طرح اور شہروں کو امان دی گئی۔ ہمیں بھی امان عطا ہو۔ جس طرح حضور نے ہمارے اور بھائی بندوں پر رحم کیا۔ ہم پر بھی رحم کریں۔ فیاض اور رحمدل سلطان! اس شہر میں ہزاروں کمزور عورتیں اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ یہ سب موت کے خوفناک نام سے لرزاں و ترساں ہیں۔ ان کی بے کسی اور لاپرواہی پر رحم فرمائیے۔ لیکن اگر آج یہ عاجزانہ عرض کسی باعث منظور نہیں ہو سکتی۔ تو پھر قسم ہے روح القدس کی کہ پیشتر اس کے کہ سلطانی لشکر شہر میں داخل ہو سکے ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو خود ہلاک کر ڈالیں گے۔ تمام مال اسباب جلا کر خاک کر دیں گے۔ مسجد اقصیٰ اور دیگر مقدس مقامات کو تباہ کر ڈالیں گے۔ اس وقت یروشلم کے اندر پانچ ہزار کلمہ گو موجود ہیں۔ ہم ان سب کو قتل کر دیں گے۔ بار برداری کے جانور اور تمام مویشی ہلاک کر دیں گے۔ اور پھر شمشیر بکف میدان میں نکلیں گے۔ پھر فتح اُس کی ہے جسے زمین و آسمان کا بادشاہ نوازے۔ بہادری سلطان! اگر آپ رحم کریں۔ تو شہر کے دروازے بھی کھول دیئے جائیں گے۔ اور مخلوق خدا آپ کی شکر گزار اور احسان مند ہوگی۔“

سلطان کونٹ بالیان کی تقریر خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ سلطان کو خاموش پا کر اس کے چند ایک جلیل القدر مصاحبوں نے بھی دبی زبان سے کونٹ کی سفارش کی۔ آخر سلطان نے کونٹ کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا:۔

”بالیان تیری درخواست منظور ہے۔ اگر اہل شہر اطاعت کریں تو

آمان ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ ہر ایک شخص اپنی آزادی کے لئے دس اشرفیاں فدیہ ادا کرے۔ فی عورت پانچ اشرفی۔ اور لڑکا یا لڑکی صرف دو دینار۔ اہل شہر فدیہ چالیس روز کے اندر ادا کر دیں۔ اور اپنا مال و اسباب جس قدر لیجا سکیں اور جہاں چاہیں لے جائیں۔ مسکین اور نادار جو اپنا فدیہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اُن کا فدیہ تم اُس روپے سے ادا کرو جو بادشاہ ہنری نے تم کو صلیبی محاربات کے لئے بھیجا تھا۔ اس عرصہ کے بعد بیت المقدس میں جس قدر نصرانی رہ جائیں گے۔ انہیں مسلمانوں کا غلام بن کر رہنا ہوگا۔

کونٹ نے یہ تمام شرائط منظور کر لیں۔ اور سر جھکا کر سلطان کی نوازش اور رحم دلی کا شکریہ بجالایا۔

نائب معراج کی مبارک شام کو برچم ہلال پھر ایک بار بیت المقدس کی دیواروں پر نصب کیا گیا۔ اول سے دیکھ کر مجاہدین اسلام نے اس زور سے نعرہ توحید بلند کیا۔ کہ دشت و جبل گونج اُٹھے

جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے۔ تو سلطان فی نقیب پیکار پیکار کر ”آمان“ کا اعلان کرنے لگے۔ مجاہدین اسلام جب بیت المقدس میں پہنچے تو اپنے اُن مظلوم بھائیوں کی یاد سے جن کو آج سے سو سال پیشتر اسی جگہ نہایت سفاکی اور پر لے درجہ کی بے رحمی سے ہلاک کیا گیا تھا۔ ان کا خون جوش کھانے لگا۔ لیکن سلطان کا دریا سے رحم زور وں پر تھا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ کسی نصرانی یا یہودی پر ہاتھ اٹھا سکے۔

جب سلاطین یورپ نے سلطان کی فیاضی اور رحم دلی کی داستان سنی۔ تو ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور یہ کہ تاریخ عالم میں فیاضی اور

بحمدی کی ایسی نادر مثال ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔

شہر پناہ کے دروازہ پر ایک معتمد زبردیہ وصول کرنے کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ سب سے پہلے کونٹ بالیان نے اپنا اور اپنے لواحقین کا زبردیہ ادا کیا۔ اور پھر تیس ہزار دینار اپنی جیب سے دے کر اٹھارہ ہزار نادار نصراہیوں کو آزاد کرایا۔ سات ہزار محتاج نصراہی اس روپے سے آزاد ہوئے۔ جو بادشاہ ہنری نے یورپ سے بھیجا تھا۔ اسی طرح امیر شہر اپنے عزیز و اقارب کا فدیہ ادا کر کے شہر سے رخصت ہوئے۔

مسلمان مجاہدوں اور شامی سوداگروں نے عیسائیوں کا تمام مال و اسباب نقد روپیہ دے دے کر اس لئے خرید لیا۔ کہ عیسائی اسی روپیہ سے اپنا زبردیہ ادا کر سکیں۔ اس لین دین میں بھی مسلمانوں نے ہر پہلو سے عالی ظرفی کا ثبوت دیا۔ اور ہمیشہ اصل قیمت سے کچھ زیادہ دام ہی داکتے۔ ”لگ بری“ نے اپنی گرہ سے ایک ہزار ارمینوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ اسی طرح اکثر نصراہی اُمراء اور اہل ثروت لوگوں نے محتاجوں کا زبردیہ ادا کر کے انہیں آزادی دلوائی۔ لیکن افسوس کہ نصراہی اس موقع پر بھی فریب اور دھوکہ کرنے سے باز نہ آئے۔ ہر آرمی مسلمانوں کا بھیس بدل کر شہر سے نکل گئے۔ اور کوئی شخص اس راز سے واقف نہ ہو سکا۔ اسی طرح ”بطریق اعظم“ نے اپنی تنگ دلی اور کم ظرفی کا ثبوت دیا۔ اس شخص کے پاس لاکھوں روپے تھے۔ یہ سب کچھ لاڈر ساتھ لے گیا۔ اور ایک محتاج بھی اپنی گرہ سے فدیہ ادا کر کے آزاد نہ کرایا۔ اچالیس روز تک لوگ شہر سے نکلتے رہے۔ اس میعاد کے بعد جب

سُلطان نے باقاعدہ طور پر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو ابھی ایسے ہزاروں عیسائی شہر میں موجود تھے جو زبردیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے پہلے سُلطان کے بھائی "الملک العادل" نے ایک ہزار نصرانی سُلطان سے سفارش کر کے آزاد کرا دیئے۔ پھر اپنے بیٹوں اور دیگر عزیزوں کی درخواست پر بھی سُلطان نے بہت سے لوگ آزاد کئے۔ سُلطان کی فیاضی دیکھ کر کونٹ بالیان اور پطرس اعظم جو آزاد ہو جانے کے بعد سُلطان کی اجازت سے شہر میں مقیم تھے اس کے حضور میں حاضر ہوئے اور سفارش کر کے بہت سے نصرانی بلا زبردیہ آزاد کرائے گئے۔

مشہور عیسائی مؤرخ آرٹول جو اس موقع پر بیت المقدس میں موجود تھا لکھتا ہے کہ جب سب لوگ اپنے اپنے طور پر نصرانیوں کو آزاد کرا چکے تو سُلطان نے اپنی جانب سے یہ اعلان کیا کہ جو بیس گھنٹہ میں جس قدر نصرانی شہر سے نکل سکیں بلا زبردیہ نکل جائیں۔ یہ لوگ اللہ کے نام پر آزاد لئے گئے۔ اور ان کو بھی اپنا مال و اسباب ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی۔ ایک دن اور ایک رات کے لئے شہر کے تمام دروازے کھول دیئے گئے اور نصرانی اپنا مال و اسباب ساتھ لے کر برابر شہر سے نکلتے رہے۔ لیکن جب یہ لوگ بیت المقدس سے نکل کر طرابلس پہنچے تو وہاں کے حکمران نے اپنے دینی بھائیوں کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور ان کو شہر میں داخل بھی نہ ہونے دیا۔

ابھی ہندہ ہزار سے زیادہ نصرانی شہر میں ایسے موجود تھے جو اپنا زبردیہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے۔ اس سلسلہ کے ختم ہو جانے کے بعد ان نصرانی ہزاروں

اور اُمراء کی ہوبہنٹیاں جو اپنے عزیز و اقارب کے میدان میں مارے جانے یا قید میں ہونے کے باعث بیت المقدس میں پناہ گزین تھیں سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر رحم کی طالب ہوئیں۔ سلطان ان عورتوں سے بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور وہ خواتین جن کے شوہر یا بھائی یا بیٹے قید تھے، ان کو اجازت دی۔ کہ جہاں کہیں بھی وہ قید ہیں خود ان کے پاس جائیں، اور انہیں آزادی کی خوش خبری دی۔

ارنول لکھتا ہے کہ سلطان کے رحم کی بدولت تمام صلیبی بہادر جہاں کہیں بھی قید تھے سب آزاد ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔ پھر وہ خواتین پیش ہوئیں جن کے عزیز جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ سلطان نے بیت المال سے ان عورتوں کو اتنا کچھ دیا۔ اور اس قدر مروت سے پیش آیا۔ کہ یہ عورتیں بیت المقدس سے نکل یورپ یا ایشیا میں جہاں کہیں بھی گئیں۔ سلطان کی فیاضی اور رحم دلی کی دھوم مچا دی۔ ”پطرس اعظم“ جب لاکھوں روپے کا مال و اسباب، اونٹنوں اور گدھوں پر لا کر شہر نکلا۔ تو بعض اُمراء نے سلطان کو ادھر تہجد دلائی (لیکن) سلطان نے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور فرمایا کہ مسلمان وہی ہے جو اپنا وعدہ پورا کرے۔ تھوڑی سی مدت کے بعد ہی بیت المقدس کے کلی گرجوں میں پھر مسلمانوں کی چہل پھل نظر آنے لگی۔ لیکن پورے ایک سو سال کے بعد مسیحا قسطنطنیہ کے میناروں پر سے صدائے اُشد اکبر دن بھر میں پھر باج و دفعہ گونجنے لگی۔

سلطان نے مسیحا قسطنطنیہ میں سے وہ تمام چیزیں اٹھوا دیں۔ جو عیسائیوں نے وہاں بنا رکھی تھیں۔ اور واکتوبر کے روز سلطان نے عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس خانہ خدا میں نماز ادا کی۔ اور بعد از نماز

بہت دیر تک مالک حقیقی کے حضور میں سر بسجود رہا۔
ایک دور روز کے غرصہ ہی میں امام - مؤذن خطیب اور خدام مسجد
کے لئے مقرر کر دیئے گئے۔

اس وقت سے پچیس سال پیشتر سلطان نور الدین زنگی عرشِ آشیانہ
دمشق کے بڑے بڑے کار یگروں کو بلا کر دو سال کی لگاتار محنت سے
ایک نہایت خوبصورت ممبر اس نیت سے بنوایا تھا۔ کہ اسے مسجد اقصیٰ میں
رکھے گا۔ سلطان نے وہی ممبر حلب سے منگوا کر مسجد اقصیٰ میں رکھوا دیا۔
شہر کے بند و بست کے بعد سرائیں - مدرسے - شفا خانے تعمیر کروانے کا
حکم دیا گیا۔ اور ان کے اخراجات کے لئے باغات - اراضیات - تجاؤں اور
مکانات وقف کر دیئے۔ علماء و فضلاء اور طلباء کے آرام اور اخراجات
کے لئے معقول مشاہرے مقرر کر دیئے۔

سلطان نے متواتر جمعہ کی چار نمازیں اس مقدس شہر میں ادا کیں
اور پھر ایک بار نعرۂ توحید بلند کرتا ہوا دشمنانِ دین میں کی سرکوبی کو نکلا۔

بلا و نصاریٰ اور عساکرِ اسلام

پرچمِ ہلالِ عسقلان اور بیت المقدس کی دیواروں پر سے لہرا لہرا کر
علیہ دارانِ توحید اور غلامانِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سر فروشی اور
اسلام کی عظمت کا پتہ دے رہا تھا۔ اور اب صرف کرک - صور اور طبریکہ
جنوب کی جانب کے قلعے نصرائیوں کے قبضہ میں رہ گئے تھے۔

صوران سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ بیت المقدس سے جس قدر

نصرانی آزاد ہو کر نکلے تھے وہ زیادہ تر اسی جگہ آکر آباد ہوئے تھے صلیبی سردار بھی خاص تعداد میں اس شہر میں موجود تھے۔ اور بڑی مستعدی سے فوج کی تنظیم میں مشغول تھے اور شہر میں چپکے چپکے بیٹھے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جب سلطان کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے یکم نومبر ۱۱۸۷ء کو مجاہدین اسلام کو صورتی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ان آیام میں حکمیش نام ایک بڑا نامی گرامی عیسائی سردار صورت پر حکمران تھا۔ اسے جب عسا کر اسلام کی پیشقدمی کی خبر ملی۔ تو اس نے شہر کے گرد و نواح میں بہت عمیق خندقیں کھدوایں۔ اور صورت کے قرب و جوار میں جو دو دریا بہتے تھے۔ ان کو ایک نہر کھود کر آپس میں ملا دیا۔ اس ترکیب سے شہر صورت کی حفاظت کے لئے ایک تو یہ خندقیں تھیں۔ اور تین جانب سے دریا تھا۔ چیدہ چیدہ مقامات پر نصرانی اس طرح متعین تھے جیسے خانہ زنبور۔

سلطان جب شہر کے متصل پہنچا تو اس مقام پر جہاں سے دونوں دریا آپس میں ملتے تھے خیمہ زن ہوا۔ لشکر کو مختلف سرداروں کے زیرِ کمان تقسیم کر دیا۔ اور غونہرہ بکبیر بلند کر کے حملہ کا حکم دیا۔ پہلے ہی حملہ میں خود سلطان۔ اس کا بیٹا فضل اور ظاہر۔ الملک العادل سلطان کا بھائی برادر زادہ قتی الدین عمر وغیرہم نے حصہ لیا۔ مجاہدین یا تو غارتوں کی جانب سے یا اس مقام سے جہاں سے نہر دونوں دریاؤں کو ملاتی تھی حملہ کر سکتے تھے۔ لیکن ان مقامات پر نصرانی قطار در قطار پرے جمائے کھڑے تھے۔ قلعہ کی دیواروں سے تیر اور پتھر اور دریا کی جانب سے کشتیوں میں سے تیر مسلمانوں پر برس رہے تھے۔ شام تک جنگ کی یہی کیفیت تھی۔ آخر عروسِ شب سیاہ باولوں کا گھونگھٹ نکالے آئی اور آتے ہی میدانِ جنگ پر

ایک تاریک قباڈال دی۔ سلطان نے راتوں رات وہ مصری جہاز جو عکہ میں لنگر انداز تھے منگوانے کے لئے ہادیا ہر کار دوڑائیے پسیدہ سحر نمودار ہوتے ہی اللہ والوں نے قبلہ رُو ہو کر جمین نبیاز مالک حقیقی کے حضور میں جُھکا دی اور ادھر نصرانی بھی کلیساؤں میں گھڑیا ل اور ناقوس بجا بجا کر رُوح القدس اور پاک مریم سے دُعائیں مانگنے لگے۔ عبادت سے فارغ ہو کر نصرانی جنگ کے لئے اپنے مقامات پر آکھڑے ہوئے۔ لیکن مسلمان آج آرام سے خیموں میں پڑے رہے۔ عیسائی شام تک منتظر رہ کر چوکی پرے بٹھا کر گھروں کو رخصت ہو گئے۔

اگلے روز گجروم امیر البحر عبدالسلام سلطانی بیڑا لیکر آ پہونچا بیڑے کے پہونچتے ہی مجاہدین کمر بستہ ہو کر خیموں سے نکلے اور خشکی اور تری دونوں جانب سے حملہ کر دیا۔ اسلامی بیڑے کی موجودگی کی وجہ سے نصرانی آج کشتیوں میں سوار ہو کر مقابلہ کے لئے نہ نکل سکے۔ رات کی سیاہی پھیلنے تک لڑائی ایک ہی طور پر ہوتی رہی۔ اندھیرا ہوتے ہی جانبین اپنے اپنے ڈیروں کو لوٹ گئے۔

رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر بہت سے عیسائی دلاور اپنی جنگی کشتیوں پر سوار ہو کر سلطانی بیڑے پر جانک حملہ آور ہوئے۔ مجاہدین دن بھر کی تکان سے پڑے سوتے تھے۔ بہت سے حالت خواب ہی میں شہید ہو گئے۔ کچھ دیو یا میں کو دپڑے۔ لیکن اندھیرے کے باعث بہت سے دُوب کر مر گئے۔ اور کچھ بچ کر کشتیوں میں آئے۔

سلطان نے یہ حالت دیکھ کر باقی ماندہ پانچ جنگی کشتیاں جو نصرانیوں کے مقابلہ کے قابل نہ تھیں بیروت کی جانب واپس بھیج دیں۔

جب یہ کشتیاں لنگر اٹھا کر چلیں تو مرکیش اپنی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر آپہنچا اور بہت سے مجاہدوں کو شہید کر دیا۔ خشکی پر عیسائیوں کی کچھ پیش نہ چلتی تھی۔ آب و سیر کا مہینہ تھا۔ شدت کا جائزہ پڑا تھا۔ گاہے گاہے برف بھی پڑتی اور اکثر بارش ہوتی رہتی۔ جا بجا دلہل ہو گیا۔ اور آمد و رفت میں بہت وقت محسوس ہونے لگی۔

سلطان نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس وقت محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جانا چاہئے۔ بے فائدہ بندگانِ خدا کا خون بہانا اچھا نہیں۔ آخر محاصرہ اٹھا لیا گیا اور مجاہدین کو اپنے اپنے گھروں میں سردیوں کا موسم بسر کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ اور سلطان خود اپنی باقاعدہ فوج کے ساتھ عکہ کی طرف واپس لوٹ آیا۔

اس زمانہ کے مؤرخین نے مختلف پہلوؤں سے ”صور“ سے محاصرہ اٹھا لینے پر بحث کی ہے۔ علامہ ابن اثیر ان عیسائی مؤرخین سے متفق ہے۔ جن کا یہ خیال ہے کہ اگر سلطان ”صور“ سے محاصرہ اٹھا کر نہ چلا آتا۔ اور شہر فتح کر لیتا۔ تو تیسری صلیبی جنگ کی کبھی نوبت ہی نہ آتی۔ علامہ ایک الزام سلطان پر یہ بھی عائد کرتا ہے کہ سلطان ضرورت سے زیادہ رحمدل اور حلیم الطبع تھا۔ فوجی نقطہ خیال سے اسیرانِ جنگ کو امان دیکر آزاد کر دینے کی پالیسی مصلحت کے خلاف تھی بلکہ ایسے قیدیوں کو دُور و مدُ علا قوں میں نظر بند کرنا ضروری تھا۔

”صور“ کا فتح ہونا مشکل نہ تھا۔ لیکن جس وقت عساکر اسلام ”صور“ پر

حملہ آور ہوئے۔ اس وقت یہاں بڑے نامی گرامی صلیبی سردار اور بے شمار نصرانی سپاہ موجود تھی۔ سلطان کے ”صور“ سے لوٹ جائیسے ان لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دیگر شکست خوردہ نصرانیوں کو پھر ایک بار سلطان کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی جرات ہونے لگی۔

”صور“ سے ہرٹ کر سلطان ”ٹرپمولی“ کی جانب متوجہ ہوا۔ یہاں کونٹ ریمانڈر کا بیٹا اس وقت حکمران تھا۔ یہی وہ نصرانی حکمران تھا جس نے ”بیت المقدس“ سے نکلے ہوئے نصرانیوں کو اپنے علاقہ میں داخل نہیں ہونے دیا تھا جس وقت سلطان ”صور“ کا محاصرہ کئے تھا اُس وقت حاکم ”ٹرپمولی“ نے محاصرہ کی انداد کے لئے کمکی کشتیاں بھیجی تھیں۔ لیکن طوفانِ باد نے ان کو منزل مقصود تک نہ پہنچنے دیا۔ اور یہ راتِ تیرہویں سے واپس لوٹ آئیں۔ جاڑے کا تمام موسم سلطان نے غلے میں بسر کیا۔

اسی عرصہ میں ”کوکب“ سے خبر آئی کہ ”ہاسٹل فرقہ“ کے سرداروں نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو رات کی تاریکی میں سفالکی سے شہید کر ڈالا ہے۔ مظلوموں کی داستانِ سناں سلطان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ چنانچہ اسی وقت سرفروشانِ اسلام کی ایک جماعت ان ظالم لوگوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کر دی گئی۔ غلے کی شہرینہاد کو مضبوط کرنے کے لئے وہاں کے گورنر عزالدین جریک کو حکم دیا۔ اور جاڑا نکلنے ہی سلطان خود ”کوکب“ کی طرف چل دیا۔ اور فوج کا مخاطبہ کر نیکی کے بعد ”کوکب“ کی ہم پر قایمانِ نجی کو مقرر کر کے خود دمشق لوٹ آیا۔

ابھی سلطان کو دمشق میں آئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ بلا جنیبل کی جانب عیسائیوں کے اجتماع کی خبر آئی۔ گو اس وقت سلطان جنگ کی صعوبت برداشت کرنے کے قابل نہ تھا۔ تاہم جہاد کا شوق اس قدر تھا کہ یہ خبر پاتے ہی مجاہدین کا ایک زبردست لشکر ساتھ لے کر دمشق سے چل نکلا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ جنیبل کی جانب روانہ ہونا محض دھوکا دہی تھا۔ اصل مقصد ڈیڑھ پھولی پر فوج کشی تھی۔ بہر کیف جب عیسائیوں کو سلطان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو یہ لوگ خوف زدہ ہو کر جلدھر کسی کے سینک سمائے بھاگ گئے۔ اس جگہ سے عیسائیوں کے منتشر ہو جانے کے بعد سلطان ڈیڑھ پھولی کی طرف بڑھا۔ قلعہ حصن اکراڈ پر ٹمپلر سردار قابض تھے۔ یہ قلعہ حمص کے مغرب میں ایک بلند پہاڑ پر بنا ہوا ہے۔ اور اس زمانے میں ناقابل تسخیر تصور ہوتا تھا۔ بن خلدون لکھتا ہے کہ ابھی بنفس نفیس قلعہ حصن اکراڈ پر نہ پہنچا تھا کہ عماد الدین واسطی سنجار حمص کے مقام پر اپنے لشکر سے سلطان کے ساتھ آ ملا۔

سلطان حصن اکراڈ کے مشرقی جانب خیمہ زن ہوا۔ اور یکم جولائی جمعہ کے روز قلعہ پر حملہ کا حکم دیا۔ سیمنہ پر عماد الدین زنگی اور میسرہ پر مظفر الدین کو مقرر کیا گیا۔ اور باقی تمام لشکر اپنے ماتحت رکھ کر فوج کو پیش قدمی کا حکم ملا۔ مجاہدین اسلام دبا دھڑکنے لگے۔ فتح و نصرت قائم چوٹے کو حاضر ہوئی۔ سب سے پیشتر قلعہ مظفر اس میں پر حملہ کر کے اسے فتح کیا گیا۔ اس قلعہ میں دو سنگلاخی

برج تھے۔ ان دونوں برجوں میں بڑے بڑے نامور صلیبی سردار اپنے اپنے رفیقوں سے موجود تھے۔ ایک برج تو تھوڑی سی کشمکش سے سہ ہو گیا۔ لیکن دوسرا جس میں "ہاسپٹلر" سردار تھے وہاں بہت دیر تک تلوار چلتی رہی۔ چنانچہ اس کی تسخیر کا کام سلطان نے مظفر الدین کے سپرد کیا۔ اور خود باقی ماندہ لشکر کے ساتھ "مرقیہ" کی جانب بڑھا لیکن سلطان فی لشکر کے خوف سے اہل شہر مجاہدین کے آنے سے پیشتر ہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ "مرقیہ" پر قبضہ کر کے سلطان نے نماز ظہر اسی جگہ ادا کی۔ اور پھر لشکر کو جبلہ کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ مورخہ ۵ جولائی کو شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اور اہل شہر کو حسب معمول امان دیدی گئی۔

چند روز آرام کر لینے کے بعد عساکر اسلام "لاذقیہ" کی طرف متوجہ ہوئے۔ "لاذقیہ" سمندر کے ساحل پر آباد تھا۔ بڑا خوبصورت شہر تھا۔ اپنی عالیشان عمارات کے لئے مشہور تھا۔ اور ساحل کے تمام دیگر شہروں سے زیادہ بارونق تھا۔ "لاذقیہ" کی بندرگاہ جہازوں کے لئے بہت موزوں مقام پر بنی ہوئی تھی۔

گو شہر پناہ نہیں تھی۔ تاہم بیرونی حملوں سے حفاظت کے لئے ایک پہاڑی پر دو قلعے بنے ہوئے تھے۔ ایک مختصر سی جھڑپ کے بعد اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے اور امان کے طالب ہوئے۔ سلطان نے "لاذقیہ" پر قابض ہو کر اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اور پرچم ہلال اٹاتا ہوا قلعہ صیہون کی طرف روانہ ہوا۔

”صیہون“ دریا کے کنارے ایک خوبصورت سا شہر تھا۔ شہر پہاڑ اور
 قلعہ بہت مضبوط تھے۔ قلعہ کے چاروں طرف خندقیں کھودی ہوئی
 تھیں اور فرقہ ”ہاسپٹلر“ کے اکثر نامی گرامی سردار یہاں مقیم تھے۔ سلطانی
 لشکر کی آمد آمد کی خبر سنکر لوگوں نے قلعہ کی حفاظت کا سب انتظام
 مکمل کر لیا ہوا تھا۔

علامہ عبداللہ لکھتا ہے کہ جس وقت سلطانی لشکر نمودار ہوا۔
 ”صیہون“ پر صلیبی پھریرا لہرا رہا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے قلعہ کے سامنے آتے ہی
 کسی باعث یہ جھنڈا اپنی جگہ سے گر پڑا۔ صلیبی سرداروں نے اسے منحوس
 اور مجاہدین نے اپنے لئے اسے نیک فال تصور کیا۔

ایک ہی شب کے اندر اندر قلعہ کے سامنے منجیقین سنگباری کیلئے
 لگادی گئیں اور صبح ہوتے ہی حملہ کر دیا گیا۔ اس روز کی جنگ میں
 ملک الظاہر نے خوب ہی دادرمانگی دی۔ اور شجاعت کے عجیب
 جوہر دکھلائے۔ اگلے روز سلطان فوج کو ساتھ لے کر خود قلعہ پر حملہ آور ہوا۔

اور دوپہر سے پیشتر ہی مجاہدین اسلام نعرہ توحید بلند کرتے ہوئے شہر میں
 طقس گئے۔ گو قلعہ پر سے تیروں کی بارش برابر جاری رہی لیکن مسلمانوں کی
 تلواروں نے کفار کے ایسے دانت کھٹے کئے کہ ہر طرف سے ”الامان“ کی
 آوازیں آنے لگیں۔ سلطان نے جن شرائط پر ”بیت المقدس“ کے عیسائیوں کو
 امان دی تھی۔ انہی شرائط سے اہل صیہون کو بھی امان دی گئی۔

ابوشامہ لکھتا ہے کہ شہر کی حفاظت کے لئے پانچ دیواریں یکے بعد دیگرے
 بنی ہوئی تھیں۔ ان دیواروں کے درمیان جو فاصلہ تھا یہاں ریچھ اور شیر
 حملہ آوروں کو روکنے کے لئے چھوڑ رکھے تھے۔ فتح کے بعد سلطان

جاری پانچ روز تک یہیں قیام فرما رہا۔ اس عرصہ میں مجاہدین نے ”بلاطینس“، ”عبید“، ”نیلحہ“ وغیرہ دیگر قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ عیسائی ان قلعوں کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ لیکن غلامانِ رسولِ عربیؐ کے سامنے کسی کا کچھ پیش نہ گئی۔

ان فتوحات کے بعد سلطان صلاح الدین غازی قلعہ بکاہل کی تسخیر کی نیت سے ”صیہون“ نکلا۔ بلا و نصاریٰ میں یہ قلعہ سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم خیال کیا جاتا تھا۔ اور عیسائیوں کو اس قلعہ پر بہت گھمنڈ تھا قلعہ سے شہر میں جانے کے لئے ایک چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا مسلمانوں کے آنے کی خبر سنا کر عیسائیوں نے پل توڑ دیا۔ سلطان نماز فجر کے بعد قلعہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور فوج کو آگے بڑھایا۔ اور مہمیتوں سے سنگ باری ہونے لگی۔

تین روز تک اسی ڈھنگ سے لڑائی ہوتی رہی۔ چوتھے دن چانک نصرائیوں کا ایک قاصد سلطان کے حضور میں حاضر ہوا اور کہا کہ اگر اہل شہر کو تین دن کی مہلت عطا ہو تو شہر حوالے کر دیا جائیگا۔ سلطان نے تین دن کی مہلت دیدی اور حملہ آوروں کو شہر پر سنگ باری کرنے سے روک دیا گیا۔ تین دن گزر جانے کے بعد مورخہ ۳۲ھ اگست کو شہر گئے کھول دیئے گئے اور مجاہدین اسلام نعرہٴ تکبیر بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے اس قدر مالی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ کہ سب مالِ مال ہو گئے۔

علامہ ابن اثیر بیان کرتا ہے کہ سیاسی لحاظ سے شہر کی آبادی میں سے کچھ لوگ قید کر لئے گئے۔ ان اسیروں میں ایک میاں بیوی بھی تھے۔

ان کی شادی ہوئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے۔ سلطان کو جب اس کا اطلاع ہوئی تو اس نے دونوں کو آزاد کر دیا۔ اور انعام سے کر شہر سے رخصت کیا۔

اس فتح کے بعد سلطان نے قلعہ صیہون اور بکاس اور ان کے مضافات کی حکومت امیر ناصر الدین کو عطا کی۔ اور خود قلعہ برزہ کی تسخیر کے ارادے سے فوج لے کر آگے بڑھا۔ دوسری جانب اس کا جواں نخت اور بہادر بیٹا ملک الظاہر قلعہ شہر مبینہ کے اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کی سرکوبی کے لئے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ بلاؤ انطاکیہ میں یہ قلعہ بہت مستحکم اور مضبوط تصور ہوتا تھا۔ لیکن ملک الظاہر کے بے پناہ حملوں کے آگے کسی کی کچھ پیش نہ ہو سکی اور چند روز بعد ہی جمعہ کے روز اہل قلعہ نے اطاعت قبول کر کے زبردیہ آقا کر دیا۔ اس جگہ بہت سے مسلمان ایک مدت سے اسیر تھے ان سب کو آزاد کر دیا گیا۔ اور اسماعیلی لوگوں کی شرارتوں کی سزا میں ملک الظاہر نے قلعہ مسمار کر کے کما حکم دیدیا اور پھر کوچ کرتا ہوا اپنے فتح مند باپ سلطان صلاح الدین سے جا ملا۔

سلطان اس وقت قلعہ برزہ کی دیواریں پانسو ستر گز بلند تھیں۔ چاروں طرف بہت عمیق نہر تھی۔ ساحل شام پر اس سے زیادہ اور کوئی مضبوط فوجی مقام نہ تھا۔ ایک طرف سنگلاخ اور دُشوار گذار پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ قلعہ والے آئے دن ادھر سے گذرنے والے قافلوں کو ٹوٹ لیا کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے توغوں کے پیاسے تھے۔ اسلامی لشکر جانے بے نیمہ زن تھا۔ بہت غور و فکر کے بعد سپیدہ سحر نمودار ہوئے یہی قلعہ پر

حملہ کر دیا گیا۔ اور منجیقوں سے سنگ باری شروع کی مشینوں کو بیکار کر ڈالا۔ تیسرے روز سلطان نے لڑائی کا ڈھنگ اس طرح بدل دیا کہ لشکر کو تین حصوں پر تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ عماد الدین زنگی کی کمان میں دیا گیا۔ اور دوسرے حصہ کا کماندار ملک انظاہر مقرر ہوا۔ اور تیسرا حصہ خود سلطان نے اپنی زیر کمان رکھا۔ سب سے پہلے عماد الدین زنگی اپنی جماعت کے ساتھ نعرہ اللہ اکبر بلند کرتا ہوا اس شدت سے حملہ آور ہوا کہ مسلمان دیواروں کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ عیسائی بلندی پر سے تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے۔ زنگی کے لشکر بہادروں نے کئی بار ایک دو بلند مقامات پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

مسلمانوں کی ایک جماعت اور اس کے سردار کی بہادری دیکھ کر سلطان کا خون جوش مارنے لگا۔ گو اس وقت گرمی کی طیش اور ٹوبہ بن کو بھلس رہی تھی لیکن بہادر سلطان نعرہ تکبیر بلند کرتا ہوا بجلی کی تڑپ کی طرح حملہ آوروں کے پاس پہنچ گیا۔ اور بہادر زنگی کو حملہ دیا کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ واپس جا کر آرام کرے۔ پھر تلوار کھینچ کر اپنے ساتھ کئی مجاہدین کو لے کر اور نصرائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اور دیکھتے دیکھتے کئی ایک مقامات سے ان کو ہٹا دیا۔ ظہر کے وقت ملک انظاہر اپنی جماعت کو ہمراہ لے کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہوا پاک کی مدد کو آ پہنچا۔ ملک انظاہر کو آگے بڑھتے دیکھ کر فدا سے اسلام بہادر زنگی سے رہا نہ گیا۔ تلوار کھینچ کر الجہاد کا نعرہ مارتا ہوا اپنی جمعیت کے ساتھ بادل کی طرح گرجتا ہوا حملہ آوروں سے آملا۔ دو گھنٹہ تک تلوار چلتی رہی۔ اور ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ایک طرف

مجر وحین کی چیخ و پکار۔ دوسری جانب نعرۂ تکبیر کے فلک شکاف نعروں سے
 محشر کا نقشہ نظر آنے لگا۔ آخر کار عیسائی مسلمانوں کے اس خوفناک
 سما کی تاب نہ لا سکے اور سر اسیمہ ہو کر میدان چھوڑ کر قلعہ کی طرف بھاگے۔
 مسلمانوں نے بھگڑوں کو تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اور اتنی جہالت
 بھی نہ دی کہ قلعہ کا دروازہ بند کر سکیں۔ عیسائیوں کے ساتھ ہی مسلمان
 بھی تکبیر میں پڑھتے ہوئے قلعہ میں گھس گئے۔ قلعہ میں پہنچ کر مسلمانوں نے
 پھر ایک بار زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہاں ایک مارت سے بہت سے
 مسلمان اسیر تھے۔ ان اسیروں نے بھی ایک زبان ہو کر اللہ اکبر کا
 نعرہ لگایا۔ نصرانی صدائے اللہ اکبر سن کر سہم گئے۔ اور ہتھیار پھینک پھینک
 امان کے طالب ہوئے۔ سلطان نے۔ ہندو لیکر سب کو آزاد کر دیا۔ اور
 نصرانی سرداروں سے ان کے مراتب کے مطابق شامانہ سلوک کیا۔
 دن بھر کے خون کی نظارے سے متاثر ہو کر آفتاب بھی خونی قبا
 پہن چکا تھا۔ اور شفق کی سرخی بھی میدان جنگ کی طرح نمایاں ہو رہی
 تھی۔ قلعہ کے بلند ترین مقام پر پرچم ہلال نام لیوان توحید کی فستح کی
 خوشی میں لہرا رہا تھا۔

قلعہ برزید پر تسلط ہو جانے کے بعد سلطان نے لشکر قلعہ دُور بساک
 کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ قلعہ انطاکیہ کے مشہور قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔
 قلعہ برزید کے حملہ میں سلطان نے ایک قسم کی توپ جسے زنبور
 کہتے تھے استعمال کی۔ یک شنبہ سے قلعہ پر منجنیقوں سے سنگ باری
 اور زنبور سے آتش باری ہونے لگی۔ اور مجاہدین مٹی کے دمدموں پر

کھڑے ہو کر تیر برس آنے لگے۔ فوجی انجینئر منجیقوں اور توپوں کی پناہ لے کر شہر نہیں تیار کرنے لگے۔ ظہر کی نماز سے پیشتر ہی قلعہ کی ایک دیوار ٹوٹ گئی۔ ادھر انجینئروں نے بھی سرنگ اڑا کر ایک اور مقام پر ایک اور شکاف بنا لیا۔ نصرانیوں نے ان دونوں مقامات پر دلاوری کے خوب جوہر دکھلائے اور مسلمانوں کو دو روز تک پاس نہ پھٹکنے دیا۔ تیسرے روز سلطان خود آگے بڑھا۔ جہاں سے دیوار شکست ہوئی تھی یہ شکاف اس قدر چھوٹا تھا کہ بمشکل دو آدمی شانہ بہ شانہ اس میں سے گزر سکتے تھے۔ سلطان نعرہ تکبیر بلند کرنا ہوا شمشیر بکف ان نصرانیوں پر پل پڑا جو یہاں حفاظت پر متعین تھے۔ نصرانی اس غازی اعظم کے توڑ بہ توڑ حملوں کی تاب نہ لاسکے۔ سلطان ان کو راستہ سے ہٹا کر سورخ کے راستہ اندر داخل ہو گیا اور اچانک دیوار پر نمودار ہو کر عیسائیوں کا ستھراؤ کرنے لگا۔ مسلمان اپنے بہادر سلطان کو دیکھ کر تکبیریں پڑھتے ہوئے دیوانہ وار آگے بڑھے اور ہجوم کر کے دونوں راستوں سے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ غازیوں کی تلواریں متواتر دو گھنٹہ تک اس کھڑستان میں چمک چمک کر مخالفین اسلام کو سیامفاد بنے لگیں۔ آخر قلعہ والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ سلطان نے ان لوگوں کو اس شرط پر آزاد کر دیا کہ چپ چاپ کوئی چیز ساتھ لئے بغیر شہر سے نکل جائیں۔ اس قلعہ کی حکومت علم الدین سلیمان کو عطا کی گئی۔ یہاں سے فارس ہو کر سلطان قلعہ ”بغراس“ کی تسخیر پر آمادہ ہوا۔ گو یہاں بہت سی نصرانی فوج اور صلیبی بہاد موجود تھے۔ لیکن سلطان کی پیہم فتوحات نے ان لوگوں کو اس قدر

خوفزدہ کر دیا تھا کہ سُلطانِ لشکر کے نمودار ہوتے ہی نصرائیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اور تلوارِ نیام سے نکالے بغیر مُسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے۔

آب صرف ”انطاکیہ“ ہی باقی رہ گیا تھا۔ لیکن انطاکیہ کا حکمران مُسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتا تھا۔ اس نے فوراً صلح کی درخواست کی۔ سُلطان نے ایک عارضی صلح اس شرط پر منظور کی کہ ”انطاکیہ“ میں جس قدر مُسلمان اسیروں کو آزاد کر دیا جائے۔ تا حدِ ”انطاکیہ“ نے یہ شرط منظور کر کے سب اسیروں کو آزاد کر دیا۔ یکم اکتوبر کے روز سُلطان صلاح الدین یوسف نے خود صلحنامہ پر اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ اس صلحنامہ کی رُو سے مُسلمانوں نے یہ عہد کیا کہ وہ آٹھ ماہ تک حدودِ ”انطاکیہ“ کی طرف پیش قدمی نہ کریں گے۔

ان شاندار فتوحات کے بعد سُلطان صلاح الدین غازی اسلام اپنے بیٹے ملک الظاہر کی درخواست پر حلب میں رونق پذیر ہووا۔ بہادر بیٹے نے فتح مند اور فیاض باپ کا نہایت شاندار استقبال کیا اور ایک بڑی بڑی تکلف و دعوت دی اور جان نثارانِ اسلام کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔

حلب سے سُلطان اپنے بھانجے تقی الدین عمر بن شیر کوہ کی درخواست پر حمّاتہ میں جلوہ افروز ہوا۔ بھانجے نے فیاض چچا کی اس کی شان کے مطابق مہمان نوازی کی۔ حمّاتہ سے چل کر سُلطان نے ”بعلبک“ کی سیر کی اور مؤرخہ ۲۰ اکتوبر کو دمشق کو اپنے قدموں

یہ منت لزوم سے مشرف کیا۔

دمشق میں آکر سلطان نے حسب عادت مفتوحہ ممالک پر اپنے شہزادوں اور جرنیلوں اور مصاحبوں کو سرفراز فرمایا۔ اور مجاہدین اسلام کو اپنا کچھ دیا کہ سب نہال ہو گئے۔

رمضان مبارک آپہنچا تھا۔ سلطان نے اپنے بہادر سرداروں کو جمع کیا اور چند روز اپنے اہل و عیال کے پاس قیام فرما کر پھر لشکر اسلام لیکر گھر سے نکلا۔ اور قلعہ مانے "کوکب" اور "صعد و کرک" پر جوا بھی تک فرائسی بہادروں کے قبضہ میں تھے بادل کی طرح گرجتا ہوا جا پڑا۔ اپنے ساتھیوں کی ایک منتخب جماعت کے ساتھ خود قلعہ "صعد" کی جانب جہاں سپلر سردار بکثرت موجود تھے متوجہ ہوا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اور رات دشمنوں کے بخت سیاہ کی طرح تاریک تھی۔ سلطان تمام رات گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کو مختلف مقامات پر مامور کرتا رہا۔ اور قلعہ شکن توپیں مناسب مقامات پر لگواتا رہا۔ دن چلتے ہی لڑائی شروع ہو گئی۔ پورے ایک ماہ تک محاصرہ رہا۔ آخر نصرائیوں نے تنگ آکر ۱۲ دسمبر کو قلعہ سلطان کے حوالے کر دیا۔ فیاض اور بہادر سلطان نے تمام نصرائی سرداروں کو فدیہ لئے بغیر آزاد کر دیا اور قلعہ صور کی جانب جانے کی اجازت دیدی۔ تاکہ ان کے دل میں قسمت آزمائی کا ارمان باقی نہ رہے۔

"صعد" کی تیجہ کے بعد سلطان "کوکب" کی طرف متوجہ ہوا۔ اس قلعہ میں مشہور صلیبی سرداران اسپلر خاصی تعداد میں موجود تھے۔ اور ایک مدت سے مجاہدین اسلام سے لڑنے کا ارمان دل میں

لئے بیٹھے تھے۔

ابوشامہ لکھتا ہے کہ اس خوف سے کہ کبیر مسلمان اچانک رات کے وقت حملہ نہ کر دیں عیسائی نہایت خونخوار گتے رات کے وقت چھوڑ دیتے تھے۔ اور قلعہ کے اندر دیواروں کی حفاظت کے لئے بہت سے رکچہ رکھے ہوئے تھے۔

لگاتار بارشوں کے باعث کوسوں تک دلدل ہو گئی تھی۔ شدت کی سردی پڑتی تھی جس وقت مجاہدین اسلام قلعہ کے سامنے نمودار ہوئے اُس وقت تیز جھکڑ چل رہا تھا۔ اور بادل کی گرج اور رعد کی کڑک سے دل سینوں میں دہل دہل جاتے تھے۔ مسلمانوں کے آتے ہی لڑائی شروع ہو گئی۔

ہاسٹیلر سرداروں کا عزم اور بہادری اس معرکہ میں بھی نام لیواں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بازی نہ لے جاسکی۔ اور آخر مورخہ ۵ جنوری ۱۸۹ء کو ان عیسائی سرداروں نے اطاعت قبول کر لی۔

اگلے روز قلعہ کرک کی فتح کی خبر بھی سلطان کو قاصد نے آ کر دی۔ قلعہ کرک پر سلطان کا بھائی ملک العادل حملہ آور ہوا تھا۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ اہل کرک نے محاصرہ کی صعوبتوں اور مسلمانوں کے حملوں سے ننگ آ کر غورتوں اور بچوں کو قلعہ سے باہر نکال دیا اور پھر خود مسلمانوں پر وٹ پڑے۔ لیکن شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان کو جب

ان واقعات کا علم ہوا تو اُس نے ان تمام بے یار و مددگار غورتوں کو نعام سے سرفراز فرما کر بڑی عزت اور آرام سے مسیحی مملکت میں بھجوا دیا۔

ہلال و صلیب

ایک مدت سے یورپ اور ایشیا کے عیسائیوں کے سینوں میں بریت المقدس کو ایک بار پھر مسلمانوں سے واپس لینے کی آگ سلاگ ہی تھی۔ ممکن تھا کہ سرزمین فلسطین کے عیسائی اپنے مغربی بھائیوں کی آمد کے انتظار میں خاموش بیٹھے رہتے اور مجاہدین سے لڑ بھڑ کر اپنی قوت اور شیرازہ کو درہم برہم نہ کرتے۔ لیکن ان میں بعض طبیعتیں ایسی ہی تھیں۔ جو مسلمانوں سے خواہ مخواہ الجھتے رہنا اپنا مقدس مذہبی فرض سمجھتی تھیں۔ انہی لوگوں کی شرارتوں سے تنگ آ کر سلطان صلاح الدین غازی ان کے استیصال کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پھر تلوار اُس وقت نیام میں کی جب سرزمین فلسطین پر سطوتِ توحید پوری طرح مسلط ہو گئی۔

بریت المقدس کے عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل جانے کی جب یورپ میں خبر پہنچی۔ تو گھر گھر میں اتم برپا ہو گیا۔ سلاطین نے اپنے جھنڈے تلوار کر دیئے۔ آرمک بشپ آف ٹائر نے یورپ میں جا کر عیسائیوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے براہِ نجات کرنے کی پوری کوشش کی۔ گھر گھر میں یہی چرچے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو فلسطین سے خارج کیا جائے۔ مشہور عیسائی مؤرخ ٹی۔ اے۔ آرچر۔ اپنی کتاب الموسوم بکروسیڈز میں رقمطراز ہے کہ بریت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ آ جانے سے ایشیا میں مسیحی نور ہدایت کا چراغ گل ہو گیا تھا۔ پُرانی عیسوی تہذیب اور مقدس انجیل کی تمام روایات خواب و خیال ہو گئی تھیں۔ سرزمین فلسطین قدیمی مسیحی تہذیب۔ تمدن اور مسیحی روایات کا گہوارہ تھی۔

مسلمانوں کا سرزمین فلسطین پر قابض ہونا عیسائی خلقت کے لئے ایک

عذاب الہی تھا۔ بیت المقدس مسیحی علم و آداب کا سرچشمہ تھا۔ مشرق میں حکومت لاطینی کے لئے یہ ملک مایہ ناز و صد فخر تھا۔ یہ بیت المقدس ہی شہر تھا جس کو پہلی صلیبی جنگ میں پیردان مسیح علیہ السلام نے اپنا خون بہا ہوا کہ مسلمانوں سے چھینا تھا۔ اس وقت ان صلیبی سرفروشل کی ہڈیاں اپنی قبروں میں بیتاب ہو رہی تھیں۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ اہل یورپ کے سینوں میں یہ جوش جنون کی صورت پکڑتا گیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی خاندان۔ منچھے سپاہی۔ کونٹ۔ شہزادے اور عوام دیوانہ وار بیت المقدس کو سلطان صلاح الدین سے چھیننے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آخر پوپ نے ایک فرمان صادر کیا۔ اور تمام عیسائیوں کو حکم دیا۔ کہ اگر وہ اپنی نجات کے آرزو مند ہیں۔ تو سرزمین فلسطین کی طرف جانے کی تیاریاں کریں۔ اور اپنے خون سے اپنی ندامت کے دماغ مٹائیں۔ اگر ”بشپ آف ٹائر“ کے بند و واغظ سے متاثر ہو کر رچرچ شیر دل شاہ انگلستان نے سب سے پہلے صلیبی جھنڈا بلند کیا۔ اور سرزمین فلسطین کی طرف جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

فرانس اور انگلستان میں جو ایک مدت سے کشمکش چلی آتی تھی۔ وہ اس مذہبی فرین کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ مدت کے لئے بالائے طاق رکھ دی گئی۔ اس جنگ کے واسطے چونکہ بے شمار روپیہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے سرزمین یورپ میں خاص کر اور انگلستان اور فرانس میں تمام لوگوں پر ایک ٹیکس لگادیا گیا۔ اس ٹیکس کو صلاح الدین ٹیکس کہتے تھے۔ اور خصوصاً ان لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ جو بذات خود اس مذہبی جنگ میں شریک ہونے کے لئے فلسطین نہ جاسکتے تھے۔

”آرک بشپ آف ٹائر“ انگلستان اور فرانس میں کامیابی حاصل کر نیکی بعد جرمنی میں چلا گیا۔ شہنشاہ جرمنی نے ٹائر کے مشورہ سے سلطان صلاح الدین کو ایک خط لکھا۔ اور اس میں اُسے دھمکی دی۔ کہ اگر سلطان ایک سال کے اندر اندر سرزمین فلسطین کو خالی کر دے تو بہتر ورنہ اس پر تمام یورپ فوج کشی کریگا۔ اور ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائیگا۔

سلطان نے اس خط کا جواب صرف اس قدر دیا۔ کہ اگر یورپ کو اپنی قوت اور بہت پر اتنا ہی ناز ہے تو پھر وہ بھی بہادران صلیب کا استقبال کرنے کو تیار ہے۔ اور انشاء اللہ وہ اُسے ہر وقت تیار اور مستعد پائیں گے۔

کچھ عرصہ بعد شہنشاہ جرمنی ایک لاکھ فوج ایکر ملک سے نکلا۔ اور اسی طرح شامان انگلستان و فرانس بھی اپنے اپنے لشکروں کے سرکرزمین فلسطین کی طرف بڑے ٹٹھاٹھ سے روانہ ہوئے۔ اسی طرح جینوا، ونیس اور اٹلی سے بھی خلقت کا ایک اثر وھام بڑے ساز و سامان سے اپنے ایشیائی سیجی بھائیوں کی مدد کے واسطے نکلا۔

لیکن پیشتر اس کے کہ سلطان کو ان واقعات کا علم ہوا۔ ملکہ اسیلا نے سلطان صلاح الدین کے پاس حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ سلطان جب وعدہ جو اس نے عسقلان کے مقام پر کیا تھا پورا کرے سلطان نے اُسی وقت ملکہ اسیلا کے خاوند بادشاہ گائی بوسگنان اور اس کے مشہور مشہور دنس صلیبی سرداروں کو دمشق سے طلب فرمایا۔

عیسائی مؤرخ آرنول بیان کرتا ہے کہ یہ دنس صلیبی سردار وہ بڑے بڑے نامور نصرانی تاجدار تھے جو جنگِ طین میں قید ہو گئے تھے سلطان صلاح الدین نے

ان سے قسم لی کہ وہ آئندہ کبھی اس کے خلاف تلوار نہیں اٹھائیں گے۔ سب سرداروں نے حلف اٹھایا۔ اور سلطان نے شاہانہ تحائف دے کر ان سب کو آزاد کر دیا چنانچہ مارکوس، مانٹ فرانس اپنے بیٹے کے پاس مقام صور چلا گیا۔ ہمعصری والے توران اپنی ماں کے پاس جو رگنلڈ چیلین کی بیوہ تھی چلا گیا۔ بادشاہ گائی۔ اس کا بھائی اور ٹیمپلز کا سردار عظیم رگرنلڈ ماسٹر، باگہ سیلا کے ساتھ شامل ہو کر سلطان کی نیکی کے بدلے بُرائی کا بیج بونے کے لئے الطاف کی طرف متوجہ ہوئے۔

عیسائی پادریوں نے ان کو اس حلف سے جو ان احسان فراموش سرداروں نے سلطان کے حضور میں اٹھا کر آزادی حاصل کی تھی سبکدوش کر دیا۔ اور نصیحت کی کہ اگر وہ ایک مسلمان سے عہد کرنے کے گناہ سے پاک ہونا چاہتے ہیں۔ تو پھر مسیح اور صلیب کی عزت کے لئے جنگ کی تیاری کریں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے صلیبی سردار اور سپاہی بادشاہ گائی کے جھنڈے نیچے جمع ہو گئے۔ اور یہ سب ٹیمپلر کی طرف جہاں پہلے بھی بہت سے نصرانی جمع ہو چکے تھے روانہ ہوئے۔ اس جگہ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بادشاہ گائی نے اپنے جنگی بیڑے کو حکم دیا کہ عکہ کی طرف روانہ ہو۔ اور خود بھی تمام لشکر ساتھ لے کر اگست ۱۱۸۹ء کو عکہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔

بقول ایک عیسائی مؤرخ کے اس وقت بادشاہ گائی کے جھنڈے نیچے علاوہ بے شمار بے قاعدہ اور باقاعدہ فوج کے سات سو بیسے نامی گرامی صلیبی سردار، زناہب کروسیڈر تھے۔ لیکن کچھ دن بعد پچاس جنگی جہاز اور ان کی کمک کے واسطے پہنچ گئے۔ اور بقول علامہ ہناؤ الدین عیسائی لشکر کی اس کمکی فوج کے آنے سے تیس ہزار سپاہی اور دو ہزار صلیبی سرداروں پر مشتمل تھے۔ اور اس کے علاوہ ہر روز عیسائیوں کی ٹولیاں باہر سے آ کر لشکر میں شامل ہوتی جا رہی تھیں۔

عیسائی مورخ بیان کرتے ہیں کہ سلطان لشکر عیسائیوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا۔ لیکن کوئی ایک مورخ بھی اندازہ تعداد نہیں بتلاتا۔ سلطان کو جس وقت عیسائیوں کے اجتماع کی خبر پہنچی تو اس نے اُسی وقت اپنے سرداروں کے پاس مقاصد بھیج کر حکم دیا۔ کہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اس وقت سلطان شقف کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ لیکن ضرورت وقت سے مجبور ہو کر شقف کے محاصرہ پر تھوڑی سی فوج چھوڑ کر خود تنگہ کی طرف روانہ ہو گیا اور طبرہ کے راستہ سے ہوتا ہوا تنگہ کے سامنے نمودار ہوا۔ اس اثنا میں تقی الدین اور مظفر الدین بھی اپنے اپنے لشکر لے کر سلطان کے حضور میں حاضر ہو گئے۔

(اس وقت ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان نصرائیوں کی طرف سے اس قدر غافل کیوں رہا۔ اور ان کو یہ خبر کیسے ہوئی کہ وہ عکا پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ فتح کو کتب کے بعد سلطان اور اس کا بھائی ملک انعا دل بیت المقدس کی زیارت کے واسطے چلے گئے۔ عبد الصلی کی نماز بیت المقدس میں آواکی۔ اور چند روز قیام کرنے کے بعد سلطان عثمان سے ہوتا ہوا عکا آ گیا۔ اور ماہ پانچ تک وہیں مقام کیا۔ رخصت کے وقت اپنے بڑے تجربہ کا سردار امیر بہاؤ الدین قراقوس کو عکا کی حفاظت پر مامور کر کے مراجعت فرمائے دمشق ہوا۔ اس وقت اندرون ملک میں عیسائیوں کے پاس صرف ایک قلعہ باقی رہ گیا تھا۔ یہ قلعہ شقیف ارنوں کہلاتا تھا اور ٹیپلر سرداروں کا اس پر قبضہ تھا۔ ان دنوں رگنڈوا لے ایصدان یہاں حکومت کرتا تھا۔ رگنڈو بڑا جا لاک اور عیا آدمی تھا۔ عربی زبان میں خوب گفتگو کرتا تھا جب سلطان لشکر لے کر قلعہ کے سامنے نمودار ہوا

تورنگلڈ نے فوراً سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر نذر پیش کی اور بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ سلطان اسے تین ماہ کی مُہلت عطا کرے تاکہ وہ اس عرصہ میں اپنے اہل و عیال کو سواروں سے واپس منگوالے۔ اس عرصہ کے گزرنے کے بعد وہ قلعہ سلطان کے حوالے کر دیگا۔ اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ دمشق میں باقی ماندہ آیا مہم زندگی بطور ایک باجگزار سہ دار کے بسر کرے گا۔ سلطان نے یہ شرط منظور کر لی۔ رگلڈ کو جب سلطان کی طرف سے کوئی خدشہ نہ رہا۔ تو پوشیدہ طور پر قلعہ کی دیواروں کو مستحکم کروانا شروع کر دیا۔ اور ہر طرف سے سامان حرب و خور و نوش جس طرح بھی ہو سکافراہم کرنے لگا۔ تین ماہ کی مُہلت گزر جانے کے بعد یہ رگلڈ پھر سلطان کے پاس آیا اور مزید مُہلت کی درخواست کی لیکن اس وقت سلطان کو اس کی غیاری اور دغا بازی کی حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ سلطان نے اسے پابہ زنجیر کر کے دمشق بھیجا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس تین ماہ کی مُہلت سے عیسائیوں کو بہت فائدہ حاصل ہوا۔ ایک سلطان قلعہ کے قرب و جوار میں مُہلت نہ کرنے کا منتظر رہا۔ دوسرے بادشاہ کائی اور اس کے مددگاروں کو مُہلت مل گئی۔ اور وہ ہر سمت سے اکٹھے ہو کر ننگہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

صلاح الدین ابھی قلعہ رشتیف (قول) پر ہی پڑا تھا۔ کہ اس کو عیسائیوں کی نقل و حرکت کی روزانہ خبریں ملنے لگیں۔ اوائل جولائی میں یہ عیسائیوں کے ہر اول اور سلطان بیرونی چوکیوں کے دستوں میں گئی ایک سو چوبیس چھپیں بھی ہو گئیں۔ بقول علامہ ہماؤ الدین "سلطان مرج عیون" سے کھوئے۔ یہ سوار ہو کر ساحل تک فوجوں کی نقل و حرکت کا معائنہ کرنے جایا کرتا تھا۔ ایک روز اچانک عکبر پر بھی جا پہنچا اور قلعہ کی حفاظت

وغیرہ کے لئے مزید احکام دے کر واپس لوٹا۔ لیکن بذات خاص شقیف
ارنوں پر ہی پڑا رہا۔ حتیٰ کہ رگنلڈ والے شقیف کی دغا بازی کا اسے
علم ہو گیا۔ اور اس نے ۲۷ اگست کو فوج کو عکہ کی طرف بڑھنے کا
علم دیا۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ سلطان نے مقام مرج عیمون پر
ایک فوج کو نسل منعقد کی۔ اور ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ عیسائیوں کے
لشکر پر جو عکہ کی طرف آرہا تھا، راستہ ہی میں حملہ کر دیا جائے۔ لیکن فوج کے
بڑے بڑے سردار اس تجویز کے مخالف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب
عیسائی لشکر عکہ کے سامنے پہنچ کر خیمہ زن ہو۔ تو پھر اس پر حملہ کر دیا جائے۔
بہر کیف سلطان نے لشکر عکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور تین دن کے شب و روز
سفر کے بعد بہت سی فوج اور سامان خور و نوش عکہ کی طرف پہنچ گیا۔

(بادشاہ گائی سلطان کے آنے سے دو روز پیشتر عکہ کے قریب جواہیں
اپنے لشکر کے ساتھ آ پہنچا تھا۔ سلطان نے اپنا خیمہ تل کسان مقام پر
نصب کرایا اور باقی ماندہ لشکر کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر کے مقامات
عیاضیہ۔ نر حلو اور صفوریا تک پھیلادیا۔
نصرانی بادشاہ کا خیمہ تل مصلین میں نصب کیا گیا۔ باقی ماندہ لشکر شہر کو
چاروں طرف سے محاصرہ کئے تھا۔)

عکہ اس وقت مضبوط ترین شہر تھا۔ خشکی کی جانب پتھروں کی
دیوار اور جابجا برج شہر کی حفاظت کے لئے بنے ہوئے تھے۔ یہ دیوار
مشرق سے شمال تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور باقی ماندہ حصہ شہر کی دیواروں

کے ساتھ سمندر سرسڑکراتا ہوا گزرتا تھا۔ ساحل کی طرف پانچ میل کے فاصلہ پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ اسی جانب سلطانی لشکر پڑا ہوا تھا۔ کئی روز تک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ۵ اکتوبر کے روز تقی الدین عمر نے جس کی بہادری اور شجاعت کا زمانہ لوہا مانتا تھا شمالی جانب سے اس شدت سے عیسائیوں پر حملہ کیا کہ ظہر کے وقت عیسائی اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ ”تقی الدین“ عیسائیوں کے مورچوں پر قبضہ کر کے جوش غضب میں بھرا ہوا آگے بڑھا اور سینکڑوں صلیبی سرداروں کو خاک و خون میں سُلاتا ہوا عکے کے دروازے پر جا پہنچا۔ اسی وقت سلطان صلاح الدین اپنے چند جرنیلوں کے ساتھ عکے میں داخل ہوا۔ اور تمام فوجی مقامات کا ملاحظہ کیا۔

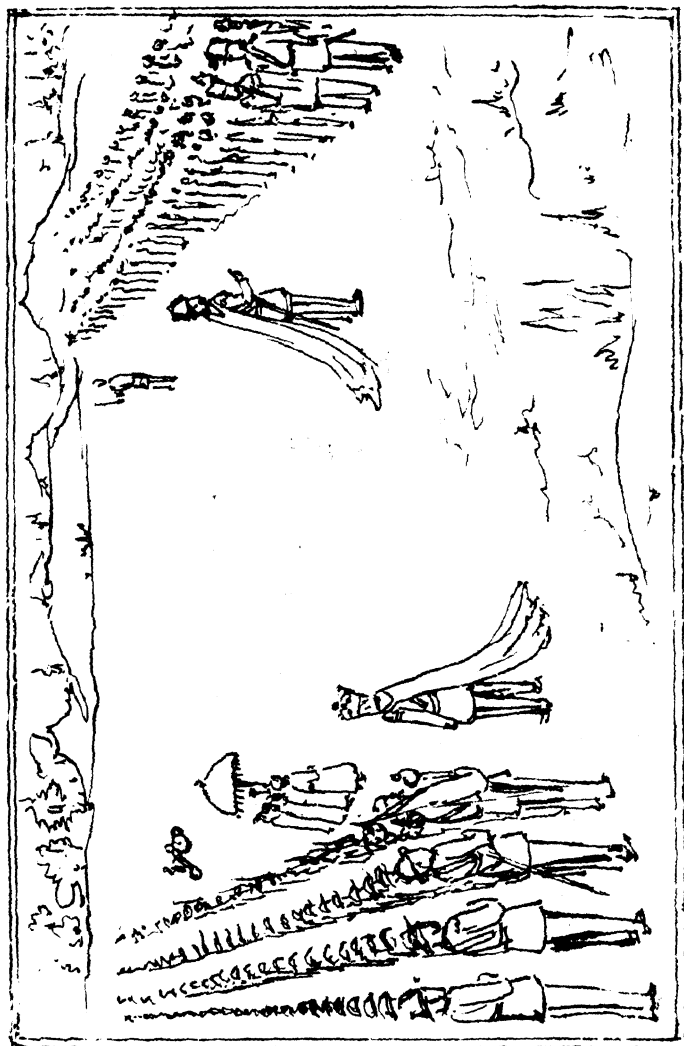
چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ بعض اوقات نہایت خوفناک منظر بھی دیکھنے میں آتے تھے۔ سلطانی لشکر میں حمید دوتھے وہ عیسائی سرداروں کے سر کاٹ کر سلطان کے سامنے پیش کر کے اِلعام مانگتے تھے۔ اسی طرح عیسائی مردوں کی لاشوں کو باتوں سے پکڑ کر اپنے لشکر میں کھینچتے پھرتے تھے۔

عیسائی ان روزانہ چھپٹوں سے تنگ آ گئے تھے۔ بڑے بڑے جہاز اور نامور صلیبی سردار ایک عام حملہ کرنے کے خواہشمند تھے۔ نصرانی بادشاہ نے ایک کونسل منعقد کر کے صورت حال سے سب سرداروں کو آگاہ کیا اور کہا کہ ابھی پورا سلطانی لشکر فراہم نہیں ہوا۔ اگر مسلمانوں کی تمام فوجیں آئیں۔ تو پھر

صورت مقابلہ بگڑ جائیگی صلیبی سردار تو پہلے ہی ایک عام حملہ کے آرزو مند تھے آخر یہ قرار پایا کہ صبح صادق ہوتے ہی عیسائی لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ چنانچہ صبح کو صبح ہوئے ہی نصرانی بادشاہ نے اپنے لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ نصرانی لشکر دھکیل کی لائن میں پھیلا ہوا تھا۔ تیر انداز اور گرز مار سپاہی پہلی صف میں تھے۔ ان کے عقب میں تمام بڑے بڑے صلیبی بہاد اور پیادہ فوج تھی۔ تمام عیسائی لشکر چار صفوں میں ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ بادشاہ قلب فوج میں بطور کمانڈر انچیف کے تھا۔ اس کے آگے آگے چار پادری انجیل اٹھا کر چلتے تھے۔ انجیل کا جلوس شان سے تھا کہ اطلس کا ایک شامیانہ سواروں نے پکڑا ہوا تھا۔ اس شامیانہ کے نیچے انجیل تھی۔ بائیں جانب فرقہ ٹمپلر کے صلیبی سردار تھے۔

مجاہدین اسلام بھی اپنے خمیوں ہی میں پڑے تھے کہ سامنے سے نصرانی لشکر نمودار ہوا۔ سلطان نے اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ اور اپنے دونوں بیٹوں فضل اور ظفر کے ساتھ فوج کے قلب میں لڑنے کے آئے تیار ہو گیا۔ ابھی نصرانی لشکر کچھ فاصلہ پر ہی تھا کہ تقی الدین عمر اور سیف الدین اپنی صفوں کو درست کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک فوج کی کمان فقیر عیسیٰ کے پاس تھی۔ قلب کی فوج کے داہنی جانب محصل اور دیار بکر کے سپاہی تھے۔ بائیں جانب تقی الدین عمر اپنے جانبازوں کے ساتھ عیسائیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے سلطانی حکم کا منتظر کھڑا تھا۔ اسلامی لشکر کے صف بستہ ہوتے ہی سلطان صلاح الدین سپاہیوں کی صفوں میں پھر پھر اکر ان کو جنگ کیلئے ابھارنے لگے۔

نقشہ جنگ دوسرے صفحہ پر ملاحظہ ہو



اگرچہ نصرائیوں کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں پر بے خبری کے عالم میں جا پڑیں۔ لیکن جب ان کے دیکھتے دیکھتے ہی اسلامی فوج ان کے مقابلہ میں آ موجود ہوئی تو ان کو فوراً حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ آخر دن چڑھے نصرانی لشکر نے مسلمانوں کے داہنی جانب جہاں تقی الدین عمر کمان کرتا تھا حملہ کر دیا۔ جب نصرانی لشکر آگے بڑھا۔ تو تقی الدین نے اپنے سپاہیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ تاکہ عیسائی مسلمانوں کے لشکر کے قریب آجائیں تو ان پر حملہ کرے۔ نصرانی کمر دار تقی الدین کی اس چال کو سمجھ نہ سکے۔ اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان دُب کر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ آگے بڑھے جیسے آئے صلاح الدین نے تقی الدین کی فوج کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر قلب میں سے کچھ فوج علیحدہ کر کے اس کی کمک کے لئے بھیجی۔ تقی الدین غمرہ تکبیر بلند کرتا ہوا عیسائیوں پر پل پڑا۔ اور دباتا ہوا دُور لے گیا۔ اس وقت نصرانیوں کو اس بات کا علم ہو چکا تھا۔ کہ سلطان کا قلب کا لشکر کچھ کمزور ہے۔ چنانچہ باقی ماندہ نصرانی لشکر نے ہجوم کر کے قلب پر حملہ کر دیا۔ صلیبی سرداروں نے جنہوں نے سر سے پاؤں تک فولادی لباس پہنا ہوا تھا۔ دوش دوش لکھڑے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس آہنی دیوار کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ قطب الدین جس کے ماتحت دیوار بکرتے سپاہی تھے مسلمانوں کی جماعت کو کمزور پا کر آگے بڑھا اور کچھ سات کے لئے نصرائیوں کی پیش قدمی کو روک دیا۔ لیکن اس وقت نصرانی سوار صلیبی بہادروں کے عقب سے نکل کر مسلمانوں پر آپڑے۔ پیرل فوج اور سواروں کے حملہ کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور سپاہی میدان سے بھاگ نکلے صلیبی سرداروں نے ان کا تعاقب کیا۔ اور مفروروں کو مارتے ہوئے اپنے باقی ماندہ لشکر سے دُور آگے نکل آئے۔ اور سلطان کے کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان اس وقت بائیں جانب کی فوج میں تھا

کہ اس کو اس خوفناک واقعہ کا علم ہوا۔ گھوڑا اڑاتا ہوا اپنے قلب میں پہنچا۔ مسلمان اپنے سلطان کو دیکھ کر سنبھل گئے۔ سلطان اپنے سپاہیوں کو لے کر نصرانیوں کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ جب نصرانی سردار سلطانی کیمپ کو ٹوٹ کر واپس لوٹے۔ تو سلطان حسب عادت نعرہ اللہ اکبر بلند کرتا ہوا ان پر حملہ آور ہوا۔ اور ساتھ ہی باقی ماندہ لشکر کو بھی تمام نصرانی لشکر پر عام حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں قلعہ عکہ سے محصورین نے نکل کر عقب کی جانب سے دشمنانِ دینِ مبین کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ عیسائی مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے مسلمان تعاقب کرتے ہوئے نہایت تھکتے کیساتھ دشمنانِ اسلام کا ستھراؤ کرنے لگے۔ نصرانی بادشاہ بڑی مشکل سے جان بچا کر میدان سے بھاگتا۔ بڑے بڑے نامی گرامی صلیبی سردار قتل ہوئے۔ فرقہ ٹیملر کا مشہور و معروف سردار عظیم ڈگریڈ ماسٹر آف ٹیملرز جیرارڈ آف رائنڈ فورڈ جو نصرانی لشکر کا روحِ رواں متصور ہوتا تھا لڑتا ہوا قتل ہوا۔

جنگ عکہ میں نصرانی عورتیں مرووں کے لباس میں لڑتی ہوئی گرفتار ہوئیں۔

(علامہ بہاؤ الدین جو اس لڑائی میں موجود تھا لکھتا ہے۔ کہ جس افسر کو سلطان نے عیسائی مقتولوں کی لاشیں اٹھوا کر دریا میں پھینکنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق اکتالیس سولاشیں تو صرف دریا ہی میں پھینکی گئیں بقول عماد الدین عکہ کی لڑائی میں دس ہزار عیسائی مقتول ہوئے۔ مسلمانوں کی جانب سے دیا بکر کے سپاہی بہت مارے گئے۔ کچھ تو لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور کچھ بھاگتے ہوئے مارے گئے) عیسائیوں کے بیان کے مطابق عکہ کے معرکہ میں ایک جنرل اور ایک سو پچاس چھوٹے چھوٹے سردار اور تقریباً پندرہ سو

سپاہی کام آئے۔

اس فتح کے بعد اگر سلطان عیسائیوں کا تعاقب کرتا۔ تو ممکن تھا کہ تمام عیسائی فوج یا تو ہتھیار ڈال دیتی یا میدان سے بھاگ کر کسی اور مقام پر پناہ گزین ہوتی۔ لیکن کسی مصلحت سے بھگوڑے نصرائیوں کا تعاقب کیا۔ چنانچہ نصرائی لشکر عکہ سے کچھ فاصلہ پر جا کر پھر مورچہ تیار کرنے لگا۔ اس وقت آجائیک سلطان کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ تاہم اس نے اپنے اُمرا و جرنیلوں کی ایک کونسل منعقد کی۔ اور بقول علامہ ابن اثیر یہ تقریر کی :-

”برادران! مسلمانو! دشمنانِ دینِ مبین اللہ کی زمین پر فخر کی تائیدی پھیلانے میں تم و دوکر رہے ہیں۔ خدائے عز و جل کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اُس نے ہر میدان میں ہمیں فتح و نصرت عطا کی ہے۔ اس وقت اگر تم لوگ ہمت کرو۔ تو یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے بیخ و بنیاد سے اکھڑ پھینکا جاسکتا ہے۔ ”ملک العادل“ ہماری کمک کے لئے ایک جہاز فوج لے کر آ رہا ہے۔ اگر تم نے دشمنوں کو مُہلت دیدی۔ تو پھر سمند و کارستہ کھلا ہے۔ یورپ اور ایشیا کے عیسائی جماعت و رجاعت ان سے آئیں گے۔ میرے خیال میں ہمیں ان پر فوراً حملہ کر دینا چاہئے۔“

سلطان کی تقریر کے بعد کونسل میں بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ کچھ سردار اور جرنیل دشمن پر فوراً حملہ کرنے کی رائے میں تھے۔ کچھ اس کے خلاف تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ تھکے ماندے مجاہدین کو کچھ عرصہ آرام کرنیلی مُہلت دی جائے۔ سلطان کے طبیب جن کو سلطان کی بیماری کا بہت خیال تھا۔ اسی گروہ کے ساتھ فوج الگ تھے۔ ان لوگوں نے سلطان سے دست بستہ

عرض کی کہ جب تک اسے صحت نہ ہو جائے مزید حملہ کا خیال ملتوی کر دیا جائے۔
پھر بھی آخر کار طبیبوں کی رائے غالب آئی۔ گو سلطان اس رائے کے خلاف تھا۔

(علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے۔ کہ دو سال سے سلطان کو کبھی مستقل طور پر
چندر روزہ ہی آرام نہ ملا تھا۔ جنگ و جدل کے موقع پر غذا کا بھی کوئی انتظام
نہ تھا۔ تمام دن گھوڑے پر سوار رہتا تھا۔ اور ہر موقع پر میدان، جنگ میں
سپاہیوں کی صفِ اول میں ہمیشہ موجود نظر آتا۔ گرمی ہو یا جاڑا اسکی مستعدی
اور جوشِ اسلامی میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ آخر یہ بے قاعدگی اور غصہ اور
صحت کی طرف سے لاپرواہی رنگ لائی اور سلطان کو مجبوراً اپنے اطباء کی رائے پر
کاربند ہونا پڑا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس وقت عیسائیوں پر حملہ کر دیا جاتا
تو مسلمانوں کو یقینی طور پر فتح حاصل ہوتی۔ کیونکہ اس وقت عیسائی قلعہ عکہ اور
سلطانی افواج کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ صرف سمندر کا راستہ کھلا تھا۔
اگر اس وقت ان پر حملہ کیا جاتا۔ تو ایک بار پھر کارزارِ حطین ان کو یاد آ جاتا۔)
سلطان نے اپنی افواج کو میدان سے نکل کر کوہستانِ خرد و بزر خیمہ زن
ہونے کا حکم دیا۔ چند روز بعد بارشیں شروع ہو گئیں اور حملہ کا خیال بالکل
ترک کر دیا گیا۔

بقول عماد الدین اور ابوشامہ سلطان کے کوہستانِ خرد و بزر کی طرف واپس
چلے جانے سے عیسائیوں کی ہمت بندھ گئی۔ عیسائی لشکر نے عکہ کے گرد گھیرا
ڈال کر خندقیں۔ دودے اور مورچے بنانے شروع کر دیے۔ اور ہر طرح کے
سامانِ حرب سے اپنے مورچوں کو مستحکم کر لیا۔ سلطان کو عیسائیوں کی تیاریوں کی

پیہم خبریں پہنچتی تھیں۔ لیکن علالت کے باعث وہ ان کی روئے تھام کی طرف سے خاموش رہا۔

چند روز بعد ملک العادل سیف الدین مصری فوج اور بہت سا سامان حرب لے کر آگیا۔ اور دریا کے راستہ امیر البحر حسام الدین کوٹو پیاس جنگی جہاز سکندریہ سے لیکر عکہ پہنچ گیا۔ سلطان نے خروہ سے اپنے نکاحات صوبوں کے گورنروں اور ان سرداروں کو جن سے عہد و پیمان تھا کمک بھیجنے کے لئے فرمان لکھے۔ ”ہماؤ الدین“ سلطان کا غریضہ لے کر بغداد پہنچا۔ خلیفہ نے بہت سا سامان حرب سلطان کی مدد کے واسطے بھجوا دیا۔

اتنے میں سلطانی جاسوسوں نے اسے فریڈرک والی باربروصہ کے ایشیا کوچک کی طرف سے ایک جہاز لشکر کے ہمراہ آنے کی خبر پہنچائی۔ اور ایک اور جرمن لشکر کے شام کی طرف بڑھنے کی خبر بھی پہنچی۔ سلطان نے اپنے لشکر میں سے چند فوجیں منتخب کر کے ان نصرانیوں کی روک تھام کے واسطے روانہ کر دیں۔ ان واقعات کے چند روز بعد ایک اور مشہور معروف صلیبی سردار ہنری وال شیمین دس ہزار جرمن نصرانی سپاہی بہت سے صلیبی سردار (نائٹ کروسیڈر) اور بہت سا زوسامان لیکر عکہ پہنچ گیا۔ اس نصرانی لشکر کے آنے سے پہلے سلطانی افواج اور محصورین عکہ کے درمیان سلسلہ نامہ و پیام جاری تھا۔ بلکہ گاہے گاہے مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو جھڑپ مورچوں اور دمدموں پر ہو جاتی تھی۔ تو اس میں بھی مسلمان ہی غالب رہتے تھے۔ لیکن ہنری وال شیمین کے آجانے سے صورت معاملہ بالکل بدل گئی۔

عیسائی لشکر نے عکہ کے سامنے کھڑا تھا لکڑی کے تین برج تیار کئے۔ ہر ایک برج ساٹھ گز بلند تھا۔ لکڑی پر اس قسم کا روغن لگایا گیا کہ جس سے یہ برج

آتش سے محفوظ ہوں گے نصرانی لشکران بُرجوں کی آڑ میں شہر کی طرف بڑھے۔ اسلامی لشکر میں ایک نوجوان سپاہی غریف نامی دمشق کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص کیمیا کے علم سے واقف تھا۔ غریف نے چند ایک ادویات فراہم کر کے ایک مصالحہ تیار کیا۔ اور حاکم شہر سے درخواست کی کہ مشینوں (منجنيقوں) کے ذریعے سے بُرجوں پر پھینک دیا جائے قراقرش حاکم عکہ نے یہ مصالحہ مشینوں کے ذریعے سے ان چوبی بُرجوں پر پھینک دیا اور پھر آتش باری شروع کی گئی۔ دفعۃً ان بُرجوں کو آگ لگ گئی اور چشمِ بدن میں یہ تینوں جہل کر راکھ ہو گئے۔ سلطان کو جب اس واقع کا علم ہوا۔ تو اس نے اس نوجوان کیمیاگر کو بہت سنا انعام دینا چاہا۔ مگر اس نے یہ کہہ کر انعام لینے سے انکار کیا کہ اس نے عساکر اسلام کی خدمت محض خدا اور اس کے رسول اللہ کے لئے کی ہے انعام کے لئے نہیں کی۔ سلطان یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا۔

اس اثنا میں سلطان فی فرمان کے صادر ہونے سے مختلف مقامات سے ماتحت صوبے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ آکر سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ سب سے پہلے عماد الدین زنگی والے سنجار ایک زبردست فوج لے کر آیا۔ اور آتے ہی نصرانیوں سے دست و گریباں ہو گیا۔ ایک مختصر سی لڑائی میں بہت سے عیسائیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر سلطان کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ پھر سیف الدین غازی والے جزیہ ایک باقاعدہ لشکر لے کر جہاد کرنے کو آموجود ہوا۔ موصل سے علاؤ الدین بن عزیز الدین مسعود ایک لشکر لے کر پہنچا۔

ماہ جون میں سکندریہ سے چند جہاز سامان خور و نوش لیکر دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عکہ میں پہنچ گئے۔ مورخہ ۲۵ جولائی کو مجاہدین اور پیروان مسیح علیہ السلام میں ایک خونریز لڑائی ہوئی۔ اس جنگ میں بقول علامہ بہاؤ الدین اور ابو شامہ دس ہزار عیسائی مارے گئے۔ لیکن عیسائی مورخ آرک بشپ صرف چار ہزار مقتول بتلاتا ہے۔ اس لڑائی کے بعد عساکر اسلامی جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رکھنے پر بالکل آمادہ تھے۔ لیکن نصرانیوں کو صف بستہ ہو کر مقابلہ کے لئے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ۲۷ جولائی کو کونٹ ہنری جو اپنے زمانہ کا ایک بہت مشہور صلیبی سردار تھا آپہنچا اور نصرانی لشکر کی کمان کرنے لگلا۔

دو چار روز بعد سلطان کو شہنشاہ جرمنی کے مرنے کی اطلاع پہنچی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا چالیس ہزار فوج کے ساتھ کوچ کرتا ہوا مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بڑھا چلا آتا تھا۔ فرانسیسی اس وقت تک ایک کثیر تعداد میں لشکر میں آگئے تھے مسلمانوں کے جہاز وقتاً فوقتاً جس طرح بھی بن پڑتا سامان رسد برابر اہل عکہ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ سلطانی جہاز پر فرانسیسی جھنڈا بلند کر دیا جاتا۔ دشمن اسے اپنی طرف کا جہاز سمجھ کر تعرض نہ کرتے۔ اور یہ ان کے دیکھتے دیکھتے عکہ کے بندر میں داخل ہو جاتا اور عیسائی شور مچاتے رہ جاتے۔

عیسائیوں کو یہ یقین تھا۔ کہ جب تک اہل عکہ کو سامان رسد اور سامان حرب باہر سے پہنچے گا۔ محصورین کا قابو میں آنا ناممکن ہے۔ قلعہ عکہ میں ایک برج تھا جسے فلانی ٹاور یا "برج گس" کہتے تھے۔ اس برج کی بدولت باہر سے آنے والے جہاز عیسائیوں کی آتش باری اور گزند سے محفوظ رہتے تھے۔ عیسائی انجینئروں نے اس برج کو جلانے کے واسطے چند جہازوں پر ایک مورچہ تیار کیا۔ اور ساتھ ہی خشکی کی

جانب سے گھاس پھوس مٹی اور کنکر فراہم کر کے ایک متحرک مورچہ بنالیا اور اسکی آڑ میں قلعہ کی طرف شب کی تاریکی میں بڑھے جب قلعہ کے پاس پہنچے۔ تو جہازوں کو جن میں بارود اور بھک سے اُڑنے والا مصالحہ تھا آگ لگا دی۔ اور دہر چمکے سے "برج گس" کے نیچے پہنچ کر سیڑھیاں لگا کر دیوار پر چڑھنے لگے۔ اس وقت اچانک مسلمان نعرۃ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے ان پر آپڑے۔ اور سب عیسائیوں کو مار مار کر فکیل سے نیچے گرا دیا۔ ادھر جب عیسائیوں نے اپنے جہازوں کو آگ لگائی۔ اچانک ہوا کا رخ بدل گیا۔ بہت سے عیسائی اپنی ہی آگ میں جل گئے۔ خشکی کی جانب سے اہل قلعہ نے شہر سے نکل کر بھاگتے ہوئے عیسائیوں کو مار مار کر ان کے لشکر تک پہنچایا۔ اس معرکہ میں تقریباً سات سو عیسائی قتل ہوئے اور جو صل کرنی النار والسقر ہوئے۔ ان کی تعداد معلوم نہیں۔

اول اکتوبر میں وہ جرمن لشکر جس کی ایک عرصہ سے آمد آمد کی افواہ گرم تھی فریڈرک ڈیلوک آف سوابیا کی زیرِ کمان آ پہنچا۔ اس لشکر میں کم و بیش پانچ ہزار سپاہی تھے۔ ڈیلوک نے آتے ہی مسلمانوں سے چھپر شروع کر دی۔ آخر سلطان کے ہراول نے آگے بڑھ کر موصی لشکر کی مدد سے ڈیلوک اور اس کے بہادروں کو ایک ایسی شکست دی کہ پھر دوبارہ فریڈرک کو عساکرِ سلطانی کی طرف رخ کرنے کی بھی جرات نہ ہوئی۔ آخر عیسائیوں نے باہمی صلاح مشورہ سے یہ فیصلہ کیا۔ کہ شہر فتح کرنے کے لئے متفقہ طور پر کوشش کی جائے۔ چنانچہ شہر پہنچا کہ توڑنے کے واسطے ایک بہت بڑی مشین تیار کی گئی۔ ہزاروں روپے اس کی تیاری پر صرف ہوئے۔ اول اکتوبر میں نصرانیوں نے بڑے جوش سے اہل شہر پر حملہ کیا اور بڑھتے ہوئے قلعہ کی دیواروں تک جا پہنچے۔ لیکن پشتر اس کے کہ یہ لوگ

دیواروں پر چڑھیں۔ محصورین نے سیال آتش تیروں اور پتھروں کی ایسی بوچھاڑ شروع کی۔ کہ حملہ آور کھجور کر پیچھے لوٹے۔ مسلمانوں نے قلعہ سے نکل کر بھگوروں کا تعاقب کیا۔ اور سینکڑوں کو قتل کر ڈالا۔ قلعہ شکن مشین بھی مسلمانوں نے عیسائیوں سے چھین کر جلا ڈالی۔ ان شکستوں سے محاصرین دل شکستہ ہو کر بیٹھ گئے۔

(ان واقعات کے چند روز بعد یورپ سے مکلی فوجیں اور عیسائی سرفروش اپنے ایشیائی بھائیوں کی مدد کو پہنچے۔ اور پھر چند یوم بعد بالڈون۔ ارک بشپ آف کنٹر برمی۔ ہیوبرٹ والٹر۔ بشپ آف سالسبریری اور بڑے بڑے نامی گرامی ناٹ کروسیڈر الٹائر میں بڑے ساز و سامان سے پہنچ گئے۔ اور مورخہ ۱۲ اکتوبر کو عکہ کے عیسائیوں کے ساتھ آکر شامل ہو گئے۔ اسی اثنا میں بادشاہ انگلستان رچرڈ اور شاہ فرانس کے یورپ سے چلنے کی خبر بھی آگئی۔ ان لوگوں کے آنے سے محاصرین میں پھر زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ مشہور عیسائی مؤرخ آرچر اپنی کتاب الموسوم بہ کروسیڈ آف رچرڈ فی فٹ میں لکھتا ہے :-

”یورپ سے کما سپاہ کے آنے سے پیشتر ہمارے صلیبی سردار جو ایک عرصہ سے عکہ کے سامنے خیمے ڈالے پڑے تھے۔ روزمرہ کی شکستوں سے سخت پریشان تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ چکی تھی کہ مسلمان ان کے خیموں کے پاس آکر انہیں میدان میں نکلنے کے لئے للکار تے۔ لیکن یہ ٹس سے مس نہ ہوتے۔ ہمارا اکیمپ بد اخلاقی۔ بد تہذیبی۔ نجاست اور ناپاکی کا ایک شرمناک منظر پیش کرتا تھا۔ وہ لوگ جو سچ علیہ السلام کی عزت اور وقار برقرار رکھنے کے لئے

گھروں سے نکلے تھے خیموں میں بیٹھے نہایت خرمناک حرکات کرتے تھے ان لوگوں کی حیا سوز بد اخلاقی کی وجہ سے یسوع مسیح بھی ان سے ناراض ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ چکے تھے مسلمان ہر طریق سے ہمارے سپاہیوں کو لڑنے کی ترغیب دیتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کی نسبت صلیبی سرفروش بے عزتی اور رسولانی کو ترجیح دیتے تھے۔

آرک بشپ آف کنٹربری اور بشپ آف سالسبری نے لوگوں کو غلط اور ہندو نصیحت سے راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور فتح کے وعدے اور یسوع مسیح کی مدد کے بھروسہ پر پھر سلطان کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔ ۱۲ نومبر کو عک کے جنوب میں شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر پھر ایک بار پرچم ہلال صلیب کے نشان کے سامنے لہرانے لگا عیسائیوں کو آگے بڑھتے دیکھ کر سلطان صلاح الدین کے ہراول نے ان پر حملہ کیا اور دشمنوں کی پیش قدمی کو روک کر ہراول سلطان کی سپاہ مقام تل کسان کو لوٹ آئی۔ اور پھر اگلے روز یعنی مورخہ ۱۳ نومبر کو مسلمانوں نے عیسائیوں کو جو آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے گھیر لیا۔ سلطان کی بائیں جانب کی فوج سمندر سے لیکر نہر النعم تک پھیلی ہوئی تھی۔ دائیں جانب کا لشکر ہاٹیوں اور دریا کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ قلب کا کمانڈر ملک الفضل سلطان کا بیٹا تھا سلطان کا خیمہ ایک چھوٹے سے ٹیلے پر ایسے مقام پر نصب تھا جہاں سے تمام میدان جنگ پر نظر پڑتی تھی (نصرانی لشکر کا دراصل مقصد یہ تھا کہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں اسے سامان رسد بکثرت مل سکے لیکن اپنا راستہ شامی لشکر سے رکا ہوا دیکھ کر یہ پھر پیچھے لوٹا مسلمانوں نے جہاں موقع ملا۔ ان پر حملہ کر دیا۔ سلطان ٹیلہ پر بیٹھا تمام نظارہ دیکھ رہا تھا۔ جہاں مدد کی

ضرورت ہوئی۔ فوراً تازہ دم فوج بھیج دیا۔ نصرانی لشکر اس وقت نہر کے مغربی جانب پلٹ رہا تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ اور مسلمان بڑھے آتے تھے کہ اتنے میں محفوظ نصرانی فوج میں سے گائی لوسگن "تازہ دم عیسائی سپاہی لیکر اپنے ساتھیوں کی مدد کو آپہنچا۔ مسلمان جو تعاقب کرتے اور دشمنوں کو ہلاک کرتے بڑھے آرہے تھے تاریکی ہو جانے سے واپس لوٹ گئے (حجۃ) اور نصرانی لشکر کوٹ ہنمری اور بڑے بڑے صلیبی سرداروں کی سرکردگی میں آگے بڑھا تھا لیکن بہت سا نقصان جان برداشت کر کے واپس لوٹا۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ مقتولوں کی لاشوں کے سڑنے سے ہوا میں عفونت پھیل گئی تھی۔ اور وہاں پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ سلطان کی طبیعت پھر بگڑنے لگی۔ لیکن لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ایک شب مجاہدین اسلام کا ایک بہادر جتھہ قرب جوارس پہاڑیوں میں دشمن پر حملہ کرنے کے لئے چھپا ہوا تھا۔ صبح ہوئے ہی مجاہدین نے پہاڑ سے نکل کر عیسائیوں کی ایک جوہر پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں چار سو عیسائی سوار مارے گئے۔ تھوڑے بہرے جو گرفتار ہوئے۔ ان میں چند ایک معزز صلیبی سردار تھے۔ سلطان ان قیدیوں سے بڑی مروت سے پیش آیا۔ اور ان سب کو دمشق کی طرف بھیج دیا۔

(۹۰-۹۱) اے کا جاڑے کا موسم صلیبی سپاہیوں نے بڑی پریشانی اور بدحواسی کی حالت میں بسر کیا۔ بہت سے نصرانی سردار اس وقت تک مارے جا چکے تھے۔ ملکہ سبیلہ گوشہ لحد میں سوچکی تھی۔ انگریزی فوج میں سے اسل آف فیر اور کلیر شکستوں کی پریشانی سے گھبرا رہی تھی۔ ملک عدم ہو چکے تھے۔ نومبر کے اختتام میں آرک بشپ آف کنسٹرینبرگ مسیح علیہ السلام کی اہمیت کی بد اخلاقیوں اور نازیبا اور شرمناک حرکات سے کڑھ کڑھ کر اپنے آقا کے حضور میں شکایت کرنے کے لئے دنیا سے رخصت ہو چکا

تھا۔ لشکر میں بدانتظامی کے علاوہ قحط اور وبا پھیل رہی تھی۔ ایک انڈہ کی قیمت چھ دینار تک پہنچ چکی تھی۔ گندم کے ایک تھیلے کا دام ایک اشرفی تھا۔ اہل لشکر گھوڑوں اور مروجہ حیوانوں کے گوشت پر گزران کرتے تھے۔ سرداروں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ بہت سے لوگ بھوک کی شدت سے تنگ آکر مسلمان ہو گئے۔ بارشوں نے اور بھی نا طقہ بند کر رکھا تھا۔ آخر خدا کر کے جاڑے کی شدت کم ہونے لگی۔ دریا کا راستہ کھل گیا۔ اور محاصرہ میں کے پاس اس قدر سامان رسد آپہنچا کہ قحط کی مصیبت سے انہیں نجات مل گئی۔

سلطان صلاح الدین نے بھی جاڑے کے آیام میں اپنے سرداروں کو اپنے لشکروں کے ساتھ گھسروں کو واپس جانے کی اجازت عطا کر دی۔ اہل عکہ کو سامان خورد و نوش پہنچانے کے واسطے ملک العادل مقام حیفہ پر موجود تھا۔ مگر سے جو غلہ دریا کے راستہ آتا تھا۔ ملک العادل کا لشکر اسے قلعہ میں پہنچا دیتا تھا۔ ماہ فروری میں سلطان نے شہر کی حفاظت کے لئے تازہ دم فوج بھیج دی۔

علامہ ابن اثیر لکھتا ہے کہ سلطان بذات خود اپنے جان نثاروں کی جمعیت کے ساتھ عکہ کے باہر عیسائیوں کی روک تھام کے لئے موجود رہا۔ شہر کی حفاظت کے لئے تازہ دم فوج بھیج دی گئی۔ لیکن یہ سپاہی کچھ ایسے تجربہ کار نہ تھے اور ان کے افسر بھی نوجوان ہی تھے۔ فوجی نکتہ خیال سے سلطان کی یہ ایک ٹنٹاک غلطی تھی۔ اس تمام عرصہ میں کابہ کابہ نصرانی اور سلطانی لشکر میں معرکہ آرائی بھی ہو جاتی تھی۔ اور کبھی کبھی اہل شہر میدان میں آکر عیسائیوں کو قتل بھی کر جاتے تھے۔ لیکن ان لڑائیوں سے کبھی کسی کو مستقل فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا۔

آخر جاڑے کا موسم گزرا۔ دھخوں میں شکوے نکل نکل کر بہا کی آمد آمد کی خبر دیئے گئے۔ ساتھ ہی یورپ سے رچرچا بادشاہ انگلستان اور فلپ بادشاہ



شیردل چہرہ

فرانس کے ایشیا میں پہنچ جانے کی خبر اڑنے لگی۔ اور دونوں طرف سے تیسری سلیبی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

رچرڈ بادشاہ انگلستان

رچرڈ بادشاہ انگلستان اور فلپ شاہ فرانس منہ بمقابلہ میں یورپ سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے کے لئے چلے لیکن ان کے ایشیا میں پہنچتے پہنچتے سلطان صلاح الدین نے عکہ کے میدان میں نصرانیوں کا ستھراؤ کر ڈالا۔ سب سے پہلے فلپ بادشاہ فرانس عکہ پہنچا۔ نصرانیوں نے بڑے جوش سے اس کا استقبال کیا۔ فلپ نے آتے ہی قلعہ عکہ تسخیر کی تدبیر شروع کر دی۔ بڑی بڑی قلعہ شکن مشینیں قلعہ کے سامنے استادہ کر دی گئیں۔ ماہ مئی میں نصرانی لشکر پھر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ دن بھر فلپ کی تازہ دم فوج قلعہ پر یورش کرتی تھی۔ اور شب کی تاریکی میں قلعہ کی دیواریں اڑانے کے لئے خندقیں بنانے میں لگی رہتی تھی۔

تفصیلی فصلی اپنے ایک خط میں ابوشامہ کو لکھتا ہے: نصرانیوں نے اس زمانے میں جس قدر سامان حرب ایجاد ہو چکا تھا مصوریں کے مقابلہ میں استعمال کیا۔ ان لوگوں نے اپنے صدر مقام کے پاس سے ایک دھرم تیار کرنا شروع کیا۔ اس دھرمے کی آتشیں نصرانی سپاہی قلعہ کی دیواریں اڑانے کے لئے ٹھیک کر دی گئیں تھے۔ یہ ٹنگوں میں سے جس قدر میٹھی نکلتی تھی وہ اس دھرم پر ڈال کر اسے بلند کرتے جاتے تھے۔ اس دھرم پر ایک سوچ بھی تعمیر کیا گیا۔ اس پر کاپر ملا حقدہ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ ایک حصہ لوہے وغیرہ سے تیار کیا گیا تھا۔ ایک اور حصہ تنگ خشت

سے تعمیر ہوا تھا۔ ہر ایک حصہ میں نصرانی لشکر کے چند نوجوان بکثرت موجود تھے اور یہ ایک ہی وقت میں اہل قلعہ پر آتش باری کرتے تھے۔

فلپ بادشاہ فرانس کو رچرڈ بادشاہ انگلستان کا انتظار تھا۔ اور اسی لئے وہ عساکر سلطانی پہ حملہ کرنے میں لیت و لعل کر رہا تھا۔ آخر رچرڈ کی آمد آمد کی افواہ پھیلنے لگی۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان کے عکہ پہنچنے کی کیفیت ہم ایک کتاب الموسوم بہ "آنسری آف رچرڈ" جہانیاں جہاں گشت رچرڈ کی سیاحت سے جو اس کے بڑے مداح عیسائی مورخوں نے لکھی ہے نقل کرتے ہیں:-

"یورپ سے نکل کر رچرڈ بجائے اس کے کہ وہ سیرا بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑوانے کیلئے سرزمین فلسطین کی طرف متوجہ ہوتا۔ وہ راستہ ہی میں سیناؤ ساپرس کی تلخیر کے لئے رُک گیا۔ آخر ان ہر دو مقامات کو فتح کئے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ عکہ سے دور ہی تھا کہ اسے یہ خبر ملی کہ فلپ بادشاہ فرانس کی فوج عتقریب قلعہ عکہ پر قبضہ کرنے والی ہے۔ یہ خبر سن کر وہ بہت متعجب ہوا کیونکہ اسے اس بات کا بہت رنج تھا کہ عکہ کی فتح میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اس کا بیڑا بیت عظیم آسان تھا۔ سب آگے بادشاہ کا جہاز تھا۔ آخر خدا کر کے بیت المقدس کے سینار دور فاصلہ پر اسے نظر آئے۔ ایک روز جب رچرڈ کا بیڑا الصیدان کے قریب جوار میں لڈر رہا تھا۔ کہ بیروت کی جانب سے ایک بہت بڑا جہاز آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس جہاز میں بہت سے نوجوان ترک سوار تھے جو سلطان صلیح الدین کی مدد کو آ رہے تھے سمندر میں انگریزی بیڑا دیکھ کر یہ جہاز کناٹے سے ہٹ کر سمندر میں چلا گیا تاکہ موقع پا کر عکہ کی بندرگاہ میں داخل ہو جائے۔ رچرڈ کو اس جہاز کی بناوٹ سے کچھ شبہ پایدا ہوا۔ اور اس نے اپنے سرداروں کو بوجھا کہ یہ جہاز ہے مسلمانوں نے عیسائیوں کو دھوکا دینے کیلئے فرانیسی

پھر براڈار کھاتھا۔ اس کے امیر البحر نے کہا کہ فلڈ شاہ فرانس کا جہاز معلوم ہوتا ہے لیکن رچرڈ کو یقین نہ آیا۔ اور اس نے ایک جنگی جہاز کے کپتان کو حکم دیا کہ وہ خود اس جہاز کے قریب پہنچ کر معلوم کرے کہ کون لوگ اس پر سوار ہیں۔ جونہی انگریزی جہاز نزدیک پہنچا۔ تو اسلامی جہاز پر سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ انگلستان نے حملہ کا حکم دیدیا۔ انگریزی جہازوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔ لیکن مسلمان بہادروں نے کسی جہاز کو پاس نہ بھٹکنے دیا۔ رچرڈ کے سوراہمت مار کر نیچے ہٹنے لگے۔ اس پر رچرڈ نے اعلان کر دیا۔ کہ اگر کوئی سپاہی تساہل سے کام لے گا۔ تو اُسے سولی دیدی جائیگی بادشاہ کا یہ حکم سن کر بہت سے سپاہی جہازوں سے سمندر میں کودے اور بڑی کشمکش سے مسلمانوں کے جہاز تک پہنچے۔ لیکن جو شخص بھی جہاز پر ہاتھ رکھتا تھا وہی مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو کر سمندریں جا پڑتا تھا۔ رچرڈ نے تمام شہرے کو اس کیلئے جہاز پر تیر اندازی کرنی کا حکم دیا۔ آخر بہت سے جو انگریسی جہاز پر چڑھ گئے اور درست بدست لڑائی ہونے لگی۔ ترکوں نے سینکڑوں صلیبی بہادر قتل کر ڈالے۔ باقی ماندہ اسلامی جہاز سے بھاگ کر اپنے جہازوں پر آگئے۔ اب رچرڈ نے اپنے بیڑے کو حکم دیا۔ کہ اسلامی جہاز کو جس طرح ہو بیکا کر دیں۔ آخر اس تدبیر سے اسلامی جہاز میں شہکاف ہو گیا۔ اور وہ ڈوبنے لگا۔

(علامہ ہماؤ الدین لکھتا ہے کہ اس جہاز کا کپتان یعقوب علی تھا۔ اس نے خود جہاز میں چھید کر کے ڈبو دیا تھا)

مسلمان سپاہی جو اس بہاز میں موجود تھے سب کے سب سمندریں کو ڈپرے کچھ تو ڈوب گئے۔ جو بچے وہ قتل کر ڈالے گئے۔ اس جہاز پر اسقہ رسا مان رسد اور رسا مان حرب تھا۔ کہ اگر یہ عکس میں پہنچ جاتا۔ تو پھر عیسائی ہرگز ہرگز

قلعہ پر قابض نہ ہو سکتے۔ اس جہاز کو تباہ کرنے کے بعد رچرڈ اپنا بیڑا لے کر
 عکہ کی طرف بڑھا جہاں بڑی بینیابی سے اس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ آخر
 عکہ کے میناروں پہنچ کر نظر آنے لگے۔ اور پھر میدان جنگ کا نقشہ بھی صاف صاف
 نظر آنے لگا۔ عکہ کے سامنے عیسائی لشکر پڑا تھا۔ ان سے کچھ فاصلہ پر سلطان
 صلاح الدین کا لشکر نظر آ رہا تھا۔ ایک اونچے ٹیلے پر ایک خیمہ نصب تھا
 اور چمچ ہلال ہوا میں لہرا رہا تھا یہ سلطان کا خیمہ تھا۔ خیمہ کے دروازے پر
 دو شیر زنجیروں سے بندھے تھے۔ سلطانی خیمہ کے پاس ہی اس کے بھائی
 ملک النعال کا خیمہ نصب تھا۔ اس کے دروازے کے سامنے بھی شیر و گئی
 ایک جوڑی بندھی تھی۔ فوج کے قلب میں ایک جانب مشہور اسلامی بہادر
 قلی الدین عمر کا خیمہ نصب تھا۔

جب رچرڈ کا جہاز کنارے پر لگا۔ تو تمام نصرانی لشکر نے خوشی کا نعرہ بلند کیا
 عیسائی است اپنا نجات دہندہ کہتے تھے۔ بادشاہ فرانس اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ
 نامی گرامی سواروں کو ساتھ لیکر بادشاہ رچرڈ کے استقبال کو آیا۔ بیوڈہ ۸ جون کو
 رچرڈ نے سرزمین عکہ پر قدم رکھا۔ رات کو عیسائی لشکر نے روشنی کی تمام دیاں
 اور رات گھریاں بجتے رہے۔ اور پادری مناجات پڑھتے رہے۔

۸ جون سے سلطان صلاح الدین نے پھر عیسائی لشکر سے چھپر چھاڑ شروع
 کر رکھی تھی۔ ادھر عیسائی محاصرہ پڑا۔ زور ڈال رہے تھے۔ محاصرین ان کے وقت تو
 عیسائیوں کے حملوں کا جواب دیتے۔ اور رات کے وقت اپنی خندقوں کا انتظام
 کرتے۔ سلطانی لشکر ابھی تمام کا تمام فراہم نہ ہوا تھا۔ لیکن مصر اور عراق عرب سے
 مکمل فوج کے آنے کا انتظار تھا۔

رچرڈ اور فلپ دونوں نے مل کر شہر کو تسخیر کرنے کے لئے بڑے بڑے فوجی بیج اور قلعہ شکن مشینیں جو رچرڈ جزیرہ قبرس ساتھ لایا تھا اسلحہ کر دیں۔ رچرڈ اور فلپ دونوں تمام دین فوجی مورچوں کے انتظام میں مشغول رہتے تھے۔ تمام دین دونوں طرف سے آتش باری اور سنگ باری کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جب عیسائی یورش کر کے قلعہ پر حملہ کرتے۔ تو قلعہ کے برجوں سے نقارے بجے شہر فرعون ہو جاتے۔ نقاروں کی آواز سے سلطان آگاہ ہو کر عیسائی لشکر پر حملہ کرتا۔ تاکہ ان کو قلعہ کی جانب سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرے۔ لیکن عیسائیوں کو اپنی جمعیت کی کثرت پر ناز تھا۔ مورخہ ۱۲ اور ۱۷ جون کو جو حملے ہوئے ان میں عیسائی لشکر کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔

سفر کی کوفت وغیرہ کے باعث شاہ انگلستان کچھ علیل ہو گیا۔ اور سلطان کے پاس اس کے بھائی ملک العادل کے توسل سے برف اور کچھ پھل کی درخواست کی۔ اور ساتھ ہی یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ کچھ عرصہ کے لئے لٹوائی بند کر دی جائے۔ سلطان نے بہت سی برف اور تازہ پھل رچرڈ کے پاس بھیجوا دیئے۔ لیکن آخری بات قبول نہ کی۔

مورخہ ۷ جولائی کو عیسائیوں نے خندقوں سے نکل کر شہر پر حملہ کر دیا۔ سلطان بھی نقاروں کی آواز سے مطلع ہو کر میدان میں نکلا۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے لگی۔ لیکن لٹوائی کا ڈھنگ نرالا ہی تھا۔ آٹھ گھنٹے میں نصرانی جتنے مسلمانوں کو قید کرتے وہ سب اسی جگہ تل ڈال کر زندہ جلا دیئے جاتے۔ سلطان یہ ظلم دیکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی جو عیسائی قید ہو کر اس کے حضور میں لاتے جاتے ان کو پاہر بنجیر کر کے محفوظ مقامات میں پہنچا دیا جاتا۔ اس لٹوائی میں فلپ بادشاہ فرانس بھی زخمی ہوا۔ اگلے روز رچرڈ نے چید چید جوانوں کی ایک فوج تیار کر کے ایک ایسے مقام پر کھڑی کر دی۔ کہ

جب سلطان بذات خاص حملہ آور ہو تو اُسے روکیں جب سلطان اور تقی الدین عمر شمشیر کھنکھانے میں نکلے تو دونوں طرف کے ہمارے شجاعت ادا کرنے لگے۔ مسلمانوں کے جوش کا یہ حال تھا کہ سوار گھوڑوں سے اتر کر عیسائیوں میں جا گھسے تھوڑی ہی دیر میں خون کے ندی نالے بہنے لگے۔

ادھر وہ عیسائی فوج جو قلعہ عکہ پر حملہ کر رہی تھی۔ بڑی مردانگی سے لڑ رہی تھی۔ مصورین بھی زیست سے مایوس ہو کر ان کے حملوں کا جواب دیتے تھے لیکن عیسائیوں کی کثرت کے باعث ان پر غالب نہ آسکتے تھے۔

سلطان کے بھائی ملک عادل نے آج کی لڑائی میں دو با صلیب مسلمانوں کی جماعت پر حملہ کیا۔ اور دونوں باران کو مارتا ہوا اور تباہ کیا۔ لیکن اپنی جمعیت کی قلت کے باعث کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکا۔

ایک روز عیسائیوں نے اپنے مقتول سپاہیوں اور جوانوں کی لاشوں سے ان خندقوں کو جو قلعہ کے سامنے تھیں لاشوں سے بھر دیا۔ اہل قلعہ نے رات کی تاریکی میں ان لاشوں کو نکال کر دریا میں پھینک دیا۔ اور صبح ہونے سے پیشتر ہی خندقوں کو صاف کر لیا۔ سات روز سے اہل قلعہ شب روز عیسائیوں کے مقابلہ پر تلے ہوئے تھے آخر ان لوگوں نے سلطان کے پاس آخری پیغام بھیجا کہ اس کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ سلطان نے محصورین کو کہلا بھیجا کہ وہ خدا کے فضل سے مایوس نہ ہوں۔ اور بہت جلد سامان رسد اور کمک بھیجنے کا وعدہ کیا۔

اہل شہر ان شبانہ روز جنگوں سے بالکل تنگ آ چکے تھے۔ سامان حرب کے علاوہ کھانے کو بھی کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ قلعہ کی دیواریں عیسائیوں کے جان توڑ حملوں اور بڑی بڑی دیوبند مشینوں کی مار سے کمزور ہو چکی تھیں۔ آخر اہل قلعہ نے مایوس ہو کر

سلطان کی اجازت لئے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیئے اور شہر حوالے کر دینے کا وعدہ کر لیا۔
 عین اس وقت جب سلطان عیسائی لشکر پر ایک عام حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا اسے
 اہل قلعہ کے ہتھیار ڈال دینے کی خبر سنائی گئی۔

پھر ڈکے حکم سے عیسائی لشکر میں اعلان کر دیا کہ کوئی شخص مسلمانوں سے تعرض
 نہ کرے۔ اہل شہر کو حکم دیا گیا کہ وہ چوپ چابپ شہر سے نکل جائیں۔ بڑے بڑے سردار
 اور امیر آدمی پھر ڈکے بطور پر غمال روک لئے۔

مشہور عیسائی مؤرخ آرٹول لکھتا ہے کہ صرف فوج کو شہر چھوڑنے کی اجازت
 عطا کی گئی تھی۔ تمام اہل شہر بطور پر غمال روک لئے گئے تھے۔ اور یہ قرار پایا کہ جب
 سلطان تمام عیسائی قیدی آزاد کر دے گا۔ تو پھر اہل شہر کو آزادی ملے گی۔
 شہر عہ میں داخل ہو کر فلیٹ بادشاہ فرانس تو پٹیل سرداروں کے محل میں جا کر
 مقیم ہوا۔ اور شاہی محل میں خود پھر ڈکے اپنی دونوں بیگیوں کے ساتھ رہنے لگا۔ تمام
 عیسائی لشکر کو آرام کرنے کی اجازت دی گئی۔

تیسری صلیبی جنگ

(جب سے سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔
 ہمیشہ فتح اور نصرت اس کے ہم کاب رہی تھی۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ عکبر سلطانی
 افواج کی موجودگی میں نصرا نیوں کا قبضہ ہو گیا اس وقت علاوہ گاٹی کوسگن اور ایشانی
 صلیبی سرداروں کے شامان انگلستان و فرانس اور یورپ کے بڑے بڑے نامی گرامی
 صلیبی سردار متفق طور پر اس کے مقابلہ پر تھے۔ عکبر نے مہار ان میں عساکر اسلام عیسائیوں کو
 کئی بار شکست دے چکے تھے لیکن عیسائیوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے مورچوں کو

تسخیر کر کے اہل تہذیب تک نہ پہنچ سکتے تھے۔

عکہ کی تسخیر کے بعد سلطان کو عیسائیوں سے نامہ و پیام کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی لیکن سب سے پہلے خود رچرڈ بادشاہ انگلستان نے عکہ پہنچتے ہی اپنے سفیر سلطان کے حضور میں بھیجے۔ اور ملاقات کی درخواست کی۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ سلطان نے ملاقات کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ جب دو بادشاہ آپس میں برسرِ پیکار ہوں۔ تو دوستانہ ملاقاتیں منافقانہ سمجھی جائیں گی۔ بادشاہ رچرڈ کے سفرِ انا کام واپس چلے گئے۔

پھر جب آب و ہوا کی ناموافقیت کے بعد رچرڈ بیمار ہو گیا۔ تو اُس نے پھر ایک بار ملاقات کی درخواست کی۔ اس دفعہ سلطان نے اپنے بھائی ملکِ اعمال کو بادشاہ انگلستان سے ملاقات کرنے کی اجازت دی۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک جگہ ملاقات کے لئے تجویز ہوئی۔ لیکن رچرڈ کی طبیعت زیادہ خراب ہو جانے سے ملاقات نکلوتی کر دی گئی۔

یکم جولائی کو پھر بادشاہ رچرڈ کے سفرِ سلطان کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ ان سفر کے بار بار آنے کا صرف یہ مطلب تھا۔ کہ کسی طرح وہ ہمارے لشکر کی صفی طاقت کا اندازہ لگا سکیں۔ پھر مورخہ م جولائی کو بادشاہ انگلستان کے سفیر حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کے لئے ہرف اور پھل مانگے۔ سلطان نے بہت سی ہرف اور تازہ پھلوں کے ٹوکڑے رچرڈ کے لئے بھیج دیئے۔ اگلے روز سینٹ جان سے صلیبی سرداروں کا سردارِ عظیم جو تمام عیسائی سرداروں میں سے معزز ترین شخص تھا تین اور نامی گرامی سرداروں کے ساتھ ملکِ اعمال سے آکر ملا۔ ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ مورخہ م راور پھر ۱۱ جولائی کو عیسائی سفرِ پھر ملکِ اعمال سے ملے۔ اور صلح کے لئے گفتگو

ہوتی رہی لیکن فلاپ اور چرڈ نے جو شرائط پیش کیں سلطان حقارت سے رد کر دیں اور ایک فیصلہ کن جنگ کا پیغام دیا۔ لیکن نصرانی لشکر کو یہ بہت نہ پڑی کہ میدان میں صف بستہ ہو کر عساکر اسلامی کا مقابلہ کریں۔ اگلے روز اچانک سلطان کو یہ خبر ملی کہ محصورین نے عکہ عیسائیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اور یہ شرائط کر لی ہیں:-
 (۱) عکہ مع تمام سامان جنگ۔ سامان خوراک اور جنگی جہازوں کے عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے۔

(۲) اہل عکہ دو لاکھ اشرفی عیسائیوں کو نقد بطور تادان ادا کریں۔
 (۳) ایک ہزار پانسو عام سپاہی اور ایسا سونصرانی سردار آزاد کرئیے جائیں۔
 (۴) صلیب عظیم نصرائیوں کو واپس دیدی جائے۔
 (۵) چار ہزار اشرفی مارکوش والی صندوقہ کو ادا کی جائے۔
 ان شرائط کے بدلے نصرائیوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اہل شہر کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ شہر سے با آرام نکل جانے دیں گے۔

سلطان یہ شرائط سن کر غصہ سے تلمذاٹ ٹھا پچودہ سال کے عرصہ میں آج یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے سرداروں نے ایسی ذلیل شرائط پر صلح کر لی تھی۔ اس کے غصہ اور رنج کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے اپنے لشکر کو میدان جنگ چھوڑ کر ”شہر امام“ کے مقام پر حیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ اور اسی جگہ نصرانی سفرائ کا انتظار کرنے لگا۔ دونوں طرف سے سفیر آنے لگے۔ اسلامی اور نصرانی لشکر ایک ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل پڑے رہے۔ مسلمان ایک روز جو شہر انتقام میں بھرے ہوئے عیسائیوں پر بجا پڑے۔ سیف الدین اور عزیز الدین اسلامی حملہ آوروں کی کمان کرتے تھے۔ اس معرکہ میں بہت سے نصرانی قتل ہو گئے۔ اور پانچ ہزار کے قریب مجاہدین گرفتار کر کے لے گئے۔ باوجود اس شکست کے پھر بھی نصرانی سرداروں کو ہوا

نہ ہوا۔ کہ وہ اسلامی لشکر پر حملہ کریں۔

چرڈ بادشاہ انگلستان جس روز عکہ میں پہونچا، اُسی دن سے قلعہ کے مقامات اور چوکیوں کو مستحکم کرانے میں مشغول ہو گیا۔ تمش باری کرنے والی بڑی بڑی مشینیں منگو کر دیوار پر مختلف مقامات پر نصب کروادیں۔ اس اثنا میں فلپ بادشاہ فرانس بیمار ہو گیا۔ جب اس کی طبیعت زیادہ بگڑی تو اپنی فوج کا ایک حصہ ڈیوک آف برگنڈی کے ماتحت عکہ میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

(نثر اُطصلح کی تکمیل کے لئے جو مدت قرار پائی تھی۔ وہ بونہی گزر گئی۔ نہ تو عیسائی قیدی ہی دمشق سے واپس آئے۔ اور نہ ہی صلیب عظیم واپس ملی صلیب اعظم معرکہ حطین میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے چھینی تھی۔ لکڑی پر سونے کا موٹا دیق چڑھا ہوا تھا۔ اور جواہرات سے مرصع تھی۔ سلطان نے پہلے مسلمانوں کو دکھانے کے لئے اسے دمشق بھیجا۔ پھر دمشق سے ۴ جون ۱۱۸۹ء کو خلیفہ نے اسے بغداد منگوایا۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے۔ کہ معرکہ عکہ کے وقت یہ صلیب سلطانی کیمپ میں موجود تھی۔ لیکن جب عیسائیوں اور سلطان کے درمیان صلح کی گفتگو کا سلسلہ بند ہو گیا تو سلطان نے پھر اسے دمشق بھیج دیا۔ اور مسجد کے دروازے کے سامنے رکھوا دیا۔ رچرڈ کی سوانح حیات قلمبند کرنے والے عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں۔ کہ ۱۱۹۳ء میں صلیب بیت المقدس بھیج دی گئی۔ بشپ آف سالسبری نے سلطان کی خاص اجازت سے بیت المقدس جا کر اس کی زیارت کی۔

عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین دیدہ و دانستہ نثر اُطصلح کی تکمیل میں لیت و لعل کرتا تھا جس سے اس کا غالباً یہ مدعا تھا۔ کہ وہ عیسائی قیدیوں کو

آزاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

۱) بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ مورخہ ۲ اگست کو بادشاہ رچرڈ کے انگریز سفیر پھر سلطان کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ بادشاہ انگلستان کو بیشتر اقطا منظور ہیں۔ ماہ بہ ماہ باقساط تاوان جنگ کی رقم (دولاکھ اشرفی) اور قیدی آزاد ہو ہو کر نصرانی لشکر میں بھیجے جائیں۔ اور پہلی قسط اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں ادا کر دی جائے۔ لیکن اس فہرست میں چند ایک ممتاز نصرانی سرداروں کے نام نہ تھے اس پر بادشاہ انگلستان کے سفیروں نے اعتراض کیا۔ اور مورخہ ۱۱ اکتوبر کو حاضر ہو کر تمام شرائط کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے جواب دیا۔ کہ غلہ میں جس قدر مسلمان قیدی ہیں پہلے وہ آزاد کر دو۔ اور پہلی قسط کاروبار و قیدی لے جاؤ۔ باقی شرائط کی تکمیل کے لئے ہم تم کو کچھ مسلمان بطوریرغمال دیدیں گے۔ اور اگر یہ منظور نہیں تو ان مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جو قلعہ میں قید ہیں ہم ہمارے پاس اپنے چند سردار بطوریرغمال بھیج دو۔ اور جو کچھ ہم اس وقت ادا کر سکتے ہیں۔ قبول کر لو۔ انگریزی سفرا نے جواب دیا۔ کہ وہ یہ شرط قبول نہیں کر سکتے البتہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر سلطان پہلی قسط ادا کر دے۔ اور باقی اقساط باقاعدہ پہنچتی رہیں۔ تو مسلمان قیدیوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ یہ سن کر سلطان نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اسے عیسائیوں کی زبان پر اعتبار نہیں کیونکہ متعربا اسے اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

لین پول صاحب اپنی کتاب الموسوم بہ صلاح الدین اور فتح بیت المقدس میں تحریر کرتے ہیں کہ رچرڈ کے پاس جب سلطان کا جواب پہنچا۔ تو اس نے نہایت سختی سے کام لے کر ان تمام مسلمانوں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جو شہر عک میں اسیر تھے۔ چند ایک مقرر مسلمان سردار اس خیال سے اس جلاوٹ حکم سے مستثنیٰ کر دیئے گئے۔ کہ شاید سلطان ان کی خاطر تمام عیسائی قیدی آزاد کرنے پر مجبور

ہو جائیگا۔ بادشاہ رچرڈ کو مسلمانوں سے خاص کاوش تھی۔ اور جب کبھی اس کو موقع ملتا۔ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے سے دریغ نہ کرتا۔

مورخہ ۱۶ اگست کو لیکن بقول علامہ بہاؤ الدین ۲۰ اگست کو رچرڈ نے حکم دیا کہ دو ہزار سات سو مسلمان جو قلعہ میں اسیر ہیں یا بہ زنجیر شہر سے باہر لے جا کر قتل کر دیئے جائیں۔ عیسائی سپاہی بادشاہ کا حکم پاتے ہی مسلمانوں کو میدان میں لجا کر قتل کرنے لگے۔

جس وقت اسلامی لشکر کو اپنے بیکیں بھائیوں کی نازک حالت کا علم ہوا۔ تو عساکر اسلامی میں سے مجاہدین نے آگے نکل کر ان کو بچانے کے لئے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ شام تک تورا چلتی رہی۔ ہزاروں عیسائی قتل ہوئے لیکن مسلمان اپنے بھائیوں کو قتل ہونے سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ صرف چند ایک معزز لوگوں کو زندہ رہنے دیا گیا۔

مشرقیوں صاحب لکھتے ہیں: ”بوڑھے اور ناتوان مرد۔ لڑکے اور جوان عورتیں اور معصوم بچے۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان کے حکم سے بھیڑ اور بکری کی طرح ذبح کر ڈالے گئے۔ جس طرح سلطان صلاح الدین کے رحم اور فیاضی کی مثالیں پس نظر ہیں۔ اسی طرح کایہ سفاکانہ حکم اور سلوک بھی قابل یادگار اور تعجب ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کو صلیبی جنگوں کی تاریخ پر عبور ہے۔ ان کے لئے یہ واقعات کچھ نئی اور تیران کن باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ حصہ قدرتی طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ کہ صلیبی جنگوں کے ایام میں رحم۔ ہمدردی۔ تہذیب۔ صداقت۔ فیاضی۔ حلم۔ بہادری۔ شجاعت اور صبر صرف مسلمانوں ہی کا طرہ امتیاز تھا۔ ان کے علاوہ کچھ بھی تھا۔ وہ پیر و ان سچ علیہ السلام کے حصہ میں تھا۔ یہ لوگ جتنا بھی اس پر

نازک کریں کم ہے۔

اس سفاکانہ ظلم اور قتل عام کے بعد چھڑ بادشاہ انگلستان جو عیسائی دُنیا کا مایہ ناز بادشاہ تھا عسقلان کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس کا ارادہ تھا کہ عسقلان کے راستے سے ہوتا ہوا بیت المقدس پہنچ جائے۔ یہ وہی بیت المقدس ہے جس پر عیسائیوں نے قبضہ کر کے ستر ہزار مسلمان زن و مرد کو شہید کر ڈالا تھا۔ لیکن جب سلطان صلاح الدین نے اسے فتح کیا۔ تو اس قدر فیاضی اور رحم سے کام لیا۔ کہ نصرانی زن و مرد یورپ اور ایشیا میں اس کے رگیت بکمانے لگے۔

اس وقت چھڑ کے پاس تین لاکھ سے کچھ زیادہ سپاہی موجود تھے عیسائیوں کے غلے چھوڑنا ایک مصیبت معلوم ہوتا تھا۔ چھڑ کے سوانح نگار لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے صلیبی سردار شغل شہزادہ عیساہی میں اس قدر غرق تھے۔ کہ اپنا اصلی مقصد بھی بھول بیٹھے تھے۔ شب بے روز ناچ و رنگ کی محفلیں گرم تھیں۔ جب بادشاہ چھڑ نے یہ منادی کرا دی۔ کہ کوئی عورت سوائے وہابی عورتوں کے لشکر کے ساتھ نہیں جاسکتی تو ہمارے صلیبی سوار مابہت گھبرائے۔ اور لگے بہانے اور حیلے تلاش کرنے۔ تاکہ جس طرح بھی ہو سکے غلے میں ٹھہرے رہیں۔ آخر چھڑ نے ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی عسقلان کی طرف روانہ کر دیئے۔

غلے ماتھے سے نکل جانے کے بعد سلطان صلاح الدین نے اپنے لشکر کو ایسے مقامات پر تقسیم کر دیا جہاں سے ایک طرف سے بطایس اور دمشق کو جانے والی سڑک کی حفاظت ہوتی تھی۔ اور دوسری جانب سے جنوب مشرق کی جانب نظارت اور بیت المقدس کے راستے کی حفاظت ہوتی تھی۔ اور کچھ فوج کو مقام شہر امام پر مہرورچے لگانے کا حکم دیا۔

رچرچہ جس کی بہادری اور شجاعت کا سکہ تمام بلاد یورپ پر بیٹھا ہوا تھا۔ باوجود تین لاکھ نصرانی لشکر کی موجودگی کے یہ جرات نہ کر سکا کہ ان راستوں سے سفر کرے۔ جو سلطانی افواج کے قرب و جوار میں واقع تھے۔ اس نے وہ پُرانا راستہ سفر کے لئے اختیار کیا۔ جسے ”رومن روڈ“ کہتے ہیں۔ یہ راستہ سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ بائیں جانب ایک سلسلہ کوہستان تھا۔ جو اس کے لشکر کو عساکر اسلام سے جدا کرتا تھا۔ اور دوسری جانب سمندر تھا۔ اور انگریزی جنگی جہازوں کا بیڑا ہر وقت ملک کے لئے تیار تھا۔ رچرچہ کا ارادہ تھا کہ جیفا اور عسقلان تک ساحل کے ساتھ ساتھ کوچ کرتا ہوا جائے اور پھر ایک مستقل فوجی قائم کر کے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرے۔

جیفا عکہ سے بخطِ مستقیم ساٹھ میل تھا۔ راستہ میں آٹھ دریا عبور کرنے پڑتے تھے۔ اور سڑکیں اچھی حالت میں نہ تھیں۔ گرمی کا موسم تھا۔ راستہ کے دونوں جانب گھاس کا جنگل تھا جس میں جا بجا سلطانی فوج کی چوکیاں تھیں۔ اگر مسلمانوں کے پاس میدانی توپیں ہوتیں تو عیسائیوں کا اس جانب سے سفر کرنا ناممکن تھا۔ رچرچہ اپنے تمام لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا تھا اور اسی ترکیب سے وہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ رہا۔

جمعہ روز ۲۲ اگست عیسائی لشکر کو بغیر تعین کو عبور کر کے اس کے مشرقی کنارے پر جا بٹھا۔ دو شنبہ کے روز سلطان کو عیسائی لشکر کے اس مقام سے کوچ کرنے کا علم ہوا چنانچہ وہ اسی وقت ان کے تعاقب میں چل کھڑا ہوا۔ اس کے جا سوسوں نے اسے اطلاع دی۔ کہ عیسائی دریائے کشان کو عبور کر کے جیفا کے پاس پڑے ہیں۔ سلطان نے ایک دستہ فوج کو دشمن کی نقل و حرکت کے واسطے چھوڑا۔ اگلے روز ایک ہزار لشکر کو عیسائیوں کے قرب و جوار میں چھوڑ کر سلطان صلاح الدین بذات خود

باقی ماندہ فوج کے ساتھ قیساریہ کی طرف رچھڑ کر راستہ روکنے کے لئے بڑھا اور اس مقام پر پہنچ کر ایک باقاعدہ لڑائی کے لئے تمام انتظام کر لئے شام تک سلطان رگرو دلواح کے مقامات ملاحظہ کرتا رہا۔ شام کے بعد یہ اطلاع ملی کہ بادشاہ رچھڑ ابھی تک مقام جیفا پر ہی پڑا ہے۔ مجاہدین کے جوش اسلامی کا یہ حال تھا کہ بے گناہ مسلمانوں کے قتل کا انتقام لینے کے لئے ذانت بیستے تھے۔ مورخہ ۲۷ کو سلطان پھر ساحل کی طرف سوار ہو کر گیا۔ کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ نصرانی لشکر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ واپس آکر سلطان نے اپنی فوج کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا جہاں سے قیساریہ کی بخوبی حفاظت ہو سکتی تھی۔ وہ فوج جسے سلطان رچھڑ کے لشکر کے قریب ہی چھوڑ آیا تھا۔ عیسائی لشکر کو گھیرے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے ایک مقام پر مسلمانوں نے آچانک عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ چار گھنٹہ تک تلوار چلی۔ خون کے ندی نالے بہنے لگے۔

علامہ بہاؤ الدین جو اس وقت سلطان کے ہمراہ تھا۔ پہلی لڑائی کا حال یوں لکھتا ہے:-

”عیسائی پیدل فوج کے ہراول کے سپاہی لوہے کے لباس میں ملبوس تھے۔ اور ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو اپنی معلوم ہوتے تھے۔ مسلمان تیر انداز تیروں کی بارش کرتے تھے۔ لیکن عیسائیوں کا نقصان کم ہوتا تھا۔ یہ زرہ پوش عیسائی بھالوں اور کھارٹوں سے مسلح تھے۔ رچھڑ کی فوج کا وہ حصہ جو ساحل کے قرب و جوار میں تھا مسلمانوں کے حملے سے غوطہ کھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد تازہ دم عیسائی فوج آکر جنگ میں شامل ہو جاتی تھی۔ رچھڑ نے تمام نامی گرامی صلیبی سٹرائل کو فوج کے مرکز میں کھڑا کیا ہوا تھا۔ اور حکم دیدیا تھا کہ جب تک وہ اجازت نہ دیں یہ سٹرائل حملہ نہ کریں۔ عیسائی لڑائی کیے جاتے تھے اور بائیں جانب آگے بھی بڑھتے جاتے تھے۔

مسلمان جوش میں آگے بڑھ کر نصرانی ہتھیاروں کی مخصوص جماعت پر حملہ کرتے تھے اور ان کو آگے بڑھنے پر اکساتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتے تھے۔ سمندریں ساحل کے ساتھ رچرڈ کا بیڑا بھی آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ ہارڈو مسلمانوں شدید حملوں کے عیسائی لشکر عام جنگ سے گریز کرتا تھا۔ کیونکہ رچرڈ کا حکم تھا کہ جس طرح بھی ہولڑتے ہوئے آگے بڑھے جاؤ۔“

رچرڈ کے سوانح نگار اس جنگ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 ”ڈیوک آف برگنڈی اپنے فرانسیسی لشکر کے ساتھ ساتھ عیسائی لشکر کے عقب میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا کر ما تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے فرانسیسیوں کا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔ ہمارے لشکر کی داہیں جانب ہمارا بیڑا تھا۔ اور بائیں جانب اسلامی لشکر تھا۔ ایک مقام پر رستہ بہت تنگ تھا۔ سامان جنگ کی گاڑیاں اور چھڑے اس رستہ سے بمشکل گذر سکتے تھے۔ ہماری مشکلات سے آگاہ ہو کر مسلمانوں کی ایک جماعت حملہ آور ہوئی اور بہت سا سامان حرب اور غور و ولوش لوٹ لے گئی جو فوج ان گاڑیوں اور سامان کی حفاظت پر مامور تھی بہت سی قتل ہو گئی۔ باقی جو بچے وہ جنگی جہازوں کی پناہ لینے کے لئے ساحل کی طرف بھاگ گئے۔ جب نیشنل رچرڈ کو اس تباہی کا علم ہوا تو خود قلب سے نکل کر اپنے سپاہیوں کی مدد کو آگیا۔ جن طرف رچرڈ توجہ کرتا دشمن بھاگ جاتے یا ہر مسلمان کچھ مقتول چھوڑ کر پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔“

یہی حال سلطان صلاح الدین کا تھا۔ وہ ہر معرکہ میں فوج کے آگے ہوتا۔ اور نعرہ بکیر بلند کر کے اپنے مجاہدین کے ساتھ عیسائیوں پر حملے کرتا۔ بڑے بڑے نامی گریبی صلیبی سرداروں کو مقابلہ کے لئے لکارتا۔ بارہا سلطان کو ایسی حالت میں دیکھا گیا۔ کہ عیسائیوں کے تیروں کی بارش میں بعض اوقات وہ نظر بھی نہ آتا تھا۔ چند خدام ہر حالت میں اور ہر موقع پر زائد گھوڑے لیکر اس کے پاس حاضر رہتے تھے۔

لیکن رچرڈ کو یہ جرات نہ ہو سکی۔ کہ وہ کسی وقت سلطان کے مقابلہ کے لئے
تنہا نکلتا۔

سلطان کو صرف ایک تمنا تھی۔ اور وہ یہ کہ کسی طرح رچرڈ کو ایک فیصلہ کن جنگ
اکسا سکے۔ اور آخر وہ اس تدبیر میں کامیاب ہو ہی گیا۔ مقام آرسوف پر پہونچ کر سلطان
نے رچرڈ کی پیشقدمی کا راستہ روک دیا۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان کو سلطان صلاح الدین
کے ارادے کا جب علم ہوا۔ تو اس نے کچھ مصاحبت سمجھ کر ایک عارضی صلح کا پیغام سلطان
کے پاس بھیجا۔ عیسائی مورخ اس پیغام صلح کی وجہ یہ بتلاتے ہیں۔ کہ اسلامی لشکر تعداد میں
نصرا نیوں سے بہت زیادہ تھا۔ عیسائی سردار ایک کھلے میدان میں مسلمانوں پر حملہ
کرنا خلاف آئین جنگ خیال کرتے تھے۔ لیکن وجہ دراصل یہ تھی۔ کہ رچرڈ محض
جیلے ہلے تلاش کرتا تھا۔ اور کسی نہ کسی طرح بیت المقدس کے قرب و جوار میں پہونچنے کی
کوشش میں لگا ہوا تھا۔ سلطان کے پاس جب رچرڈ کے سفیر آئے۔ اور اپنے
بادشاہ کی طرف سے عارضی صلح کی درخواست کی۔ تو سلطان نے اپنے بھائی ملک العادل
کو اپنی طرف سے رچرڈ سے گفتگو کرنے پر مقرر کر دیا۔

صلح کی کانفرنس جب منعقد ہوئی۔ تو رچرڈ نے یہ تجویز پیش کی کہ سلطان فلسطین سے
دست بردار ہو کر اپنے ملک کو واپس چلا جائے۔ ملک العادل نے نہایت حقارت
سے اس تجویز کو رد کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ فلسطین کے قبضہ کا فیصلہ صرف
تلوار کر سکتی ہے۔ اگر بہت ہے تو فلسطین کو طاقت کے بل پر آزاد کرالو۔ یہ کہہ کر
ملک العادل کانفرنس برخاست کر کے واپس آ گیا۔

اب دونوں فریقوں کو جنگ اٹل نظر آنے لگی۔ اس وقت عیسائی لشکر نہر
فلک پرقیسیاریہ اور حیفاء کے درمیان خیمہ زن تھا۔ اس مقام پر رچرڈ نے اپنے لشکر کو
ایک دن آرام کرنے کیلئے ٹھہرائے رکھا۔ اور پھر تاریخ کو آرسوف کی طرف جویاں سے

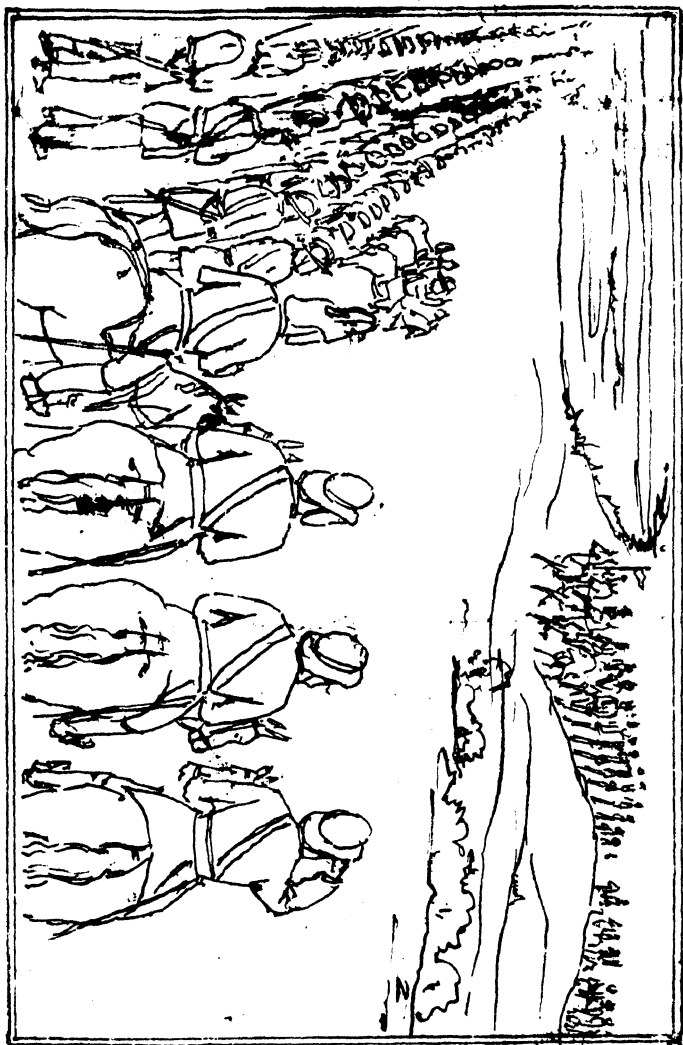
چھ میل کے فاصلہ پر تھاروانہ ہوا۔

(جس لڑائی کی کیفیت مسلمان مورخوں کو چھوڑ کر رچرڈ کے سوانح نگار عیسائی مورخوں کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

” رستمبر ۹۱۱ء کے روز رچرڈ اور اس کے صلیبی سرداروں زناٹ کر و سڈرہ کو پورا یقین تھا کہ مسلمان ان پر ضرور آج ہی حملہ کریں گے۔ کیونکہ ”عکہ“ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مسلمان انتقام لینے کے لئے بہت بیتاب ہو رہے تھے۔ جب لشکر کوچ کرتا ہوا ایک دو منزلیں آگے بڑھا۔ تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر مسلمانوں کے سپاہی نظر آنے لگے۔ دور بہت فاصلہ سے مسلمانوں کی جماعتیں ہماری طرف بڑھتی ہوئی بھی معلوم ہوتی تھیں۔

” رچرڈ نے جو ایک اعلیٰ درجہ کا جنرل تھا۔ ایک خاص ترکیب سے اپنے لشکر کو جنگ کے لئے آرہا تھا۔ تمام لشکر پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر ایک حصہ فوج کسی نامی گدی صلیبی سردار کی کمان میں تھا۔ پہلی صف میں فرقہ ہائیلر کے صلیبی سردار تھے۔ شجاعت اور دلوری میں دنیا میں ان لوگوں کا ثانی نہیں مل سکتا تھا۔ ان کے بعد ڈیوک آف ایٹھو کی سپاہ تھی۔ اس کے بعد بادشاہ گائی اور اس کا لشکر تھا۔ چوتھی صف میں نارمن اور انگریز تھے۔ یہ وہ بہادر تھے جو ایک زخمی شیر کی طرح دشمن پر حملہ کرنے کے لئے بھڑے ہوئے تھے۔ رچرڈ شاہ انگلستان کے شاہی نشان کے ہی علمبردار تھے۔ پانچویں صف میں فرقہ ہائیلر کے وہ صلیبی سوار تھے۔ جن کی شجاعت پر یورپ کو ناز تھا۔ اس آخری صف میں زیادہ تر زہرہ پوش سردار تھے جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ عیسائی لشکر نظر آتا تھا جو ساحل سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔“

نقشہ جنگ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو



کونٹ ہنری آف شیمین اپنے جنگ آزمودہ لشکر کے ساتھ سلسلہ کوہستان کی طرف
منقر کیا گیا تھا۔ تاکہ اگر مسلمان پہاڑیوں سے اُتر کر حملہ کرنا چاہیں۔ تو کونٹ ہنری ان کا
راستہ روک لے۔ تمام فوج کے عقب میں تیرنڈازوں کی ایک کثیر جماعت بھی باربرزاری
کے چھکڑے ساحل اور فوج کے درمیان چلتے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کے حملے سے محفوظ رہیں۔
بادشاہ رچرڈ نے حکم دے دیا تھا۔ کہ تمام لشکر آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ ایسا نہ ہو
کہ کوئی حصہ پیچھے رہ جائے۔

”عیسائی لشکر کو سفر کرتے ہوئے تقریباً تین گھنٹے ہوئے تھے۔ کہ ایک جانب سے
تقریباً دس ہزار مسلمان ہماری فوج پر حملہ آور ہوئے۔ اور آتے ہی اپنے نعروں (نعرہ تجبیر)
سے شور مچا پیدا کر دیا۔ ان کے پیچھے ان کے سیاہ رنگ بھائی بند نیزے اور بھالے بٹھکالے
ہوئے آئے۔ اور ان کے بعد وہ لوگ نمودار ہوئے جن کو مسلمان بدو کہتے ہیں ان سے
کچھ فاصلہ پر تقریباً بیس ہزار مسلمان سوار ہماری طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔
یہ سوار نہایت تیز رفتار گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور بادل کی طرح گرجتے ہوئے ایک
موج طوفان خیز کی طرح ہماری فوج پر کپڑے۔ دونوں طرف سے تلواریں بجلی کی مانند
نکلتے لگیں۔ اور ایک ہنگامہ محشر برپا ہو گیا۔ دونوں طرف کے نقصانات بہت زیادہ
تھے۔ لیکن مسلمان پیچھے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ بلکہ دیوانوں کی طرح آگے ہی
بڑھے آتے تھے۔ ہمارے تیرنڈازوں اور بھالہ داروں نے بڑی جواثر دی سے
مسلمانوں کے حملہ کو روکا۔ لیکن یہ ایک ایسا تندر سیلاب تھا۔ کہ آخر ہمارے سپاہی
ہمت مار کر پیچھے ہٹنے لگے۔ اور ہٹتے ہٹتے عقب کی جماعتوں سے آملے۔

بہت سے عیسائی سردار مسلمانوں کے بے درپے حملوں سے اس قدر گھبرائے
کہ علامہ نیز دلی اور شکست کا اظہار کرنے لگے۔ اگرچہ ہمارے بہادر مسلمانوں کے
حملہ کا بڑی شجاعت سے جواب دیتے تھے لیکن مسلمان سوار جو شجاعت و انتقام میں

فرقہ ہاسپٹل کے صلیبی سرداروں کی صف تک پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے بادشاہ
 رچرڈ کو اپنی نازک حالت سے آگاہ کر کے پیغام بھیجا کہ اگر ہاسپٹل سرداروں کو مسلمانوں کا
 حملہ روکنے کا حکم نہ دیا گیا۔ تو ہم میدان میں کھڑے نہ ہو سکیں گے مسلمان ہر طرف سے
 ہمارے سپاہیوں کو نیزوں اور بھالوں سے اس طرح چھیدتے تھے۔ جیسے انہیں کسی کا
 خوف ہی نہ تھا۔ عیسائی لشکر کے عقب میں جنگ کا بہت زور تھا۔ خون کے ندی نالے
 جا بجا بہہ رہے تھے۔ آخر عیسائی سپاہی گھبرا کر میدان سے بھاگ نکلے مسلمانوں نے
 بھانجتے ہوئے سپاہیوں کو تلوار اور نیزہ پر رکھ لیا۔ فرقہ ہاسپٹل کے سپاہیوں کو جب
 مسلمانوں سے جان بچا نا دشوار ہو گیا۔ تو ان کا سردار غنیم رچرڈ کی اس حاضر ہو کر کہنے لگا
 کہ اب کا سہ صبر بریز ہے۔ اور ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ
 محفوظ فوج کو مسلمانوں کا حملہ روکنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن رچرڈ نے یہ تجویز
 منظور نہ کی۔

”جب عیسائیوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ تو تمام زرہ پوش سرفروں نے جن میں
 فرقہ ہاسپٹل اور ٹمپلر کے نامی گرامی سردار بھی شامل تھے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حالت
 دیکھ کر رچرڈ اپنی ذاتی فوج کے ساتھ ان کی مدد کو آ پہنچا۔ تھوڑی دیر تک بڑی خونریز
 لڑائی ہوئی رہی۔ آخر مسلمان پیچھے ہٹنے لگے۔ بادشاہ رچرڈ کے سامنے جو آیا۔ زندہ بچ کر
 واپس نہ گیا۔

علامہ ہبّاء الدین جو اس لڑائی میں موجود تھا لکھتا ہے ”تمام نصرانی سردار چاروں
 طرف سے عیسائی لشکر میں سے نکل کر پیادہ فوج سے آگے نکل آئے۔ اور نیزے
 سنبھال کر مسلمانوں پر متفقہ طور پر حملہ آور ہوئے۔ ایک موقع پر سلطان کے پاس صرف
 سولہ جانباز رہ گئے لیکن سلطان کے استقلال میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ سلطان نے

تین بار عیسائی لشکر پر حملہ کیا۔ اور ہر حملے میں عیسائیوں کو دُرُوز تک مارتا بھگاتا لے گیا۔ اس جنگ میں بڑے نامی عیسائی سردار قتل ہوئے۔ مسلمانوں کی جانب سے کوئی نامی امیر شہید نہیں ہوا۔ نقصانات دونوں جانب کے بے شمار تھے۔ شام کے و جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئیں۔ تو سلطان صلاح الدین خود خمیسوں کی مرہم پٹی میں مدد دینے لگے۔ اگلے روز سلطان اپنے لشکر کو لے کر ارسوف کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اور رچرڈ کو ایک فیصلہ کن جنگ کا پیغام دیا۔ سلطان تمام دن عیسائی لشکر کے میدان جنگ میں نمودار ہونے کا انتظار کرتا رہا لیکن عیسائی بالکل خاموش رہے۔ اگلے روز سہ شنبہ کو اس نے پھر رچرڈ کو اعلان جنگ دیا لیکن آج بھی عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ آئے۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ جافا کی طرف کوچ کو جاری رکھا۔ ایک دو مقامات پر مسلمانوں کی سیدل سپاہ نے عیسائی لشکر پر حملہ کر کے اُسے نقصان بھی پہنچایا۔ لیکن رچرڈ ایک عام جنگ سے گریز ہی کرتا رہا۔

مسلمان عیسائی لشکر کی آمد سے پیشتر ہی جافا خالی کر کے چلے گئے تھے۔ رچرڈ جافا پر قابض ہو گیا۔ اور سلطان اپنے لشکر کے ساتھ ارسوف سے کوچ کر کے رامہ میں آ گیا۔

توحید و تہلیل

اگرچہ ارسوف کے مقام پر فوجی محکمہ سے عیسائیوں کا پاسہ زیر رہا تھا لیکن جافا پر قبضہ کر کے رچرڈ اور اس کا لشکر قلعہ بند ہو گیا۔ سلطان صلاح الدین نے کئی بار عیسائیوں کو مقابلہ کرنے لئے لکھا رہا۔ لیکن رچرڈ اپنے لشکر کی سلامتی اسی میں دیکھتا تھا کہ پہلے اپنا مرکز ایسا مستحکم کر لے کہ عقب سے اس کے پاس سامان رسد وغیرہ پہنچتا رہے۔

بیت المقدس سامنے تھا۔ لیکن عیسائی لشکر جافا سے قدام باہر نکالنا گناہ سمجھتا تھا۔ جافا میں رچرڈ کے سوارخ نگاروں کے فول کے مطابق عیسائی سردار پھر رنگ ریلوں میں مشغول ہو گئے۔ اور کئی ہویں پرست تو عکہ واپس آ گئے۔ جب رچرڈ کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے ان لوگوں کو بہت سزائیں دیں۔ اور جو سردار عکہ واپس چلے گئے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ فوراً واپس آ جائیں ورنہ سخت سزا دی جائیگی۔ کئی لوگ رچرڈ کا حکم لے کر خود عکہ گیا۔ اور ان لوگوں کو ساتھ لے آیا۔ عکہ اور جافا کے درمیان تمام عیسائی فوج کی چوکیاں قائم کر کے راستہ محفوظ کر لیا گیا تھا۔ جافا سے رچرڈ نے بیت المقدس کے راستہ پر بھی فوجی چوکیاں قائم کرنے کی کوشش کی لیکن جافا سے ساڑھے تین میل سے زیادہ آگے نہ جاسکے کیونکہ راستہ کے دونوں جانب عساکر سلطانی پڑے تھے۔ جو موقع پا کر عیسائیوں پر آپڑتے۔ اور سینکڑوں کو قتل کر کے واپس چلے جاتے۔

(عیسائی مورخوں کے قول کے مطابق اگرچہ سلطان کو ارسوف کے مقامات پر بہت نقصان پہنچا تھا۔ تاہم اس کی فوجی طاقت میں کسی قسم کی کمی نہ آنے پائی تھی۔ رملہ پہنچ کر سلطان نے شہر عسقلان کو جو بیت المقدس کے راستہ پر تھا مسمار کر دیا۔ عسقلان کی بربادی سے سلطان کو بہت رنج ہوا۔ لیکن مسلمانوں کی بہتری اسی میں تھی۔ کہ عسقلان پر رچرڈ قابض نہ ہو جائے۔ رچرڈ جافا میں مزے سے بیٹھا عسقلان کی بربادی کے حالات سنتا رہا۔ لیکن قلعہ سے باہر نکل کر عسقلان مسلمانوں سے چھیننے کی جرات نہ کر سکا۔

جافا پہنچ کر رچرڈ نے از میر نو سلطان کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔ اور صلح کی درخواست کی۔ لیکن وہ ناکام واپس آئے۔ اکتوبر کے مہینے میں رچرڈ متواتر اپنے سفیر سلطان کے پاس بھیجا رہا۔ کبھی کبھی دونوں جانب سے خط و کتابت بھی

ہوتی رہتی کماقول علامہ بہاؤ الدین رچرڈ ایک خط میں سلطان کو لکھتا ہے :-
 ”جہاں تک میرا خیال ہے مسلمان اور عیسائی دونوں دل سے صلح کے خواستگار
 ہیں۔ بہت سے شہر برباد ہو گئے ہیں۔ اور بے شمار دولت صرف ہو چکی ہے۔
 صرف بیت المقدس صلیبِ عظیم اور فلسطین کا سوال فیصلہ طلب ہے۔ بیت المقدس
 جس طرح بھی ہو گا ہم ضرور واپس لیکر لیں گے فلسطین کا وہ حصہ جو دریائے جاردن کے
 اس پار ہے ہم کو واپس دے دو صلیب ایک بے کار لڑکی کا ٹکڑا ہے مسلمانوں
 کے لئے صلیب کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن عیسائی اسے جان سے عزیز سمجھتے ہیں۔
 اگر سلطان اپنی فیاضی اور رحم کو کام فرما کر یہ شرائط قبول کر لے۔ تو آج ہی صلح
 ہو جاتی ہے“

سلطان نے اس کا جواب یہ دیا :-
 ”بیت المقدس جتنا ہمارے لئے مقدس ہے عیسائیوں کے لئے اتنا نہیں
 ہو سکتا۔ بیت المقدس واپس لینے کا زعم باطل دل سے نکال ڈالو۔ رہا فلسطین
 سو یہ پہلے ہمارا ملک تھا۔ تم نے اسے تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ اور مسلمانوں کی
 کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر قبضہ کر لیا۔ جب تک یہ جنگ جاری ہے انشا اللہ
 تم فلسطین پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ باقی رہا صلیب کا معاملہ۔ صلیب کا مسلمانوں کے
 قبضہ میں ہونا ان کے سیاسی فوائد کے لئے مفید ہے صلیب اسی حالت میں تم کو واپس
 مل سکتی ہے جس صورت میں کہ اس کی واپسی سے مسلمانوں کو کوئی بہرہ نہ ملتا ہو۔
 فائدہ پہنچنے کی امید ہو“

بقول علامہ بہاؤ الدین مورخہ ۲۰ اکتوبر کو رچرڈ شاہ انگلستان نے پھر اپنے
 سفیر سلطان کے پاس بھیجے۔ اور ان شرائط پر صلح کی درخواست کی :-

(۱) ملک عادل رچرڈ کی ہمیشہ جوآن بیوہ ملکہ سسلی سے شادی کر لے۔ اور رچرڈ ساحلی شہر عکہ عسقلان اور جانا بطور جیز اپنی ہمیشہ کو دے دیگا۔

(۲) ملک عادل اور شہزادی جوآن دونوں بیت المقدس میں رہیں۔

(۳) سلطان صلاح الدین فلسطین ملک عادل اور جوآن کو دے دے۔

(۴) صلیب اعظم عیسائیوں کو واپس دے دی جائے۔

(۵) سلطان تمام عیسائی قیدی آزاد کر دے۔

(۶) فرقہ ہاسپیٹر اور ہسپیٹر کے لوگوں کو ملک میں رہنے کیلئے قلعے دیئے جائیں۔

جب یہ شرائط سلطان نے سنیں تو خوب ہنسنا۔ اور تمام اسلامی دربار نے انگریزی سفار کا مذاق اڑایا۔

عیسائی مؤرخ یہ مانتے ہیں۔ کہ بادشاہ رچرڈ سلطان صلاح الدین کے بھائی ملک عادل کو بہت پسند کرتا تھا۔ اس نے اپنی ہمیشہ شہزادی جوآن کی ملک عادل سے شادی کا ذکر بھی کیا۔ لیکن شہزادی نے ایک مسلمان سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

مؤرخہ ۸ اکتوبر کو بادشاہ رچرڈ نے ملک عادل کی دعوت کی۔ بڑی شہوم سے اس کا استقبال کیا۔

رچرڈ کے سوانح نگار کو اس بات کا بہت رنج ہے۔ کہ کیوں بادشاہ رچرڈ ملک عادل کو جو ایک مسلمان تھا۔ اتنا پسند کرتا تھا۔ اس کے خیال میں رچرڈ کا ایک مسلمان شہزادے سے دوستانہ تعلقات بڑھانا تمام عالم مسیحی کی ہتک تھی۔ اور کسی خاص طریق سے مسلمانوں سے مستقل طور پر رشتہ اخوت قائم کر کے صلح کرنا خود بادشاہ انگلستان کے لئے باعث ننگ تھا۔ اسے اس بات کا بھی افسوس ہے کہ ملک عادل کے تحائف بادشاہ کیوں قبول کرتا تھا۔ اور اس کے واسطے میں

اپنے ملک کے تحائف اسے کیوں بھیجتا تھا۔

انہی ایام میں رچرڈ کو یہ اطلاع ملی کہ مارکوس کونارڈ سلطان صلاح الدین سے کچھ نامہ و پیام کر رہا ہے۔ مارکوس کونارڈ کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ کسی طرح بادشاہ گائی پر اس کے حقوق کو ترجیح دی جائے۔ اسے اُمید تھی کہ رچرڈ اس معاملہ میں اس سے متفق ہوگا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ بادشاہ انگلستان گائی کا طرفدار ہے۔ وہ اپنی جماعت لے کر ان سے الگ ہو گیا۔ اور سلطان کے حضور میں اپنے سفیر بھیج بھیج کر اسے اپنی مدد پر تیار کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

رچرڈ کو جب ان واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے اپنا ایک خاص سفیر کونٹ ہمفری والٹے توران جو ایک بہت معزز سردار تھا سلطان کے پاس بھیجا۔ اس سفیر نے سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے بادشاہ کی طرف سے پھر وہی خواہش ظاہر کی۔ کہ فلسطین کا علاقہ ملک عادل کو دے کر اسے بادشاہ بنا دیا جائے۔ اور وہ بادشاہ انگلستان کی ہمیشہ شہزادی جون سے جو اس وقت سسلی کی بیوہ ملکہ تھی شادی کر کے اس ملک پر حکومت کرے۔

سلطان کونٹ ہمفری سے بڑے تلاف سے پیش آیا اور اپنے اُمرا اور مشیروں کی کونسل طلب کر کے ان کے سامنے یاد دہانہ انگلستان کی تجاویز پیش کیں۔ ان لوگوں کی یہ رائے قرار پائی کہ اگر سلطان صلح کرنا ہی چاہتا ہے۔ تو پھر مارکوس کونارڈ کی شرائط کو مدد کرنا بادشاہ انگلستان سے صلح کر کے ایک عادل کی بادشاہ کی ہمیشہ جن سے شادی کر کے اُسے فلسطین کا فرمانروا بنادے۔

اگرچہ شہزادی جون ایک مسلمان سے شادی کرنے سے انکار کرتی تھی۔ لیکن رچرڈ اپنی ہمیشہ کے انکار کو کچھ اہمیت نہ دیتا تھا۔ رچرڈ نے ایک خط میں

ملک العادل کو لکھا کہ تمام عیسائی لشکر اس سے اس وجہ سے ناراض ہے کہ وہ کیوں اپنی ہمیشہ روئے کر صلح کرتا ہے۔ اسے صرف پوپ کی اجازت لینی تھی لیکن اگر پوپ نے جون کی شادی کی اجازت نہ دی۔ تو پھر وہ اپنی بھتیجی کی شادی اس سے کر دے گا۔

ملک العادل نے جون کی بجائے بادشاہ کی بھتیجی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن پھر بھی نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ اس قسم کے پیام ہر روز دونوں طرف سے آتے جاتے تھے۔ اور سلطان اپنے مشیروں کے سامنے بادشاہ رچرڈ کی تجاویز پیش کر دیتا تھا۔ اور ان کے مشورے سے جواب دیا جاتا تھا۔

بارشوں کا موسم شروع تھا۔ سلطان اپنا تمام لشکر لے کر اپنے جاڑے کے صدر مقام پر واپس آ گیا۔ رملہ کے گرد و نواح میں جو سلطانی فوج تھی اُسے وہاں سے ہٹا کر بیت المقدس کی حفاظت کے لئے بھیج دیا گیا۔ کیونکہ سلطان اپنے حلیف رچرڈ کی تمام چالوں کو خوب سمجھتا تھا۔ اسے یہ بھی یقین تھا۔ کہ بادشاہ ہر روز سفیر صرف اس لئے بھیجتا ہے کہ ہم جنگی انتظامات سے غافل رہیں۔ اور عیسائی بیت المقدس پر حملہ کرنے کی تیاری کر لیں۔ دسمبر کے شروع ہونے ہی عیسائی لشکر بڑے طمطراق سے بیت المقدس پر حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ اور بڑھتے بڑھتے رملہ تک آپہنچا۔ سلطان رملہ سے جانے سے پیشتر ہی اسے تباہ کر گیا تھا۔ رملہ جانا سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ رملہ پر عیسائی لشکر چھ ہفتہ تک پڑا رہا۔ سلطانی فوجی چوکیوں کے محافظ دستے گاہے گاہے بلائے ناگہانی کی طرح ان پر آپڑتے جب اس مقام پر اسلامی حملہ آوروں نے انہیں دم نہ لینے دیا۔ تو رچرڈ نے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور سات آٹھ میل آگے بڑھ کر بیت النبی پر

قبضہ کر لیا۔ جہاں سے بیت المقدس بالکل نزدیک تھا۔ لیکن رچرڈ کو آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ چنانچہ اس نے لشکر کو واپسی کا حکم دیدیا۔

واپسی کا حال رچرڈ کے سوانح نگار اس طرح بیان کرتے ہیں کہ :-
 ”بیت تو بایں بارشیں کثرت سے ہونے کے باعث ہمارے سپاہی بھڑ گئے اور بار برداری کے جانور بھی مرنے لگے۔ آندھی اور طوفان کی شدت کا یہ حال تھا کہ تمام خیمے گر گئے تھے۔ موسلا دھار بارش تھمنے میں ہی نہ آتی تھی۔ جاڑے کی شدت سے ہمارے سپاہی ہلاک ہو رہے تھے۔ سامان رسد تمام خراب ہو گیا۔ زرہ بکتریں زنگ آلودہ ہو کر بہت بد نما نظر آنے لگیں۔ لوگ صرف اس امید پر جی رہے تھے۔ کہ کسی دن بیت المقدس کی زیارت سے شرف اندوز ہوں گے۔“

جس وقت رچرڈ رملہ سے چل کر بیت توبا کی طرف آ رہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے اسلامی لشکر کی ایک جماعت اس پر حملہ آور ہوئی۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ پہلے وقت میں تو عیسائیوں کا پہلہ بھاری رہا۔ لیکن دن ڈھلے کے بعد عساکر اسلام نے جوش غضب سے ایک ایسا حملہ کیا۔ کہ عیسائی ٹھہرا گئے۔ اور میدان سے بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگے۔ شام کی تاریکی کے باعث لڑائی بند ہو گئی۔ اس معرکہ میں بقول عیسائی مؤرخوں کے نصرانیوں کا بہت نقصان ہوا۔

سلطان رملہ کو غیر آباد کرنے کے بعد بیت المقدس میں آ کر فروکش ہوا۔ حسب دستور جاڑے کے ایام میں ہر ایک لشکر میں سے ایسے لوگ جن کو گھروں کو واپس جانا ضروری تھا۔ اپنے علاقوں کو رخصت ہونے لگے۔ سلطان نے بیت المقدس کی حفاظت کے انتظامات اپنی زیر نگرانی شروع کر دیئے۔ اور مختلف کاموں پر اپنے شہزادوں کو مقرر کیا۔ جس وقت رچرڈ بیت توبا پر پڑا تھا۔

ایک روز ہیرونی اسلامی چوکیوں کی محافظ سپاہ نے ان کے لشکر کے ایک حصہ پر حملہ کر کے بہت سے عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور علاوہ کثیر سپاہیوں کے پچاس عیسائی سردار اسیر کر کے لے گئے۔

بیتِ توبا پر عیسائی لشکر ایک عجیب مصیبت میں گرفتار تھا۔ ایک تو سردی اور برف باری نے صلیبی بہادرؤں کا علیہ بگاڑ ڈالا تھا۔ دوسرے مسلمان ایک دم بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ رچرڈ تو غالباً قسم کھا کر عہد کر چکا تھا۔ کہ اب اگر عساکر اسلامی کا مقابلہ کرے گا۔ تو بیت المقدس کے قرب و جوار ہی میں کرے گا۔ عیسائی لشکر کی ذلت کے حالات ہر روز اس کو سنائے جاتے تھے۔ لیکن وہی رچرڈ جسے عیسائی عالم شیر دل کہتا تھا۔ اور جس کے سرزمینِ فلسطین میں کارناموں کے حالات سرواٹر سکاٹ اپنی کتاب الموسومہ ”ٹیلز مان“ میں نہایت شاندار الفاظ میں بٹے فخر کے ساتھ لکھتا ہے۔ ”اتنی جرات نہ کر سکا کہ مسیح علیہ السلام کا نام لے کر ایک بار تو بیت المقدس پر جا حملہ کرے۔ اور مسلمانوں سے دست و گریباں ہو کر فیصلہ کو قسمت اور تلوار کے سپرد کرنے۔“

آخر جب عیسائی سرداروں کو اپنا قافیہ بہت تنگ ہوتا نظر آیا۔ اور جان کے لالے پڑتے دکھائی دیئے۔ تو بڑے بڑے نامی گرامی صلیبی سردار رچرڈ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا۔ کہ حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ عیسائی لشکر کا بیتِ توبا پر یونہی اپاہجوں کی طرح پڑے رہنا ناممکن ہے۔ سلطانی سپاہ بیت المقدس کے قرب و جوار میں لکڑی کے جالے کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ تمام فوجی مقامات پر سلطان کا قبضہ ہے۔ اگر ایسی حالت میں جبکہ فوج جاڑے کی شدت سے بے دست و پا ہو رہی ہے۔ عیسائیوں نے آگے قدم بڑھا دیا۔ تو پھر مسیحی لشکر کی بربادی اور تباہی ایک یقینی امر ہے۔

سپاہی گھروں کو واپس جانے کے لئے شور کرنے لگے ہیں۔ مصلحت یہی ہے کہ اس جگہ سے کوچ کر کے واپس چلے جائیں۔ ورنہ سپاہی بد لگام ہو کر خود بخود واپس جانے لگیں گے۔

رچرڈ نے اپنے خاص فوجی مشیروں سے مشورہ کیا۔ اور آخر جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ بیت المقدس پر حملہ کرنا جان بوجھ کر موت کے منہ میں جانا ہے۔ تو مورخہ ۱۳ جنوری کو رملہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ راستہ کی مشکلات کے حالات رچرڈ کے سوانح نگار ایسے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ کہ غریب عیسا ثیول پر خواہ مخواہ رحم آنے لگتا ہے۔ رملہ بالکل ویلان تھا۔ عیسا ئی سردار آرامے جویاں تھے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ عک واپس چلے گئے۔ رچرڈ نے اس خیال سے کہ لشکر کا بے کار پڑے رہنا اچھا نہیں۔ عسقلان کو دوبارہ بنوانے کا ارادہ کیا۔ اور فوج کو عسقلان کی طرف روانہ کر دیا۔

لین پول اپنی کتاب الموسوم بصلاح الدین میں لکھتا ہے۔ کہ ایک طرف عسقلان کی تعمیر کا کام شروع تھا۔ دوسری طرف مارکوس کو تارڑوا لئے صور کا قضیہ درپیش تھا۔ عک میں فرانسیسیوں اور انگریزوں میں پھر بے لطفی پیدا ہو چکی تھی۔ رچرڈ کو اس قسم کی پریشانیوں سے ابھی نجات نہ ملی تھی۔ کہ ایک تازہ مصیبت آپرٹی انگلستان سے روانہ ہونے سے پیشتر رچرڈ اپنے بھائی جان کو بطور نائب چھوڑ آیا تھا۔ جان نے رچرڈ کی عدم موجودگی کو غنیمت جانا۔ اور سلطنت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس خبر وحشت اثر کے سننے سے رچرڈ بہت گھبرا یا۔

سلطان صلاح الدین بھی تک بیت المقدس میں فروکش تھا۔ لیکن

اسلامی لشکر کی متعدد جماعتیں جہاں موقع پائیں عیسائی لشکر کو قتل و غارت کرنے اور لوٹنے کا سلسلہ بھی جاری رکھے چلی آتی تھیں۔

علامہ ہماؤ الدین لکھتا ہے۔ کہ پابج کے عینے میں رچرڈ نے سلطان کو لکھا کہ ملک العادل کو صلح کے متعلق پھر ایک دفعہ تنگ کر کے کی اجازت عطا کی جائے۔ چنانچہ سلطان نے مورخہ ۲۰ پابج کو ملک العادل کو رچرڈ کی درخواست پر اس سے ملنے کی اجازت دی۔ اور سب امور اسے سمجھا دیئے۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر ضرورت ہو تو صلیب اعظم واپس دینے کی شرط بھی منظور کر لے۔ اور اگر رچرڈ بیروت کا کالہ کرے۔ تو بیروت اس شرط پر حوالے کرے کہ اسے تباہ کر دیا جائے۔

اتفاق سے جس وقت ملک العادل مسیحی کیمپ میں پہنچا۔ رچرڈ جافا کی طرف پہل دیا۔ اس لئے سفیروں کی معروف دونوں میں کچھ سمجھوتا ہو گیا۔ لیکن باقاعدہ طور پر کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

اسی نامہ و پیام کے ایام میں رچرڈ نے اچانک قلعہ داروم پر حملہ کر دیا۔ اس قلعہ کا حاکم علم الدین تھا۔ اس جو اندر دے دو دن تک عیسائی لشکر کا بہت مردانگی سے مقابلہ کیا۔ لیکن جب قلعہ کا بچا ناؤ شوار ہو گیا تو ایک شب میگزین کو آگ لگا کر تمام سامان جنگ ضائع کر دیا۔

رچرڈ کے سوانح نگار تخیل دار دم کے متعلق لکھتے ہیں :-

”ترک نہایت غضبناک ہو کر لڑے لیکن عیسائیوں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ جب ہمارے لشکر نے قلعہ پر قبضہ کیا۔ تو جس قدر مسلمان دیوار پر موجود ملے ان کو تفصیل سے نیچے گرا دیا۔ جہاں وہ پتھروں پر گر کر بڑے عذاب سے مرے۔ قلعہ کے مختلف مقامات پر جو مسلمان ہم نے قتل کئے۔ ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ قیدیوں کو بادشاہ کے حکم سے چمڑے کی پستیوں میں ماس زور سے باندھا گیا۔ کہ

شدت درد سے چلانے لگے۔ رچرڈ نے چار روز کے دلاورانہ محاصرہ کے بعد آخر قلعہ وار دم قبضہ کر لیا۔

اس قسم کے تذکرے جن میں عیسائی اپنے مظالم کا فخر یہ طور پر ذکر کرتے ہیں پیروان مسیح علیہ السلام کے لئے باعث فخر ہوں تو ہوں۔ لیکن پول لکھتا ہے۔ کہ افسوس بد قسمتی سے ہر موقع پر عیسائیوں نے اسیر اور مغلوب مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم کئے۔ کہ صلیبی جنگوں کی تاریخ پر نہ امت آنے لگتی ہے۔ فتح وار دم سے عیسائی لشکر کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ کیونکہ ایک مدت کے بعد ان کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی تھی۔ وار دم پر قبضہ کر لینے کے بعد رچرڈ کی فوج بعد ابا با ایک مقام کی طرف بڑھی۔ لیکن اس جگہ اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ماہ جون میں پھر ایک بار باسی ہندیا میں اُبال آیا۔ اور صلیبی لشکر رچرڈ کی سرکردگی میں بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ اور صافیہ کی پہاڑیوں پر آکر ڈیرے کھدال دیئے۔

اس وقت تک عساکر سلطانی تازہ دم ہو کر پھر ایک بار تو حید کی عظمت تثلیث پر برقرار رکھنے کے لئے جمع ہو گئے مسلمان تقریباً ہر شب کو عیسائی چوکیوں پر شہ خون مارتے اور ہر روز بہت سے عیسائی قتل اور مجروح ہوتے۔ مورخہ ۲۳ جون کو مصرف کی طرف ایک قافلہ آتا تھا۔ اس قافلہ میں سلطانی افواج کے لئے بہت سی سامان خورد و نوش بھی تھا۔ عیسائیوں کو اس کی آمد کا پتہ لگ گیا اس قافلہ کا سردار ملک العادل کارضائی بھائی فلک الدین تھا۔ عیسائی جو پہلے ہی گھات میں بیٹھے تھے اچانک حملہ آور ہوئے۔ قافلہ کی وہ جماعت جو آگے تھی اُس نے مقابلہ کیا۔ لیکن نصرائیوں کی کثرت کے باعث اسلامیوں کا پلہ کمزور تھا۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور ایک بڑی تعداد اسیر ہو گئی۔ لیکن میر قافلہ واک۔ الدین نہایت بڑباری سے جس وقت لڑائی ہو رہی تھی۔ تمام سامان لے کر چپکے سے ایک اور راستہ سے جبل خلیل پر جا پہونچا۔ عیسائیوں کو اصل

واقعات کا علم بھی نہ ہوا۔ اور جو کچھ ان کے ہاتھ لگا اسی کو انہوں نے اپنی کامیابی سمجھا۔ سلطان نے بیت المقدس کے قریب جو امین جس قدر بیٹھے پانی کے کنوئیں اور چشے تھے سب کو تباہ کر دیا۔ اور عیسائیوں کے حملہ کو روکنے کی تمام تجاویز مکمل کر لیں۔ لیکن رچرڈ جہاں پڑا تھا۔ وہاں سے فوج کو حرکت دینے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

یکم جولائی کو سلطان نے بیت المقدس میں اپنے فوجی جرنیلوں۔ اراکین سلطنت اور معزز رؤساء شہر کی کونسل منعقد کی۔ اور ان لوگوں کے سامنے جہاد کی فضیلت پر ایک بہت پر جوش تقریر کی۔ مجمع میں سے ایک امیر نے کھڑے ہو کر سلطان کو یقین دلایا۔ کہ ہر ایک مسلمان خدا کی راہ میں جان دینا باعثِ خیر و برکت سمجھتا ہے۔

شام کے وقت ایک سردار عزیز الدین جردیک جو ہر اول فوج کا افسر تھا کا ایک قاصد حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ عیسائی لشکر موجودہ مقام سے نقل مکان کر کے ایک اور مقام پر آ گیا ہے۔ شنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۵۴۰ جولائی کو یہ اطلاع ملی۔ کہ عیسائی لشکر میں کچھ باہمی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ ایک فریق بیت المقدس کی طرف بڑھنے پر اصرار کرتا ہے۔ دوسرا فریق واپس جانے پر زور دیتا ہے۔ فرانسیسی صلیبی لشکر جو بادشاہ فلپ ڈیوک آف نارمنڈی کے ماتحت چھوڑ گیا تھا۔ بیت المقدس پر حملہ کرنے کے حق میں تھا۔ لیکن رچرڈ کو یہ فکر دامنگیر تھی۔ کہ مسلمانوں نے پینے کا پانی خراب کر ڈالا ہے۔ پانی کہاں سے آئے گا۔ آخر ایک کونسل منعقد کی گئی۔ اور اس میں فریقہ پہلے اور فرقہ ہاسپٹلر کے سردار۔ ملک شام کے عیسائی سردار وغیرہ۔ شامل تھے۔ آخر یہ قرار پایا کہ بیت المقدس کا قضیہ چھوڑ کر قاہرہ کا قصد کیا جائے۔ جو یہاں سے دو سو پچاس میل کی مسافت پر ہے۔

انگلے روز تمام نصرانی لشکر جو بڑے ساز و سامان سے بیت المقدس کو مسلمانوں سے آزاد کرنے کے لئے آیا تھا۔ بوریابستر باندھ کر ہر ایک طرف واپس

روانہ ہو گیا۔ باوجود اپنی جماعت کی کثرت اور نئے نئے سامان جنگ کے رچرڈ شیرڈل کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ مسلمانوں سے ایک دو ہاتھ تو کر کے دیکھ لے۔

فتح اسلام

بیت المقدس کے سامنے سے رچرڈ شیرڈل بادشاہ انگلستان کا چپ چاپ واپس چلے جانا صرف ایک ایسا واقعہ ہے جس پر پچرڈ کے سوانح نگار اور ہٹری آف ہسٹورین کے مرتب کرنے والے مسیحی عالم بالکل خاموش ہیں تعجب ہے وہ سوانح نگار جو رچرڈ کے فرضی کمانوں کو تاریخی واقعات کا رنگ سے کر مرمر حلیہ میں پیش کرتے ہیں بیت المقدس سے لشکر کو واپس لے جانے کا ذکر کیوں نہیں کرتے مسیحی مؤرخوں کا خاکہ ”سروالٹرا سکاٹ“ کا وہ شیرڈل پچرڈ جس کا نام سن کر مسلمان گھروں سے نکلنے سے گریز کرتے تھے۔ اور جو یورپ سے یہ عہد کر کے چلا تھا کہ جب تک وہ بیت المقدس کو سلطان صلاح الدین سے چھین کر سرزمین فلسطین میں ایک طاقتور مسیحی سلطنت قائم نہ کر لیا گیا۔ انگلستان کا رخ نہ کرے گا۔ ایک عظیم الشان عیسائی لشکر کی موجودگی میں جس کے پاس میدانی تو ہیں اور یورپ کا تیار کردہ سامان جنگ بکثرت موجود تھا۔ کیوں اور کس خیال سے حصول بیت المقدس کے لئے قیمت آزمانی کئے بغیر واپس لوٹ گیا۔

عیسائی مؤرخ اسے کوئی فوجی چال کہیں یا جو چاہیں سمجھیں۔ لیکن حقیقت میں حق و باطل چھپا نہیں رہ سکتا۔ وہ دراصل یہ تھی کہ رچرڈ سلطان صلاح الدین کے سامنے بہت گھبراتا تھا۔ اور صلیبی سرداروں کا یہ تو حال تھا کہ بے درے بیک انکھالنے سے اب ان کو ایک ایسے مقام پر حملہ کرنے کی جرات ہی نہ ہوتی تھی

جہاں سلطان بذات خاص موجود ہو۔ یہ غلط ہے کہ مسلمان رچرڈ کا نام سن کر دباک جاتے تھے۔ وہ لوگ جن کو تاج گروسیڈ پر عبور ہے۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلطان کا نام عیسا ئیوں کے لئے ایک نہایت خوفناک چیز تھی۔ حالانکہ سلطان فیاضی اور رحم کی ایک نجم شمال تھا۔ لیکن میدان جنگ میں خاص کر ایسے مقام پر جہاں فوجوں کی کمان خود غازی (اسلام سلطان) کرتا ہو صلیبی سردار اپنی غافرت راہ گریز اختیار کرنے ہی میں مجتہد تھے۔

رملہ اور بیت النوبا کے مقامات پر جب عیسا ئی لشکر پڑا تھا۔ تو مسلمانوں کی بیرونی فوجی چوکیوں نے عیسا ئیوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ایک پل بھی مسلمان حملہ آور چین سے نہ بیٹھے دیتے تھے۔ لیکن رچرڈ کو کہ جس سے مس نہ ہوتا تھا۔ تمام عیسا ئی لشکر جس میں بقول رچرڈ کے سوارخ نگاروں کے کم و بیش تین لاکھ ایسے نبرد آزما تھے جو مرنے مارنے پر تلمے ہوئے تھے بیت المقدس کے سامنے پڑا تھا۔ مسلمان صبح و شام آ کر حملے کرتے تھے۔ اور قتل و غارت کا میدان گرم کر کے واپس لوٹ جاتے تھے۔ لیکن یورپ کا مایہ ناز شیر دل خیمے سے باہر نکلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ لشکر کی رسوائی اور بے دست و پائی کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ لیکن مٹھی بھر سوار چھوڑ تمام فوج کی موجودگی میں سلطان فیاضی کے مقابلہ کی جرات نہ کرتا تھا۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ وہ بھی اب سلطان صلاح الدین غازی سے ختم کراتا تھا۔ مجلس صلح میں تو اسے سلطان سے ملنے کی بڑی آرزو تھی۔ لیکن بزم رزم میں سلطان کا مقابلہ کرنا رچرڈ کو منظور نہ تھا۔

بیت المقدس سے لوٹ کر پھر رچرڈ نے اپنے سیف سلطان کے حضور میں بھیجنے شروع کئے۔ سلطان صلح کرنے پر آمادہ تھا۔ اسے خلقت خدا کا خون بہانا

منظور نہ تھا۔ لیکن جو شرائط نصرانی بادشاہ پیش کرتا تھا۔ اسے سلطان تو کیا کوئی اور غیور مسلمان بھی قبول نہ کر سکتا تھا۔ رچرڈ نے متعدد بار سلطان کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔ کئی بار یورپ کے تحائف بھی پیش کئے لیکن صلح ہوتی نظر نہ آتی تھی۔ اس نامہ و پیام کے سلسلہ میں رچرڈ اور اس کا بہت سا لشکر عکہ واپس آ گیا تھا۔ اور بیروت کے راستہ یورپ واپس لوٹ جانے کی افواہ گرم کر رکھی تھی لیکن دھل ارادہ یہ تھا۔ کہ بیروت پر چنانچہ حملہ کر کے اسے اپنے تصرف میں کر لے۔ سلطان اس نصرانی بادشاہ کی چالوں کو خوب سمجھتا تھا۔ پیشہ اس کے کہ رچرڈ بیروت کی جانب روانہ ہو۔ سلطان مورخہ ۲۷ جولائی کو آچانک جافا کے سامنے آئے۔ موجود ہوا۔ عیسائیوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ اور مسلمانوں کے آتے ہی جناب چھڑ گئی۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ سلطان ہر مرحلہ پر بذات خود پہنچتا تھا۔ اور حسب عادت نعرہ تکبیر بلند کرتا ہوا شمشیر بکف عیسائیوں پر حملہ کرتا تھا عیسائیوں نے اس مقابلہ پر خوب داد و تحسین دی۔ اور نہایت بہادری اور مستقل مزاجی سے عساکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ تین دن کی خونریز لڑائی کے بعد حملہ آور قلعہ کی بیرونی دیوار توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ نصرانیوں کی ایک کثیر جماعت لوہے کا لباس پہنے ایک دیوار آہنی کی طرح قطار در قطار کھڑی تھیں۔ اس زندہ فولادی دیوار کو توڑنا سخت دشوار کام تھا۔ لیکن حملہ آور کامیاب ہو گئے۔ اہل شہر نے امان طلب کی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ اور جن شرائط پر آج سے پانچ سال پہلے تر اہل بیت المقدس کو امان دی گئی۔ انہی شرائط پر باشندگان جافا کو امان دی گئی۔ لیکن مسلمان جوش غضب میں اس قدر بھرے ہوئے تھے۔ کہ ان کا بے قابو ہو کر دشمنان دین مبین کو قتل کرنا غیر ممکن نہ تھا۔ لیکن سلطان نے انتہائی کوشش سے کام لے کر عیسائیوں کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ پھر بھی معدودے چنڈ عیسائی

یہاں وہاں قتل ہو گئے۔ شہر عیسائیوں سے کچی کھج بھرا ہوا تھا۔ اس جگہ سے مسلمانوں کو بہت ساسا مانا بسد ملا۔ اور وہ قیمتی اسباب جو مصری قافلہ کا بچہ دے لیا تھا۔ یہاں سے دستنیاب ہو گیا۔

علامہ ابن اثیر رقمطراز ہے کہ سلطان نے ان تمام مقامات کے گرد و نواح میں جن پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ نصرانی لشکر کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے فوجیں لگا رکھی تھیں۔ جس وقت سلطان فی افواج شہر جافا میں فتح و نصرت کے نعرے بلند کرتی پھرتی تھیں۔ اسی وقت سلطان کو اس کے ہر کاروں نے رچرڈ کے ایک لشکر کے ساتھ جافا کی ملک کے آنے کی اطلاع دی۔ رچرڈ کو جافا والوں کی نازک حالت کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اور وہ یلغار کرتا ہوا سمندر کے راستہ سے ان کی مدد کو آ رہا تھا۔

علامہ ہماؤ الدین لکھتا ہے کہ میں خود تمام رات اسلامی لشکر کے مختلف مقامات کی نگرانی کرتا رہا۔ سلطان خود رات بھر بیدار رہا۔ آخر علی الصبح ملکی فوج کے نقاروں کی آواز سنائی دینے لگی۔ سلطان نے اسی وقت ایک جرار فوج ساحل کی طرف رچرڈ کو روکنے کے لئے روانہ کر دی۔ دو پہر کے قریب رچرڈ کا بیڑا دور سمندریں نظر آ رہا تھا۔ اس میں پینتیس جنگی جہاز پندرہ تیز رو کشتیاں تھیں۔ یہ وہی بیڑا تھا جس پر رچرڈ سوار ہو کر انگلستان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ نصرانی سپاہی جو ابھی تک قلعہ ہی میں پڑے تھے۔ اگرچہ ان کا طلب کر کے شہر حوالے کر چکے تھے۔ اور محض گروہوں اور بدوؤں سے جو جوش انتقام میں غضبناک ہو رہے تھے، بچنے کے لئے سلطان کی اجازت سے قلعہ میں پڑے تھے رچرڈ کی آمد کی خبر پا کر حسب دستور بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی اس جماعت پر جوان کی حفاظت پر یا مور تھی حملہ کر دیا۔

اور اس مٹھی بھر اسلامی جماعت کو قلعہ سے باہر دھکیل دیا۔ لیکن مسلمانوں نے پھر ایک ایسا خوفناک حملہ کیا کہ سینکڑوں عیسائی قتل کر ڈالے۔ اور دوبارہ قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ عیسائیوں نے گھبرا کر پھر امان طلب کی۔ رچرڈ ساحل سمندر پر کھڑا تھا۔ اور اسی شش و پنج میں تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرے یا نہ کرے۔ لین پول اپنی کتاب الموسوم بہ صلاح الدین میں لکھتا ہے: ”رچرڈ شیردل مسلمانوں پر حملہ کرنے سے جی چراتا تھا“

اتنے میں قلعہ سے ایک پادری کسی نہ کسی طرح بھاگ کر رچرڈ کے سامنے جا حاضر ہوا۔ اور اسے عیسائی مٹج کا واسطہ لے کر قلعہ والوں کی مدد کیلئے ابھارا۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ رچرڈ اپنے نائب کر و سیدرز (صلیبی سرداروں) کی ایک کثیر جماعت ساتھ لے کر قلعہ والوں کی مدد کو پہنچ گیا۔ اس کے آتے ہی جنگ لے ایک خوفناک صورت اختیار کر لی۔

مسلمانوں کی وہ مختصر سی فوج جس نے دوبارہ قلعہ اور شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ نہایت مردانگی سے مقابلہ کرتی رہی۔ لیکن تابہ کے بہت سے مجاہدین آہِ خدا میں لڑ کر شہید ہو گئے۔

بہاؤ الدین لکھتا ہے جس وقت رچرڈ اور اس کے فوجی صلیبی سردار شہر میں مسلمانوں سے لڑ رہے تھے۔ اس وقت سلطان کے خیمے میں عیسائی سفیر قلعہ والوں کی طرف سے حاضر ہوئے۔ اور سلطان سے عاجزی کے ساتھ اہل قلعہ کی جان و مال کی سلامتی کے لئے عرض معروض کرنے لگے۔ میں نے بھی حاضر ہو کر عرض کیا۔ سلطان نے اہل شہر کی کوچہ نشینی اور غذاری کے بدلے غصے میں کر شہر کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اور سواروں کے ایک بہادر دستہ کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ میں نفخ نفیس کھڑا ہوا۔ اور پھر رمل کی طرف چلا گیا۔

ایک عیسائی مورخ "ریلف آف کاک شل" اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے: "قلعہ جافا پر صلاح الدین باسٹھ ہزار جرار فوج لے کر پڑا ہوا تھا۔ رچرڈ شیرڈل صرف اسی صلیبی سرداروں اور چار صد تیر اندازوں کو ساتھ لیکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں تمام اسلامی لشکر کو مار کر رملہ کی طرف بھگادیا۔ اس لڑائی میں بادشاہ رچرڈ کے نیچے تین گھوڑے مسلمانوں کے تیروں سے زخمی ہو کر گرے۔"

چار سو اسی آدمیوں کا باسٹھ ہزار کی جمعیت کو مار کر بھگادینا نہ عجیب و غریب کی بات تو ہے، تو پھر اس قسم کے واقعات اور بیانات کو کبھی صحیح و درست نہیں تسلیم کر سکتی۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ سلطان کے رملہ پہنچتے ہی رچرڈ کے سفیر پھر حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کی طرف سے پھر صلح کی درخواست کی۔ سلطان نے اپنے سیکرٹری ابوبکر کو رچرڈ کے پاس بھیجا۔ تاکہ شرائط صلح کا فیصلہ کرے۔ رچرڈ نے ابوبکر کی بہت آؤ بھگت کی۔ اور اس کے ذریعے سلطان کو یہ پیغام بھیجا:۔

"اس کشت و خون سے کسی کو فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ خلق خدا کو آرام کرنے کی اجازت عطا کی جائے۔ اور اس جنگ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ میرے آباؤ اجداد میں میری عدم موجودگی کے باعث بہت سے جاں کھڑے ہوئے ہیں۔ میرا وطن کو جانا اشد ضروری ہے۔ میری اس عرضداشت پر مجھے آئندہ پورا پورا غور کیا جائیگا۔"

ابوبکر نے سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر بادشاہ انگلستان کا پیغام لفظ بہ لفظ عرض کر دیا۔ اور صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے دونوں جانب سے سفیر آنے جانے لگے۔ رچرڈ نے جافا اور عسقلان کا مطالبہ کیا۔ اور وعدہ کیا کہ فلسطین کے تمام عیسائی تاجدار اس کے حلقہ بگوش ہو کر رہیں گے۔

سلطان نے جافا دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن عسقلان دینے سے صاف انکار کر دیا۔ شنبہ کے روز چند ذی رتبہ عیسائی سردار رچرڈ کی طرف سے سلطان کے حضور میں حاضر ہوئے اور عسقلان عیسائیوں کے قبضہ میں رہنے کی از سر نو درخواست کی۔ بقول لین پول سلطان نے ان سفیروں کو مخاطب کر کے یہ جواب دیا:-

”اگر ہم چاہیں۔ تو جس قدر علاقہ تمہارے بادشاہ (رچرڈ) کے قبضہ میں ہے، ہم اُس سے دوبارہ چھین سکتے ہیں۔ تمہارا بادشاہ ایسی حالت میں تم لوگوں کو یہاں چھوڑ کر کیسے واپس وطن جاسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے وطن سے دُور اُس ملک میں ایک دو سال اور قیام کر سکتا ہے۔ تو کیا تمہارے لئے ایک دو سال اپنے ہی وطن میں رہ کر جنگ جاری رکھنا کیسا مشکل ہے۔ میں محض اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کے لئے یہ جنگ کر رہا ہوں۔ اور انشاء اللہ جب تک فضل باری تعالیٰ شامل حال ہے اس جنگ کو جاری رکھوں گا۔ فتح و شکست اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔“

رچرڈ کے سفیر یہ پیغام لے کر واپس چلے گئے۔ اسی اثنا میں سلطان کو یہ اطلاع دی گئی۔ کہ رچرڈ دوبارہ بیت المقدس پر

حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ سلطان نے فوراً قاصد چاروں طرف بھیج کر
مکی فوج طلب کی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سی تازہ دم فوج
بیت المقدس میں آکر جمع ہو گئی۔

لیکن اب قدرت کو زیادہ خونریزی منظور نہ تھی۔ رچرڈ کو اچانک
مخبر آنے لگا۔ اور اس کی طبیعت بہت بگڑ گئی۔ اس نے سلطان کے پاس
اپنے ذاتی سردار بھیج کر برف اور پھلوں کی درخواست کیا۔ سلطان نے
حسب درخواست بادشاہ کو بہت سی برف اور تازہ پھل بھیجے۔
بیماری کی حالت میں بھی رچرڈ برابر اپنے سفیر سلطان کے پاس صلح کیلئے
بھیجتا رہا۔ ملک العادل غلیل ہونے کے باعث میدان جنگ سے کچھ فاصلہ
پر تھا۔ رچرڈ کے سفیر اس کے پاس بھی لگاتار پہنچتے رہے۔ رچرڈ ملک العادل کو
بار بار یہی لکھتا تھا کہ کسی طرح اپنے صاحب تخت و تاج بھائی کو صلح پر
آمادہ کرے۔

مؤرخہ ۲۸ اگست سے یکم ستمبر ۱۱۹۲ء تک سفیر آتے جاتے رہے۔ آخر
سلطان نے امرا کے مشورہ سے صلح منظور کر لی۔ شرائط صلح یہ قرار پائی کہ
ساحل سمندر کا علاقہ عکہ سے جافا تک جو عیسائیوں کے قبضہ میں ہے ان کے
پاس رہے۔

عسقلان سما کر دیا۔ اسے اور وہ کسی کی مملکت میں شمار نہ ہو۔
مسلمان اور عیسائی بلا خوف و خطر ایک دوسرے کے ممالک میں
سفر کریں۔

مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی
اجازت ہو گئی۔

سلطان صلاح الدین اور بادشاہ رچرڈ کے تمام بڑے بڑے اُمراء نے اس عہد نامہ پر دستخط کر دیئے۔ اور اس کی پابندی کے لئے حلف اٹھائے۔ اور قرار پایا کہ تین سال تک دونوں اطراف میں صلح رہے۔

سلطان نے تمام بلاد اسلامیہ میں اس صلح کا اعلان کر دیا۔ اور مورخہ ۹ اکتوبر ۱۱۹۱ء کو بادشاہ رچرڈ عکہ سے جہاز میں سوار ہو کر یورپ کی طرف واپس چلا گیا۔

”پوپ“ کے حکم سے یورپ کی تمام بڑی بڑی سلطنتیں۔ باجگزار ایالتیں ملک بڑے بڑے نواب اور عوام کا ایک اثر دھام ہتھیار باندھ کر مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے اور سرزمین فلسطین میں ایک مسیحی سلطنت قائم کرنے کیلئے ایک ٹڈی دل کی طرح ہجوم کر کے آگئے تھے لیکن سلطان صلاح الدین غازی کے سامنے ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ پانچ سال کی متواتر جنگ اور کشت و خون کے بعد اسلام پھر ایک بازنطینیٹ پر غالب آیا۔

معرکہ حطین میں جو شاندار فتح جولائی ۱۱۸۷ء کو سلطان صلاح الدین کو ہوئی تھی۔ اس وقت سرزمین فلسطین کا بہت تھوڑا سا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ لیکن صلح رملہ کے بعد جو ستمبر ۱۱۹۱ء میں ہوئی۔ تقریباً تمام ملک سوائے چند ایک ساحلی مقامات کے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اور پرچم ہلال ہر گوشہ سے لہرا رہا کہ اسلام کی شان اور عظمت کا تباہ و تباہ تھا۔

تیسری صلیبی جنگ میں ایک طرف یورپ کے مسیحی تھے۔ اور دوسری طرف مقابلہ میں سلطان صلاح الدین اور اس کے گروہ ترک۔ عرب اور شام و مصر کے کلمہ گو تھے۔ مسیحی حملہ آوروں کے پاس توپ خانے اور جدید آلات حرب تھے۔

مسلمانان سامانوں سے محروم تھے۔ ایک طرف اخراجات جنگ کے لئے یورپ کے تاجداروں کے خزانے تھے۔ اور رعیت پر صلاح الدین ٹیکس عائد کر کے روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ لیکن دوسری جانب مفتوح اسلامی ممالک کے معمولی مالیات تھے۔ اور پھر بھی باوجود اس قدر ساز و سامان کے تمام یورپ کی متفقہ کوششیں سلطان صلاح الدین کے عزم کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ایک طویل جنگ و جدل کے بعد کُردستان سے لے کر صحرائے لبیان تک تمام ملک سلطان کے زیرِ ٹیکس تھا۔ بڑے بڑے زبردست مسیحی تاجدار سلطان صلاح الدین کا رفیق کملانے پر ناز کرتے تھے۔

ہر معرکہ میں سلطان اپنی افواج کو خود مقابلہ پر لڑاتا تھا۔ یورپ والے بڑے بڑے نامی گرامی نبرد آزما سلطان کی فوجی لیاقت کا سکہ مانتے تھے۔ اسلام کے اصول کے مطابق سلطان ہمیشہ کونسل منعقد کر کے اپنے رفقا سے استفسار کر لیا کرتا تھا۔ اس کے سردار اور جرنیل اور معاون باجگزار حکمرانوں میں بعض اوقات اس کی رائے سے اختلاف کرتے تھے۔ بحث طول کھینچتی تھی۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے سب لوگوں کو سلطان کے فہم و فراست پر یورپ اور اعتبار تھا۔ وہی لوگ جو کونسل میں اس سے اختلاف رائے رکھتے تھے ہر معرکہ میں ہر میدان میں ہر مجلس میں سلطان کے حکم کے آگے سرنگوں کر دیتے تھے۔

قدرت سے سلطان کو ایک بہتہ قانع دل عطا ہوا تھا۔ جافا کی جنگ کے بعد سے مسیحی لشکر کی کمزوری کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا۔ مسلمان فتح کے نشہ میں سرشار تھے اور اپنے راہنما کے اشارے پر سلطانوں کو زیر و زبر کرنے پر ہر وقت آمادہ تھے۔ اگر کوئی اور شخص ہوتا۔ تو ان حالات سے فائدہ اٹھا کر اپنی

سلطنت کو وسعت دینے کے لئے فوراً اٹھ کھڑا ہوتا۔ لیکن سلطان صلاح الدین کو خلقت خدا کا خون بہانا سخت ناپسند تھا۔ فتحِ رملہ کے بعد اس نے اپنی فوج کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت عطا کی۔ سپاہی اس طرح ٹولیاں بن بن کر اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جیسے لوگ بل جُل کر میلوں میں شامل ہونے کے لئے جاتے ہیں۔

سلطان نے ان عیسائی زائروں کے لئے جو بیت المقدس کی زیارت کرنا چاہتے تھے۔ حفاظت اور آرام کے سامان ہم پہنچانے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

سفرِ آخرت

قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک جن کے رازوں پہ بہتا تھا جہیں گستر فلک
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مال جن کی تابیر جہاں بانی سے ڈرتا تھا زوال
مربعِ فتخوری ہو دنیا میں کہ شانِ قیصری ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی
بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور جادہ دنیا کی گویا آخری منزل ہے گور

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے

اس ستمگر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

(صلحِ رملہ کے بعد کچھ عرصہ تک تو سلطان صلاح الدین مسیحی زائروں کے بیت المقدس کی زیارت کے لئے آنے کے انتظام میں مشغول رہا۔ پھر ایک خاص جماعت کو عسکران کے مسمار کرنے اور واماں کی مسیحی آبادی کو

یہ حفاظت جہاں وہ چاہے پہنچانے کے لئے مقرر کیا۔ ماہ رمضان کا مبارک مہینہ سلطان نے بیت المقدس میں گزارا۔ اور پھر اپنی سلطنت کا دورہ شروع کیا۔ تمام بڑے بڑے شہر اور جنگی مقامات ملاحظہ کئے۔ ان کے استحکام کے لئے فوجیں اور چوکیاں مقرر کیں۔

آخر چار سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان صلاح الدین مورخہ ۴۴۴ نومبر کو اپنے دار السلطنت دمشق میں جلوہ افروز ہوا۔ دمشق کے بڑے بڑے جاگیردار اور منصب دار اور رتبہ سائے شہر اور خلقت کا ایک ہجوم اس شیرائے اسلام سلطان کے استقبال کیلئے ایک منزل آگے آئے ہوئے تھے۔ بڑی دھوم دھام سے سلطان کا استقبال کیا گیا۔ اہل دمشق خوشی اور مسرت سے دیوانے بنے ہوئے تھے۔ تمام شہر عروس کی طرح آراستہ تھا۔ ہر جہر سے سلطان کا رتا اللہ اکبر کے غلغلہ اندوز نعروں سے لوگ خیر مقدم کرتے۔

جمعہ کے روز سلطان نے دربار عام منعقد کیا۔ بڑے بڑے سلاطین کے سفراء باجگزار ریاستوں کے کونسل۔ اور تمام قسم کے لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ عزیز و اقارب نے اندریں پیش کیں۔ شعرا نے قصائد پڑھے۔ سلطان نے تقریباً ہر ایک شخص سے علیحدہ علیحدہ مصافحہ کیا۔ مستحق لوگوں کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔

کچھ روز بعد سلطان اپنے شہزادوں اور ملک العادل اپنے بھائی کے ساتھ دمشق کے گرد و نواح میں ہرن وغیرہ کے شکار میں مشغول رہا۔ مورخہ ۲۰ فروری کو اپنے سکتربہاؤ الدین کے علاوہ اور بہت سے امرا کو ہمراہ لے کر دمشق سے چامیل آئے جاکر سرزمین پاک کی طرف جانے والے قافلہ کا استقبال کیا۔ بارش کا موسم تھا۔ واپس آتے ہوئے بارش ہونے لگی۔ ایک مدت سے سلطان کی طبیعت

ناساز رہتی تھی۔ دمشق پہنچتے ہی بخار ہو گیا۔ اگلے روز شاہی دعوت کے وقت سلطان خود اس دعوت میں شامل نہ ہو سکا۔ سلطان کی جگہ اس کا بیٹا ملک الفضل بیٹھا۔ لوگوں کو سلطان کی علالت کی خبر سن کر بہت فکر ہوا تین روز تک جب بخار نہ اُترتا تو اچھانے باہم مشورہ کر کے فصا کھولنے کی تجویز کی۔ غن بھل جانے سے کمزوری بہت زیادہ ہو گئی۔

صبح اور شام کے وقت خلقت کا ایک ہجوم محل کے دروازہ پر اپنے ہر دلعزیز سلطان کی خبر دریافت کرنے کے لئے کھڑا رہتا۔ شام کو عمہ بہاؤ الدین اور ایک دو اور سردار سلطان کے حضور میں حاضر رہتے۔ نویں روز سلطان پر غشی طاری ہو گئی۔ اور وہ اس قابل نہ رہا کہ اسے کوئی دوا یا غذا پلائی جاسکے لیکن شنبہ کے روز طبیعت نے کچھ سنبھال لیا۔ سلطان نے کچھ غذا بھی کھائی اور دوا بھی استعمال کی۔ ہر روز مساکین کو خیرات دی جاتی تھی۔ تمام مساجد میں سلطان کی صحت کے لئے پانچوں وقت دعائیں مانگی جاتے لگیں۔ دو روز بعد اچانک راستہ کے وقت بہاؤ الدین جو سلطان کا سیکرٹری اور کونسل کا صدر تھا محل میں طلب کیا گیا۔ لیکن جس وقت وہ محل میں پہنچا اس وقت ایک عالم سلطان کے پاس بیٹھا کلام الہی کی تلاوت کر رہا تھا۔ سلطان اس وقت دُنیاسے بالکل بے فکر معلوم ہوتا تھا۔ نہایت غور سے قرآن شریف سن رہا تھا۔ گاہے گاہے نہایت خفیف ہنسنے سے اس کے لبوں پر آشکارا ہوتا تھا جس وقت قاری اَنَّهُ بِاللَّهِ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ پر پہنچا۔ تو سلطان ایک بار سُکرایا۔ ہونٹوں نے کچھ خفیف سی حرکت کی۔ اور ساتھ ہی مبارک رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

(مؤرخہ ۳ مارچ ۱۹۵۷ء بروز پچھنبیچپن برس کی عمر میں سلطان صلاح الدین

عازم جنت ہوا۔

اسی دن نماز عصر کے بعد سلطان کو پیرو کر لیا گیا۔ مرنے سے پیشتر سلطان کے پاس جو کچھ بھی تھا۔ اس نے راہ خدا میں دے دیا تھا۔ کفن کے لئے ایک پیسہ بھی موجود نہ تھا۔ چنانچہ قاضی فاضل نے اپنی گرہ سے کفن منگوایا۔ نہایت سادگی سے جنازہ اٹھایا گیا۔ اور اسی باغ میں جہاں علالت کے زمانہ میں سلطان رہتا تھا دفن کر دیا گیا۔

اہل دمشق کے رنج و غم کی کچھ انتہاء تھی۔ جنازے کے ہمراہ خلقت کا بڑا اثر دھام تھا۔ کہ آج تک کبھی اتنی خلقت ایک جگہ جمع نہیں دیکھی گئی تھی۔ اگلے روز امام اہل دمشق جو ق درجوق سلطان کی تربت پر اشکوں سے اظہار عقیدت کرنے کو حاضر ہوئے۔ تمام شہر میں کئی روز تک دوکانیں بند رہیں۔ اور شہر سونا پڑا معلوم ہوتا تھا۔

(ابن خلقان لکھتا ہے۔ کہ اگلے سال سلطان کو باغ سے نکال کر مسجد امیہ کے پاس دفن کیا گیا۔ ایک پختہ قبر تیار کروادی گئی۔ گنبد کے دروازوں اور دیواروں پر آیات قرآنی منقش کی گئیں۔ جب میں فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ تو ایک درویش نے مجھے سلطان کے پارچات کی زیارت کرائی۔

سلطان کا طبیب خاص عبداللطیف رقمطراز ہے۔ کہ جس طرح اہل دمشق نے سلطان صلاح الدین کا ماتم کیا۔ آج تک کسی بادشاہ کا اس طرح ماتم نہیں ہوا۔ سلطان کا علم اور فیاضی اس کی زندگی کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔ اسے رعیت سے بچوں کی طرح پیارا تھا۔ اور رعیت اس پر شہوتوں تھی۔ مرنے سے کچھ روز پیشتر اس نے اپنے بڑے چاہتے بیٹے ملک النظار کو پاس بلا کر

یہ نصیحت کی :-

”بیٹا میرا وقت اب قریب آپہنچا ہے میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں اگر تو خدا کو خوش رکھے گا تو اس دُنیا میں نشاد کام رہے گا۔ خلقت خدا کا خُون بہانے سے جہاں تک ممکن ہو گریز کر۔ اگر تو لوگوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانا چاہتا ہے۔ تو ان سے رحم۔ فیاضی اور محبت سے پیش آ۔ خدا نے تجھے خلقت کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور میری نصیحت یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلقت کو آرام پہنچانے کے خیال سے غافل مت رہنا۔ اگر تو لوگوں سے محبت کرے گا۔ تو سب تیرا دم بھرینگے“

سُلطان صلاح الدین کے حضور میں لوگ دیباکی سے حاضر ہوتے تھے فرصت کے اوقات میں لوگوں سے بات چیت کرتا اسے بہت پسند تھا۔ اس کے عہد میں لوگوں کو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ اس کے دربار میں جو لوگ موجود ہوتے تھے بلا تکلف گفتگو میں شامل ہوتے تھے۔ لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے سامنے بیہودہ سہرائی سے کام لے۔ یا غیر متعلق گفتگو کرے۔ سلطان کبھی کسی کو برا بھلا نہ کہتا تھا۔ غصہ کی حالت میں خاموش ہو جاتا تھا۔ حکیم عبد اللطیف جو بغداد سے آیا تھا لکھتا ہے :-

”سُلطان کے چہرے سے جلالت اور دبدرہ ہو یا رضا۔ اس کے پاس بیٹھ کر طبیعت خوش ہوتی تھی۔ وہ پرلے درجے کا فیاض اور بڑا خوش مزاج آدمی تھا۔ بڑا منکسر المزاج تھا۔ بڑا رحم دل تھا۔ اس کی مجلس میں ہر وقت علماء اور بڑے بڑے اہل شہر بیٹھے رہتے تھے۔ سلطان ان لوگوں سے بحث کرتا تھا۔ اور ان کی گفتگو سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ جب سلطان نے بیت المقدس کی تفصیل اور شہر پنہا کو مستحکم کرنے کا حکم دیا۔ تو وہ خود اس وقت بیت المقدس میں موجود تھا۔ میں نے اسے

خود پتھر اٹھا اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے کئی بار دیکھا ہے۔ اس کے مشیر بہاؤ الدین اور عیاد الدین بھی اس کے ساتھ کام کرتے تھے صبح سے دوپہر تک وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سپاہ کے حفاظتی کاموں کا معائنہ کرتا رہتا تھا۔ یہی شغل پچھلے پھر رہتا تھا۔

سُطان صلاح الدین نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ عیش و آرام سے اسے نفرت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسان دنیا میں خدا کی عبادت اور اس کی خلقت کی خدمت کے لئے بھیجا گیا ہے۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے :-

”سُطان بڑا کریم النفس اور رحم دل تھا کسی شخص کو دکھ درد میں دیکھ کر بیتاب ہو جاتا تھا۔ بڑا فیاض اور متواضع شخص تھا۔ اپنے خدام پر کبھی راض ہونا تو شاد و نادم ہی انہیں سزا دلواتا۔ حالانکہ اس زمانہ میں خدام پر لوگ بہت سختی کرتے تھے۔ اگر کبھی کوئی خادم اس کا رویہ پیسہ چراتا تو سُطان اسے موقوف کر دیتا۔ لیکن کبھی سزائے تازیانہ نہ دلواتا۔“

بہاؤ الدین ایک مقام پر لکھتا ہے۔ کہ میں اور سُطان گھوڑوں پر سوار بیت المقدس کے ایک بازار سے گزر رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے ہر طرف کچڑ تھا کئی بار گھوڑے کے کودنے سے سُطان کے کپڑوں پر کچیر کی چھینٹیں پڑیں۔ سُطان مسکرا کر خاموش رہتا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ سُطان کے پیچھے چلوں۔ لیکن سُطان نے اجازت نہ دی۔

ایک بار سُطان ابھی ابھی باہر سے آکر بیٹھا تھا۔ بڑا تھکا مائدہ معلوم ہوتا تھا۔ اتنے میں ایک ”ملوک“ ایک درخواست لے کر آیا۔ اور سُطان کے آگے کاغذ رکھ دیا۔ سُطان نے کاغذ اٹھا کر اس کی درخواست پر منتظوری کا حکم لکھ دیا۔

اس کثرت سے لوگ اپنی اپنی عرضیاں لے کر آتے تھے۔ کہ ایک بھیڑ لگ جاتی تھی۔ سلطان ہر ایک شخص کے ہاتھ سے خود عرضی لے لیتا۔ اور مناسبت احکام لکھوا کر اسے خود واپس دیتا۔ سلطان ہر روز لوگوں کی عرضیاں دیکھتا کرتا تھا۔ اور ایک خاص وقت اس کام کے لئے متعین تھا۔ اس کے سیکرٹری قلم دوات لے کر پاس بیٹھ رہتے۔ اور اس کے احکام عرضیوں پر لکھتے رہتے۔

ہر روز یک شنبہ اور دو شنبہ وہ دالہ القضاۃ میں جا کر بیٹھتا تھا۔ اور لوگوں کے مقدمات خود فیصلہ کرتا تھا۔ قاضی سلطان کے پاس بیٹھا شرعی احکام نافذ کرتے تھے اسے مشورہ دیتا تھا۔

سلطان کی فیاضی کی مثالیں اس قدر ہیں کہ اگر ان کو ترتیب وار لکھا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ عہد کے میدان میں ایک عیسائی عورت کی چھوٹی سی لڑکی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ نصرانی سرداروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ خود سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر بچے کے تلاش کرنے کی درخواست کرے۔ یہ نصرانی عورت روتی ہوئی سلطان کے سامنے حاضر ہوئی۔ سلطان کو اسکی حالت پر بہت رحم آیا۔ لشکر کو حکم دیا گیا۔ کہ جس کے پاس لڑکی ہو۔ وہ فوراً اسے حاضر کرے۔ آخر لڑکی مل گئی۔ سلطان اُسے اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔ اور دونوں کو کچھ نقد انعام دے کر بحفاظت نصرانی لشکر میں بھیجوا دیا۔

سلطان تنیم بچوں سے بڑی محبت سے پیش آتا تھا۔ اور عموماً ان کی پرورش کا انتظام کرتا رہتا تھا۔ سلطان کو اپنے بچوں سے از حد الفت تھی۔ وہ ان کو ہمیشہ یہی تلقین اور نصیحت کیا کرتا کہ اپنے ہمجنس سے یہ تملطف پیش آؤ۔ اور رحم کرنے کی عادت ڈالو۔ سلطان بڑا پکا متقی مسلمان تھا۔ کسی خاص فرقہ سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ احکام قرآن اور احکام شریعت کا پابند تھا۔ ایک صرف مذہبی معاملات میں سلطان

کسی سے رعایت نہ کرتا تھا۔ وہ لوگ جو مذہبیں ختم اندازی کرتے تھے ان کو شرع کے مطابق سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ نماز ہمیشہ پابندی اوقات سے ادا کرتا تھا۔ جنگ و جدل کے ایام میں بھی رمضان مبارک کے روزے پورے رکھا کرتا تھا۔ تلاوت قرآن حکیم میں کبھی کوتاہی نہ کرتا تھا۔ نماز جمعہ خاص اہتمام سے ہمیشہ باجماعت ادا کرتا تھا۔ ایام علالت میں امام کو بلوا کر جمعہ کی نماز اس کے پیچھے ادا کی تھی۔ خوش الحان قاریوں سے قرآن حکیم سننے کا اسے بہت شوق تھا۔ چونکہ خوب عالم تھا۔ مطالب قرآن کو خوب سمجھتا تھا۔ جب کبھی کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتا۔ تو اس کی آنکھوں میں دھواں جیسا عقیقہ سے آنسو ڈبڈبایا آتے۔ سلطان کو زیارت بیت اللہ کی برسی آرزو تھی۔ ہر سال حج کی تیاری کرتا۔ لیکن صلیبی جنگوں کے باعث یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ تاہم وہ ہر سال بہت سارے پیادے حجاج کے اخراجات کے لئے تقسیم کرتا۔ حاجیوں سے جو محصول لیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے عہد میں اسے بند کر دیا تھا۔

اس کے آخری ایام میں جب مدینہ منورہ سے حاجیوں کا قافلہ واپس آیا۔ تو وہ اپنے شہزادوں اور اُمراء کے ساتھ ان کے استقبال کو گیا۔ حاجیوں سے مصافحہ کرتا تھا۔ اور خوشی کے آنسو بہاتا تھا۔

”جہلا“ کے ایام میں سلطان دن رات فوجوں کی دستگی اور سامان سکی فراہمی کے انتظامات میں منہمک رہتا تھا۔ سلطان کی طبیعت میں رحم اور حلم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جنگ و جدل سے اسے سخت نفرت تھی۔ لیکن جب راہ خدا میں عیسائیوں سے جہاد کرنے کا وقت آیا۔ تو اس نے اپنی برباری۔ چابک دستی۔ فوجی لیاقت اور سیاست سے ایک زمانہ کو محو حیرت کر دیا۔ میدان جنگ میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک گھوڑا دوڑاتا نظر آتا تھا۔ صرف ایک غلام ایک اند گھوڑا لے کر

ساتھ موجود رہتا تھا۔

”جہاد“ کے اخراجات کے لئے جو کچھ اس کے پاس ذاتی طور پر تھا سب خرچ کر ڈالا۔ اور اس سے زیادہ جہم و جان دونوں کو اللہ کی راہ میں فدا کر دیا۔ سلطان کا ارادہ تھا کہ نصرانیوں کو فلسطین سے نکال کر پھر اور بلاد کے عیسائی تاجداروں کو دعوت اسلام دے۔ اور اگر وہ انکار کریں تو راہ حق میں جہاد کرے۔

”علہ“ کے میدان میں جب آجائیک اس کی طبیعت خراب ہو گئی تو اس کے اطباء نے آرام کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن پھر بھی سلطان کا ہے گلہ ہے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی افواج میں ادھر ادھر چکر لگاتا اور کہا کرتا۔ کہ جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں۔ تو سب دکھ درد بھول جاتا ہوں۔ لیکن جب آرام کرنے کے لئے لمبا پڑتا ہوں تو عارضہ بھی تکلیف دینے لگتا ہے۔

مال و دولت اس کی نگاہ میں بالکل حقیر چیز تھی۔ ان ایام میں جب کہ اس کا باپ ایک قلعہ دار تھا۔ صلاح الدین کے پاس جو کچھ ہوتا اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالتا۔ جب خدا نے اسے تخت و تاج عطا کیا۔ تو فیاضی کی کوئی حد نہ رہی۔ سائل جو کچھ منہ سے مانگتا عموماً وہی اس کو ملتا۔ روپیہ بخش کر فیہیں سلطان ہر وقت تیار رہتا تھا۔ خزانہ شاہی ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ جنگ و جدل کے ایام میں باجگزار سلطانیں سامان کا انتظام کر دیتے تھے۔ مرنے سے پیشتر سلطان کے پاس جو کچھ اس کی ذاتی ملکیت تھی۔ اس نے سب اللہ کی راہ میں دیدی۔ وہ دنیا سے اس طرح خالی ہاتھ گیا جس طرح وہ خالی ہاتھ آیا تھا۔ ایک عالم میں سلطان کی فیاضی کی سچی کہانیاں مشہور تھیں۔ اور وہ لوگ جو اس کے نام سے کانپتے تھے۔ جب اس کے حضور میں حاضر ہوتے۔ تو اس کے علم۔ رحم اور فیاضی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔

سلطان اپنے پیچھے سترہ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ گیا۔ سب سے بڑے لڑکے کا نام الملک الفضل نور الدین ابو الحسن علی تھا۔ یہ شہزادہ عید کے روز مصر میں پیدا ہوا تھا۔ سلطان کی وفات کے بعد دمشق - بعلبک - بانیاس وغیرہ علاقوں پر حکومت کرنے لگا۔

دوسرے لڑکے کا ملک العزیز عماد الدین ابو الفتح عثمان تھا۔ یہ بھی مصر میں پیدا ہوا۔ سلطان کی وفات کے وقت مصر میں موجود تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد مصر پر حکومت کرنے لگا۔

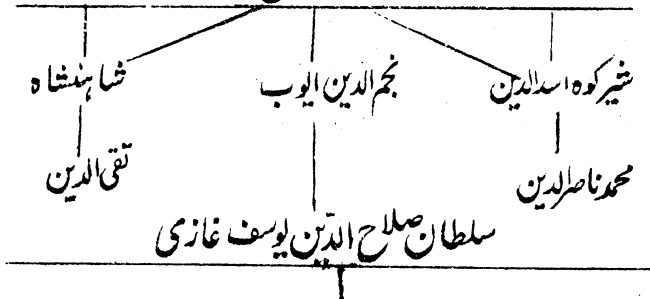
تیسرے لڑکے کا الملک الظاہر غیاث الدین غازی تھا۔ سلطان کے بعد سلطنت حلب کا والی قرار پایا۔

لڑکی کا نام مونہہ خاتون تھا۔ یہ شہزادی ملک کامل سلطان کے بھتیجے سے بیاہی گئی تھی۔

عالم اسلام ابو المظفر الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف پر جتنا بھی ناز اور فخر کرے بجا ہے۔



شادزی



الملك انفضل الملك العزيز الملك الناصر ملك الظاهر الملك المضر
الملك المويده الملك الاعز الملك الزهير الملك انفضل
الملك الاشرف الملك المحسن الملك المعظم الملك الجواد
الملك الغالب الملك المنصور عماد الدين شادي نصر الدين مردان

مولسه خاتون

تمام شد

میان محمد حنیف پر و پریشاد و اکید می بیرون دوباره گشت لا بهرتی عالمگیر ملک پسر ابوبکر بن تمام حنفی و عالم پسر
چچو اکبر شایع کیت

